تصنیفِ لطیف

اعلیٰ حضرت، مجدّدِ دین و ملّت،

امام احمد رضا خان بریلوی علیہ رحمۃ اللہ

کون کونسے پانیوں سے وضو کرنا جائز ہے؟

250 صفحات پر مشتمل لاجواب منفرد تحقیق

فتوٰی مسمّٰی بہ

اَلنُّوْرُ وَالرَّوْنَق لِاِسْفَارِ الْمَاءِ الْمُطْلَق ۱۳۳۴ھ

(آبِ مطلق کا حکم روشن کرنے کے لئے نور اور رونق)

مسئلہ ۵۵ ۲۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آبِ مطلق کہ وضوء وغسل کے لیے درکار ہے اُس کی کیا تعریف ہے آبِ مقید کسے کہتے ہیں بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ الذی انزل من السماء ماء طھورا لیطھرنا بہ تطھیرا ؕ حمدا مطلقا غیر مقید بعد داوامد دائما ابدا کثیرا کثیرا والصلاۃ والسلام علی الطیب الطاھر الطھور المطھر المفضل علی الخلق فضلا کبیرا ؕ وعلٰی الہ وصحبہ وابنہ وحزبہ ما امطرت السحب ماء نمیرا امین اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے آسمان سے پاک پانی اتارا کہ اس کے ذریعے ہمیں پاک صاف کرے مطلق تعریفیں بغیر کسی قید عددی اور غائی کے ہمیشہ ہمیشہ بہت زیادہ اسی کے لیے ہیں طیب، طاہر، پاک کرنیوالے اور مخلوق پر فضیلت رکھنے والے پر اور آپ کے آل، اصحاب، بیٹے اور گروہ پر بے شمار صلوٰۃ وسلام ہوں جب تک بادل وافر پانی برساتے رہیں، آمین۔ اے اللہ! ہمیں سچے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما۔ (ت)

یہ سوال بظاہر چھوٹا اور اس کا جواب بہت طول چاہتا ہے یہ مسئلہ نہایت معرکۃ الآرا ہے۔ فقیر بتوفیق القدیر اوّلاً جزئیاتِ منصوصہ ذکر کرے پھر تعریفِ مطلق ومقید کہ اصالۃً ضابطہ جامعہ کلیہ ہے اور دیگر ضوابط کے لیے معیار پھر ضوابط جزئیہ متون پھر ضوابط کلیۂ متاخرین پھر جزئیاتِ جدیدہ کے احکام وما توفیقی الا باللہ

علیه توکلت والیه انیب

یوں یہ کلام پانچ فصل پر منقسم ہوا :

فصل اول جزئیات منصوصہ ، اور وہ تین قسم ہیں :

قسم اول وہ پانی جن سے وضو صحیح[ع۱] ہے :

(۱) مینہ ، دریا ، نہر ، چشمے ، جھرنے ، جھیل ، بڑے تالاب ، کنویں کے پانی تو ظاہر ہیں بالخصوص قابلِ ذکر ماءِ مبارک زمزم شریف[ع۲] ہے کہ ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک اُس سے وضو و غسل بلا کراہت جائز ہے اور ڈھیلے کے بعد استنجا مکروہ اور نجاست دھونا ممنوع - تنویر و درمختار میں ہے :

یرفع الحدث مطلقا بماء مطلق کماء سماء و اودیۃ وعیون وابار وبحار وماء زمزم بلاکراھۃ وعن احمد یکرہ[۱]

حدث مطلق پانی سے رفع ہوتا ہے جیسے آسمان کا پانی ، وادیوں ، چشموں ، کنووں ، نہروں ، سمندروں اور زمزم کا پانی ، زمزم کے پانی سے رفع حدث بلاکراہت ہوتا ہے جبکہ امام احمد کے نزدیک کراہت کے ساتھ ہوتا ہے ۔ (ت)

نیز ح در میں ہے :

یکرہ الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال[۲]

زمزم کے پانی سے استنجا مکروہ ہے غسل کرنا مکروہ نہیں ۔ (ت)

شامی میں ہے :

وکذا ازالۃ النجاسۃ الحقیقیۃ من ثوبہ اوبدنہ حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلک اھ[۳]

اور اسی طرح بدن یا کپڑے سے نجاست حقیقیہ کا دور کرنا ، یہاں تک بعض علماء نے تو اس کو حرام تک لکھ دیا ہے اھ ۔ (ت)

ع۱ یعنی اُن سے طہارت کی جائے تو ہو جائے گی اور اس سے نماز صحیح ہوگی اگرچہ اُس پانی کا استعمال مکروہ بلکہ حرام ہو جیسا کہ مفصلاً بیان ہوگا ۱۲ (م)

ع۲ سب سے اعلیٰ سب سے افضل دونوں جہان کے سب پانیوں سے افضل ، زمزم سے افضل ، کوثر سے افضل وُہ مبارک پانی ہے کہ بارہا براہِ اعجاز حضور انور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے دریا کی طرح بہا اور ہزاروں نے پیا اور وضو کیا ۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ وہ پانی زمزم و کوثر سب سے افضل مگر اب وہ کہاں نصیب اور آگے ہر قسم کے پانی مذکور ہوں گے اُن کے سلسلے میں بلا ضرورت اس کا نام لینا مناسب نہ جانا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[۱] درمختار ، باب المیاہ ، مجتبائی دہلی ۱/۳۴ — [۲] درمختار ، آخر کتاب الحج ، مجتبائی دہلی ۱/۱۸۴

[۳] ردالمحتار ، آخر کتاب الحج ، مصطفی البابی مصر ۲/۲۷۸

اقول مطلق الکراھۃ للتحریم[1] و اطلاق الحرام علی المکروہ تحریما غیر بعید[2] فلاخلف نعم اذا استنجی بالمدر[3] فالصحیح انہ مطھر فلا یبقی الا اساءۃ ادب فیکرہ تنزیھا بخلاف الاغتسال ففرق بیّن بین القصدی والضمنی ھذا ما ظھر لی۔

میں کہتا ہوں مطلق کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے، اور حرام کا اطلاق مکروہ تحریمی پر کوئی بعید امر نہیں، تو کوئی مخالفت نہیں، ہاں اگر کسی نے ڈھیلے سے استنجا کرلیا تو صحیح یہ ہے کہ یہ پاک کرنے والا ہے تو ایسی صورت میں صرف سوءِ ادبی رہے گی اور مکروہ تنزیہی ہوگا بخلاف غسل کے تو ارادی اور ضمنی کاموں میں واضح فرق ہوتا ہے ھذا ما ظھر لی۔ (ت)

اقول یہ بھی دلیل واضح ہے کہ ہمارے ائمہ سے روایت صحیحہ طہارت مائے مستعمل ہے ورنہ غسل و استنجا میں فرق نہ ہوتا۔

(۲) سمندر کا پانی بعض صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول کہ اُس سے وضو ناجائز جانتے اور ہمارے ائمہ اور جمہور امت کا اُس سے جوازِ وضو پر اجماع ہے،

فی البحر وفی قولہ والبحر رد قول من قال ان ماء البحر لیس بماء حتی حکی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ قال فی ماء البحر التیمم احب الی منہ کما نقل عنہ فی السراج الوھاج[1] اھ وقال السید ط فی حاشیۃ المراقی قال ابن سیدہ فی المحکم البحر الماء الکثیر ملحا اوعذبا وغلب علی الملح فالتنصیص علیہ دفع لتوھم عدم جواز التطھیر بہ لانہ مرمنتن کما توھم بعض الصحابۃ[2] اھ۔

اور اس کے قول والبحر میں اُن لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں "ماء البحر" پانی نہیں ہے یہاں تک کہ ابن عمر سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے سمندری پانی سے میرے نزدیک تیمم کرلینا زیادہ پسندیدہ عمل ہے "سراج الوہاج میں نقل کیا ہے"، اور "ط" نے حاشیہ مراقی الفلاح میں فرمایا کہ ابن سیدہ نے محکم میں فرمایا بحر سے مراد کثیر پانی ہے خواہ میٹھا ہو یا نمکین، لیکن عام طور پر اس کا استعمال نمکین کے لیے ہوتا ہے، اس کی تصریح اس وہم کو دفع کرنے کے لیے ہے کہ اس سے پاکی کا حاصل کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ کڑوا اور بدبودار ہوتا ہے جیسے کہ بعض صحابہ نے توہم کیا اھ

اقول ھذا اللفظ بعید عن الادب[5] فلیجتنب قال وفی الخبر من لم یطھرہ ماء البحر فلا طھرہ اللہ[3] اھ۔

میں کہتا ہوں یہ لفظ بے ادبی کے ہیں، ان سے بچنا چاہئے۔ فرمایا ایک روایت میں ہے کہ جس کو سمندر کا پانی پاک نہ کرسکے تو خدا اسکو کبھی پاک نہ کرے (ت)

قلت رواہ الدارقطنی والبیہقی

میں کہتا ہوں اس کو دارقطنی اور بیہقی نے

---

[1] البحر الرائق، کتاب الطہارۃ بحث الماء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶

[2] و [3] حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۳

كلاهما في السنن بسند واه بدون لفظ ماء عن
ابي هريرة رضي الله تعالٰى عنه عن النبي صلى
الله تعالى عليه وسلم فالاولى الاقتصار
على ما تمسك به شارحه اعني العلامة
الشرنبلالي حيث قال لقوله صلى الله تعالى
عليه وسلم هو الطهور ماؤه الحل ميتته اه

قلت رواه احمد والاربعة
وابن حبان والحاكم عن ابي هريرة رضي الله
تعالٰى عنه بسند صحيح واحمد وابن ماجة
والاخيران والدارقطني والطبراني في الكبير
عن جابر وابن ماجة عن ابي الفراسي و
الدارقطني والحاكم عن علي ومن ابن عمرو و
وعبد الرزاق عن انس والدارقطني عنه و
ايضا عن ابن عمرو ايضا عن جابر عن
ابي بكر الصديق وابنا مردويه والنجار عن
ابي الطفيل عن الصديق رضي الله تعالى عنهم
كلهم عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم
وفي اخرى لابن مردويه كالدارقطني عن ابي
الطفيل عن الصديق من قوله ولعبد الرزاق
وابي بكر بن ابي شيبة عن عكرمة ان عمر
رضي الله تعالٰى عنه سئل عن الوضوء
من ماء البحر فقال سبحٰن الله فاي ماء
اطهر من ماء البحر وفي لفظ اطيب و
لهذا وابن عبد الحكم في فتوح مصر و
البيهقي عنه رضي الله تعالى عنه قال اغتسلوا

اپنی سنن میں کمزور سند سے روایت کیا، یہ ابوہریرہ
کی روایت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اس میں ماء کا لفظ نہیں ہے
تو زیادہ بہتر ہے کہ اسی پر اکتفا کیا جائے
جس سے اسکے شارح نے استدلال کیا ہے، یعنی علامہ شرنبلالی
نے، انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے
"سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مُردہ حلال ہے (ت)
میں کہتا ہوں اس کو احمد اور چاروں نے اور
ابن حبان، حاکم نے ابوہریرہ سے بسندِ صحیح روایت
کیا ہے اور احمد ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، دارقطنی
اور طبرانی نے کبیر میں جابر سے اور ابن ماجہ نے
ابو الفراسی سے اور دارقطنی اور حاکم نے علی سے اور
ابن عمرو سے اور عبد الرزاق نے انس سے اور دارقطنی نے
انس اور ابن عمرو سے نیز جابر سے ابوبکر صدیق سے اور
ابن مردویہ اور ابن نجار نے ابو الطفیل سے ابوبکر
صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے سب نے نبی پاک صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم سے، دوسری سند میں ابن مردویہ نے
دارقطنی کی طرح ابو الطفیل سے ابوبکر صدیق سے ان
کے قول سے۔ اور عبد الرزاق اور ابوبکر ابن ابی شیبہ
نے عکرمہ سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ
سے سمندر سے وضو کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ
نے فرمایا سبحان اللہ، سمندر کے پانی سے زیادہ
کون سا پاک ہے، اور ایک روایت میں اطیب کا لفظ
ہے اور ابوبکر ابن ابی شیبہ اور ابن عبد الحکم نے فتوح مصر
میں اور بیہقی نے اُن سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا
سمندر کے پانی سے غسل کرو کیونکہ وہ مبارک ہے

---

[1] مراقی الفلاح، بحث ماء البحر، ص ۱۳ مطبعہ ازہریہ مصر [2] مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء من ماء البحر ۱/۹۵ مکتبۃ الاسلامی بیروت

من ماء البحر فانه مبارک[1] قال ط ومن الناس
من کرہ الوضوء من[2] البحر الملح لحدیث
ابن عمر انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم
قال لا یرکب البحر الا حاج او معتمر او غاز فی
سبیل اللہ فان تحت البحر نارا و تحت النار
بحرا تفرد به ابوداؤد[3] اھ

اقول لم یتفرد به بل رواہ قبله
سعید بن منصور فی سننه واٰخرون الا
ان یرید التفرد من بین الستة ثم لیس ھذا
حدیث ابن عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی
عنهم انما رواہ د عن مطرف ھو ابن طریف
ثقة فاضل عن بشر ابی عبداللہ ھو الکندی
مجهول قال الذھبی لا یکاد یعرف عن بشیر[4]
بن مسلم ھو ابو عبداللہ الکندی الکوفی مجهول
عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنهما
یعنی ابن العاص قال خ لم یصح حدیثه
واوردہ ابن حبان علی قاعدته فی ثقات
اتباع التابعین وقال روی عن رجل عن
ابن عمرو[5] واللہ تعالٰی اعلم نعم فی مسند

"ط" نے کہا کچھ لوگ نمکین سمندر سے وضو کو مکروہ
قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال ابن عمر رضی اللہ عنہ
کی حدیث سے ہے کہ سمندر میں صرف حاجی یا عمرہ
کرنے والا یا غازی سفر کرے غیر نہیں کیونکہ سمندر کے
نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے، اس کی
روایت میں ابوداؤد متفرد ہیں۔ (ت)

میں کہتا ہوں وہ متفرد نہیں ہیں بلکہ اُن سے قبل
اسی کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور دوسرے محدثین نے
روایت کیا ہے، ہاں چھ کے درمیان تفرد کا دعوٰی
ہو تو درست ہے۔ پھر یہ حدیث ابن عمر فاروق رضی اللہ
عنہما کی نہیں ہے اس کو "د" نے مطرف سے جو
ابن طریف ہیں روایت کیا اور وہ ثقہ ہیں فاضل ہیں،
بشر ابو عبداللہ الکندی سے، یہ مجہول ہیں، ذہبی نے
کہا کوئی نہیں جانتا بشیر بن مسلم سے وہ ابوعبداللہ الکندی
الکوفی مجہول ہیں، عبداللہ بن عمرو سے یعنی ابن العاص
سے، خ نے کہا ان کی حدیث صحیح نہیں اور اس کو
ابن حبان نے اپنے قاعدہ کے مطابق اتباع تابعین
کے ثقات میں ذکر کیا اور فرمایا ایک شخص سے مروی
ہے ابن عمرو سے واللہ تعالٰی اعلم، ہاں مسند فردوس

---

[1] بحوالہ کنز العمال فصل فی المیاہ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۵۷۲/۹
[2] طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث الماء البحر مطبعہ ازہریہ مصریہ ص ۱۳
[3] " " " " " "
[4] میزان الاعتدال بشر عبداللہ بیروت ۳۲۷/۱
[5] " بشیر بن مسلم " ۳۲۹/۱

الفردوس عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی
عنہما مرفوعاً تحت البحر نار و تحت النار
بحر و تحت البحر نار[1] اھ ویمکن ان تکون
فی قولہ تعالٰی والبحر المسجور اشارۃ
الیہ واللہ تعالٰی اعلم قال ط وکان ابن عمر
لایری جواز الوضوء بہ ولا الغسل عن جنابۃ[2] اھ

اقول یذکر عنہ رضی اللہ تعالٰی
عنہ انہ قال ماء البحر لایجزئ من وضوء
ولاجنابۃ ان تحت البحر نارا ثم ماء ثم
نارا حتی عد سبعۃ ابحر وسبعۃ انیار[3] ولم
اقف لہ علی اصل فاللہ اعلم بہ وانما الذی
فی الحلیۃ ان کون الطہارۃ جائزاً بھذہ
المیاہ سواء کانت عذبۃ او ملحۃ مما دل
علیہ الکتاب والسنۃ ولم یعرف فی شیئ
منہا خلاف نعم نقل عن بعض الصحابۃ
کراھۃ الوضوء بماء البحر منہم عبداللہ
بن عمر والجمہور علی عدم الکراھۃ[4] اھ وفی
ھامش الانقرویۃ عن مختارات النوازل
حکی عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ تعالٰی
عنہم انہما قالا الوضوء بماء البحر مکروہ[5]

میں ابن عمر سے مروی ہے کہ سمندر کے نیچے آگ ہے
اور آگ کے نیچے سمندر ہے اھ اس کو انھوں نے
مرفوعاً روایت کیا، اور ممکن ہے کہ اللہ کے قول
والبحر المسجور میں اس طرف اشارہ ہو، واللہ
تعالٰی اعلم "ط" نے فرمایا: ابن عمر سمندر سے وضو
اور غسلِ جنابت کو جائز نہیں سمجھتے تھے اھ (ت)

میں کہتا ہوں ابن عمر سے یہ روایت منسوب
ہے کہ سمندر کا پانی وضوء اور غسلِ جنابت کے لیے
کافی نہیں بے شک سمندر کے نیچے آگ ہے پھر
پانی پھر آگ ہے یہاں تک کہ انھوں نے سات
سمندروں اور سات آگوں کا ذکر کیا، اور مجھے اس
کی کسی اصل پر اطلاع نہیں ہے واللہ اعلم، حلیہ
میں یہ ہے کہ ان پانیوں سے طہارۃ جائز ہے خواہ
میٹھے ہوں یا نمکین ہوں، اس پر کتاب وسنت
دلالت کرتے ہیں، اور اس میں کوئی خلاف معروف
نہیں، ہاں بعض صحابہ سے کراہت منقول ہے کہ
ان سے وضو مکروہ ہے، اُن میں عبداللہ بن عمر بھی
شامل ہیں، اور جمہور کا قول ہے کہ کراہت نہیں ہے
اھ اور انقرویہ کے حواشی میں مختارات النوازل سے
ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر سے مروی ہے کہ وضو

---

[1] مسند فردوس
[2] طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث ماء البحر ازہریہ مصر ص ۱۳
[3] یذکر عن ابن عمر
[4] حلیہ
[5] علی حاشیۃ فتاوی القرویہ بحث ماء البحر دار الاشاعۃ العربیہ قندھار ۲/۱

اھ قال ط وکذا روی ابی ھریرۃ اھ[1]

اقول وھذا اعجب مع ما صح عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما سمعناک نعم فی البدائع روی عن ابی العالیۃ الریاحی انہ قال کنت فی جماعۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سفینۃ فی البحر فحضرت الصلاۃ ففنی ماؤھم ومعھم نبیذ التمر فتوضأ بعضھم نبیذ التمر وکرہ التوضؤ بماء البحر وتوضأ بعضھم بماء البحر وکرہ التوضؤ بنبیذ التمر (عــہ) وھذا حکایۃ الاجماع فان من کان یتوضؤ بماء البحر کان یعتقد

حضرات نے سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ قرار دیا ہے اھ ط۔ اسی طرح ابوہریرہ سے مروی ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں یہ زیادہ عجیب ہے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بروایت صحیح جو تھا وہ ہم نے نقل کیا، ہاں بدائع میں ابو العالیۃ الریاحی سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سمندری سفر میں تھا کہ نماز کا وقت آگیا کشتی والوں کے پاس پانی ختم ہوچکا تھا ان کے پاس شیرہ کھجور تھا تو بعض نے اسی سے وضو کرلیا اور سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ سمجھا اور بعض نے سمندر کے پانی سے وضو کرلیا، یہ اجماع کی حکایت ہے کیونکہ جو حضرات سمندر کے پانی سے وضو کررہے تھے تو وہ اس کے پانی سے وضو کے جواز کے قائل تھے اور انھوں نے

عــہ **اقول** لم یبلغ فھمی القاصر کیف کان ھذا حکایۃ الاجماع علی جواز الوضوء بنبیذ التمر عند عدم الماء فان من توضأ بماء البحر جاز ان لم یر الوضوء بالنبیذ فی الحالۃ الراھنۃ لوجود الماء وجاز ان لم یر الوضوء بہ اصلا حتی لو وجدہ وعدم الماء تیمم کما ھو المفتی بہ عندنا والکراھۃ فی عرف السلف لا یدل علی الجواز ۱۲ منہ غفرلہ (م)

میں کہتا ہوں میری ناقص سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ یہ اجماع کیونکر ہوگیا کہ پانی نہ ہونے کے وقت نبیذ تمر سے وضو جائز ہے، کیونکہ جن حضرات نے سمندر کے پانی سے وضو کیا ممکن ہے کہ وہ موجودہ حالت میں نبیذ تمر سے وضو کو جائز نہ سمجھتے ہوں کیونکہ پانی موجود ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نبیذ تمر سے وضو کو بالکل جائز نہ سمجھتے ہوں یہاں تک کہ اگر نبیذ موجود ہو اور پانی نہ موجود ہو تو وہ تیمم کے قائل ہوں جیسا کہ یہ ہمارے نزدیک مفتی بہ ہے اور سلف کی عرف میں کراہت جواز پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ (ت)

---

[1] طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث ماء البحر ازہریہ مصر ص ۱۳

جواز التوضؤ بماء البحر فلم یتوضأ بنبیذ التمر لکونه واجد الماء المطلق ومن کان یتوضؤ بالنبیذ کان لایری ماء البحر طهورا او کان یقول ھو ماء سخطۃ ونقمۃ کانہ لم یبلغہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی صفۃ البحر ھو الطھور ماؤہ الحل میتتہ فتوضأ بنبیذ التمر لکونہ عادما للماء الطاھر[علیٰ] اھ فھذا انما ابداہ احتمالا وانما لفظ الروایۃ ما سمعت۔

نبیذ تمر سے وضوء اس لیے نہ کیا کہ انھوں نے ماءِ مطلق کو پایا اور جو نبیذ تمر سے وضوء کرتے تھے وہ سمندر کے پانی کو طہور نہیں سمجھتے تھے، یا وہ یہ کہتے تھے کہ یہ پانی ناراضگی اور عذاب کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا ہے شاید ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں پہنچی کہ سمندر کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردہ حلال ہے تو پانی نہ ہونے کی صورت میں انھوں نے نبیذ تمر سے وضو کیا اھ تو یہ انھوں نے بطور احتمال فرمایا ورنہ روایت کے الفاظ وہ ہیں جو آپ نے سُنے۔ (ت)

اقول ویجوز ان یکونوا معتقدین جواز الوضوء بھما اذا کان الماء غالبا فی النبیذ کما سیاتی ان شاء اللہ تعالٰی فمن توضأ بہ کرہ التوضؤ بماء البحر کراھۃ تنزیہ ولم یشک ان النبیذ الذی عندہ ماؤہ غالب ومن توضأ بماء البحر شک فی النبیذ الذی عندہ فکرہ التوضؤ بہ کراھۃ امتناع وتوضأ بماء البحر واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ وہ دونوں سے وضوء کے جواز کے قائل ہوں جبکہ نبیذ پر پانی غالب ہو جیسا کہ ان شاء اللہ آئے گا، تو جس نے اس سے وضو کیا اس نے سمندری پانی سے وضوء کو مکروہ تنزیہی سمجھا اور اس میں شک نہیں جانا کہ جو نبیذ اس کے پاس ہے اس کا پانی غالب ہے اور جس نے سمندری پانی سے وضو کیا اس کو اس نبیذ میں شک تھا جو اس کے پاس موجود تھا تو اس نے بطور کراہتِ تحریمی اس سے وضوء نہ کیا اور سمندری پانی سے وضو کرلیا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳ و ۴) پالا اولے جب پگھل کر پانی ہوجائیں کہ یہ بھی وہی آسمانی پانی ہیں کہ کرۂ زمہریر کی سردی سے

[علیٰ] ھکذا فی نسختی البدائع وکانھا زلۃ من قلم الناسخ والوجہ الطھور ۱۲ منہ غفرلہ (م)

میرے پاس بدائع کا جو نسخہ ہے اس میں اسی طرح ہے شاید کاتب نے غلط لکھ دیا مناسب الطھور ہے۔ (ت)

---

[۱] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۶

یخ بستہ ہوگیا،

فی الدر[1] یرفع الحدث بماء مطلق کثلج مذاب وبرد وجمد وندی[1] اھ وفی البحر والنھر وعن ابی یوسف یجوز وان لم یکن متقاطرا والصحیح ولفظ النھر الاصح قولھما[2] اھ ونسبہ فی جامع الرموز للصاحبین حیث قال لا یتوضؤ بالثلج الا اذا تقاطر وعن الصاحبین انہ یتوضؤ بہ والاول ھو الصحیح کما فی الظھیریۃ[3] اھ وقد کنت کتبت علی ھامشہ اقول لیس ھذا محل خلاف وتصحیح اذ لا وضوء الا بالغسل ولا غسل الا بالاسالۃ ولا اسالۃ الا بالتقاطر فھو المراد اھ ما کتبت علیہ اقول نعم یروی عن الثانی ان الغسل بل المحل وان لم یسل کما فی البحر[4] وھذا لا یختص بالثلج والبرد وقد منا فی تبیان الوضوء ان مرادہ سال من العضو قطرۃ او قطرتان ولم یتدارک فلا خلاف[5] قال ش الظاھر ان معنی لم یتدارک لم یتقطر علی الفور بان قطر بعد مھلۃ[6] اھ

دُرّ میں ہے حدث کو دُور کیا جاسکتا ہے مطلق پانی سے جیسے برف یا اولوں کا پگھلا ہوا پانی، منجمد پانی یا تری اھ اور بحر و نہر میں ابو یوسف سے منقول ہے کہ وضو جائز ہے اگرچہ ٹپکنے والا نہ ہو یہ صحیح ہے اور لفظ نہر اصح ہے ان دونوں کا قول اھ اور جامع الرموز میں اس کو صاحبین کی طرف منسوب کیا ہے، فرمایا کہ برف سے اس وقت تک وضو نہ کرے جب تک وہ ٹپکنے نہ لگے اور صاحبین سے مروی ہے کہ اس سے وضو کرے، اور پہلا ہی صحیح ہے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے اھ میں نے اس کے حاشیہ پر یہ لکھا ہے کہ یہ محل خلاف اور تصحیح نہیں ہے کیونکہ دھوئے بغیر تو وضو ہو نہیں سکتا ہے اور دھونا بہائے بغیر نہ ہوگا اور بہانا بغیر تقاطر کے نہ ہوگا، اور یہی مراد ہے اھ میں کہتا ہوں ہاں دوسرے امام سے یہ مروی ہے کہ دھونا جگہ کے تر کرنے کو کہتے ہیں خواہ نہ بہے، جیسا کہ بحر میں ہے اور یہ چیز برف اور اولوں کے ساتھ خاص نہیں ہے اور ہم نے تبیان الوضوء میں بیان کیا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ عضو سے ایک یا دو قطرے بہہ جائیں

[1] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴
[2] بحر الرائق آخر الماء البحر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۷
[3] جامع الرموز بحث الماء السماء مطبعہ کریمیہ قزان ایران ۱/۴۶
[4] بحر الرائق فرض الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱
[5] و [6] رد المحتار فرض الوضوء البابی مصر ۱/۱۷

اور تدارک نہ ہو اس میں اختلاف نہیں"ش" نے فرمایا کہ لم یتدارک کے معنی یہ ہیں کہ فوراً قطرات نہ بہیں، بلکہ مہلت کے بعد قطرات بہیں اھ (ت)

اقول بل الظاھر ان المعنی لم تتتابع القطر کثرۃ یقال تدارک القوم ای تلاحقوا ومنہ قولہ تعالٰی حتی اذا ادارکوا فیھا کما فی الصحاح[1] ومعلوم انہ لم یثبت الفور فی دخول طائفۃ منھم بعد اخری واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں بلکہ معنی یہ ہیں کہ قطرات کثرت سے نہ بہیں، کہتے ہیں "تدارک القوم" یعنی ایک دوسرے سے ملے اور اسی سے فرمانِ الٰہی ہے "حتی اذا ادارکوا فیھا" صحاح میں بھی ایسا ہی ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت کا دوسری جماعت کے فوراً بعد داخل ہونا مراد نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۵) یوں ہی کل کا برف جب پگھل جائے کہ وہ بھی پانی ہی تھا کہ گیس کی ہوا سے جم گیا ومر عن الدر وجمد وھو محرکا الماء الجامد ط عن ح عن القاموس (اور دُر سے گزرا ہے کہ الجَمَد حرکت کے ساتھ جما ہوا پانی (برف) ہے یہ ط سے ح سے قاموس سے ہے۔ ت)

(۶) شبنم

اقول یعنی جبکہ پتوں پھولوں پر سے یا پھیلے ہوئے کپڑے نچوڑ کر اتنی جمع کر لی جائے کہ کسی عضو یا بقیہ عضو کو دھو دے مثلاً روپے بھر جگہ پاؤں میں باقی ہے اور پانی ختم ہوگیا اور شبنم جمع کئے سے اتنی مل سکتی ہے کہ اُس جگہ پر بہ جائے تو تیمم جائز نہ ہوگا یا اوس میں سر برہنہ بیٹھا اور اس سے سر بھیگ گیا مسح ہوگیا اگر ہاتھ نہ پھیرے گا وضو ہو جائے گا اگرچہ سنت ترک ہُوئی یوں ہی شبنم سے تر گھاس میں موزے پہنے چلنے سے موزوں کا مسح ادا ہو جائے گا جبکہ شبنم سے ہر موزہ ہاتھ کی چھنگلیا کے طول و عرض کے سہ چند بھیگ جائے،

ومر عن الدر ونداً قال ش قال فی الامداد وھو الطل وھو ماء علی الصحیح وقیل نفس دابۃ اھ[2]

اور دُر سے گزرا "ونداً" "ش" نے امداد میں کہا یہ شبنم ہے اور صحیح قول کے مطابق یہ پانی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ چوپائے کا سانس ہے (ت)

---

[1] صحاح الجوہری درک بیروت ۴/ ۱۵۸۲

[2] ردالمحتار باب المیاہ البابی مصر ۱/ ۱۳۲

اقول لا اعلم لہ اصلا ولو کان کذا لم یجز الوضوء بہ لانہ لیس بماء ولو جاز بہ لکان بریق الانسان وعرقہ احق بالجواز ثم رأیت فی مسح الخفین من الفتح لا فرق بین حصول ذلك بیدہ او باصابۃ مطر او من حشیش مشی فیہ مبتل ولو بالطل علی الاصح وقیل لا یجوز بالطل لانہ نفس دابۃ لا ماء ولیس بصحیح[1] اھ۔

میں کہتا ہوں مجھے اس کی اصل معلوم نہیں اور اگر ایسا ہوتا تو اس کے ساتھ وضوء جائز نہ ہوتا کیونکہ وہ پانی نہیں اور اگر اس سے وضو جائز ہوتا تو انسان کے تھوک اور پسینہ سے بطریق اولٰی جائز ہوتا، پھر فتح کے مسح علی الخفین میں ہے کہ اس میں کچھ فرق نہیں کہ یہ ہاتھ سے ہو یا بارش کی وجہ سے ہو یا تر گھاس میں چلنے کی وجہ سے ہو یا شبنم سے ہو اصح قول کے مطابق، اور ایک قول یہ ہے کہ شبنم سے جائز نہیں کیونکہ وہ چوپائے کا سانس ہے، پانی نہیں، اور یہ صحیح نہیں اھ (ت)

(۷) زلال

اقول لغۃً وعرفاً مشہور یہی ہے کہ زلال میٹھے ٹھنڈے ہلکے خوشگوار صاف خالص پانی کو کہتے ہیں،

فی القاموس ماء زلال کغراب و امیر وصبور وعلابط سریع المر فی الحلق بارد عذب صاف سھل سلس[2] اھ ولم یعرج علی معنی غیرہ وفی صحاح الجوھری ماء زلال ای عذب[3] اھ وفی حیاۃ الحیوان الکبری المشھور علی الالسنۃ ان الزلال ھو الماء البارد[4]۔

قاموس میں ہے ماء زلال، زلال غراب کے وزن پر بھی آتا ہے اور امیر، صبور اور عُلابط کے وزن پر بھی (یعنی زلیل زلول زلازل) اس پانی کو کہا جاتا ہے جو حلق سے بآسانی گزرے اور ٹھنڈا، میٹھا، صاف، لطیف اور رواں ہو اھ اور اس کے علاوہ کوئی معنٰی نہیں بتائے، اور صحاح جوہری میں ماء زلال یعنی میٹھا اھ اور حیوۃ الحیوان میں ہے زبانوں پر مشہور یہ ہے کہ زلال ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر مسح الخفین رضویہ سکھر ۱/۱۳۲
[2] القاموس المحیط (زلت) مصطفی البابی مصر ۳/۴۰۰
[3] صحاح الجوہری (زلل) بیروت ۴/۱۷۱۸
[4] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) مصطفی البابی مصر ۱/۵۳۷

اس تقدیر پر تو اس کے شمار کی کوئی وجہ نہیں مگر علامہ شامی نے امام ابن حجر مکی سے نقل کیا کہ برف میں ایک چیز جانور کی شکل پر ہوتی ہے اور حقیقۃً جانور نہیں اس کے پیٹ سے جو پانی نکلتا ہے وہ زلال ہے ،

حیث قال عقیب ذکر الطل اقول وکذا الزلال قال ابن حجر وھو مایخرج من جوف صورۃ توجد فی نحو الثلج کالحیوان ولیست بحیوان[1]۔

انھوں نے طل کے ذکر کے بعد فرمایا میں کہتا ہوں اسی طرح "زلال" ہے ، ابن حجر فرماتے ہیں کہ برف میں حیوانی شکل کی ایک چیز پائی جاتی ہے جو در اصل حیوان نہیں ہوتی ہے اس کے پیٹ سے جو پانی نکلتا ہے وہ زلال ہے ۔ (ت)

اقول یہ اگر ثابت ہو تو اُس کے جانور ہونے سے انکار محتاج دلیل ہے اُس کی صورت جانور کی ہے اور کتابوں اور خود ائمہ شافعیہ کی کتب میں اُسے حیوان کہا انگلی برابر قد سفید رنگ زرد چتیاں اور خود اُس جانور ہی کا نام زلال بتایا تاج العروس میں ہے :

الزلال بالضم حیوان صغیر الجسم ابیضہ اذا مات جعل فی الماء فیبردہ ومنہ سمی الماء البارد زلالا[2]۔

زُلال پیش کے ساتھ سفید جسم کا ایک چھوٹا سا جانور ہے، جب مرجاتا ہے تو اس کو پانی میں ڈال دیتے ہیں یہ پانی کو ٹھنڈا کرتا ہے اور اسی لیے ٹھنڈے پانی کو ماءِ زُلال کہتے ہیں ۔ (ت)

حیاۃ الحیوان امام دمیری شافعی میں ہے :

الزلال بالضم دودیتربی فی الثلج وھو منقط بصفرۃ یقرب من الاصبع یأخذہ الناس من اماکنہ لیشربوا ما فی جوفہ لشدۃ بردہ[3]۔

زُلال پیش کے ساتھ ، ایک کیڑا جو برف میں پلتا ہے اس پر پیلے رنگ کی چتیاں ہوتی ہیں ، تقریباً ایک انگلی کے برابر ہوتا ہے لوگ اس کو پکڑتے ہیں تاکہ اس کے پیٹ میں سے جو نکلتا ہے وہ پی سکیں، کیونکہ یہ پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے (ت)

اُس کے حیوان ہونے کی تقدیر پر امام ابن حجر شافعی نے اُس پانی کو قے ٹھہرا کر ناپاک بتایا ۔

قال ش عن ابن حجر بعد مامر فان تحقق

ش نے ابن حجر سے نقل کیا پس اگر متحقق ہو (یعنی

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۲

[2] تاج العروس فصل الزاء من باب اللام مطبوعہ احیاء التراث العربی ۷/۳۵۹

[3] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) البابی مصر ۱/۵۳۶

(ای کونه حیوانا) کان نجسا لانه قے۔[1] | اس کا حیوان ہونا ثابت ہو جائے) تو وہ نجس ہوگا اس لیے کہ وہ قے ہے۔ (ت)

اقول قے کی تعریف اس پر صادق آنے میں کلام ہے اور کتب شافعیہ میں اُس سے جوازِ وضو مصرح شرح وجیز ابو الفرج عجلی شافعی میں ہے:

الماء الذی فی دود الثلج طہور۔[2] | وہ پانی جو برف والے کیڑے میں ہوتا ہے پاک طہور ہے۔ (ت)

حیاۃ الحیوان میں ہے:

الذی قالہ یوافق قول القاضی حسین | جو انہوں نے کہا وہ قاضی حسین کے قول کے موافق ہے
فیما تقدم فی الدود۔[3] | جیسا کہ دود کے ذکر میں پہلے گزرا۔ (ت)

علامہ شامی نے جب تک اُس جانور کا دموی ہونا ثابت نہ ہو پانی پاک مگر ناقابلِ وضو بتایا۔

حیث قال نعم لایکون نجسا عندنا مالم یعلم کونہ دمویا اما رفع الحدث بہ فلا یصح وان کان غیر دموی۔[4] | انہوں نے فرمایا جب تک اس کا دموی ہونا معلوم نہ ہو ہمارے نزدیک نجس نہیں، رہا اس سے پاکی حاصل کرنا تو یہ صحیح نہیں اگرچہ وہ غیر دموی ہو۔ (ت)

اقول ظاہرا اُس پانی کی طہارت محلِ اشتباہ نہیں جیسے ریشم کا کیڑا کہ خود بھی پاک ہے اور اس کا پانی بلکہ بیٹ بھی پاک۔ عالمگیریہ میں ہے:

ماء دود القز وعینہ وخرؤہ طاہر کذا فی القنیۃ۔[5] | ریشم کا کیڑا اس کا پانی اور اس کی بیٹ پاک ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ (ت)

بلکہ خلاصہ میں ہے:

الدودۃ اذا تولدت من النجاسۃ قال شمس الائمۃ الحلوانی انہا لیست | کیڑا جو نجاست میں پیدا ہو تو شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ وہ ناپاک نہیں ہے اور یہی حال ہر حیوان کا ہے

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ البابی مصر ۱/۱۳۲
[2] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) البابی مصر ۱/۵۳۶
[3] ایضاً
[4] ردالمحتار باب المیاہ البابی مصر ۱/۱۳۲
[5] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی الاعیان النجسۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۶

9

بنجسة وکذا اکل حیوان حتی لو غسل ثم وقع فی الماء لا ینجسه و تجوز الصلاۃ معها۔[1]

تو اگر کسی حیوان کو دھویا جائے پھر وُہ پانی میں گر جائے تو اس کو ناپاک نہیں کرے گا، اور اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔ (ت)

اور جب ظاہر ہے تو جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ پانی نہیں بلکہ اُس کیڑے ہی کے پیٹ کی رطوبت ہے یا اُس کی رطوبت اس میں نصف یا زاید مل ہوتی ہے ناقابلِ وضو ہونے کی کوئی وجہ نہیں ظاہرا وہ برف ہی کا پانی ہے کہ اس کے جوف میں ملتا ہے اور پاک پانی کے غیر طہور ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو خلط غیر سے ماءِ مطلق نہ رہے یا اسقاطِ فرض خواہ اقامتِ قربت سے مستعمل ہوجائے ثانی یہاں قطعاً منتفی اور اول کا ثبوت نہیں اور کوئی مطلق بلاثبوت مقید نہیں ہوسکتا۔

الا تری ان النجاسۃ لا تثبت بالشك وھی تسلب الطھوریۃ والطہارۃ معا فضلا عن التقیید۔

نجاست شک سے ثابت نہیں ہوتی ہے اور یہ طہوریت کو سلب کرتی ہے اور طہارت کو بھی چہ جائیکہ تقیید۔ (ت)

(۸) گرم پانی

وھذا اوفاق الا ما یحکی عن مجاھد من کراھتہ۔ (اس بات میں اتفاق ہے مگر وہ جو مجاہد سے اسکی کراہت منقول ہے۔ ت)

اقول مگر اتنا گرم کہ اچھی طرح ڈالا نہ جائے تکمیل سنت نہ کرنے دے مکروہ ہے یونہی اتنا سرد اور اگر تکمیل فرض سے مانع ہو تو حرام اور وہ وضو نہ ہوگا وفی صحیح البخاری توضأ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بالحمیم[2] (صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے گرم پانی سے وضو فرمایا۔ ت)

(۹) اُپلوں سے گرم کیا ہُوا اور بچنا بہتر، درمختار میں ہے، وکرہ احمد المسخن بالنجاسۃ[3] (نجاست کے ذریعے گرم شدہ پانی کو امام احمد نے مکروہ گردانا ہے۔ ت)

(۱۰) دھوپ کا گرم پانی مطلقاً مگر گرم ملک گرم موسم میں جو پانی سونے چاندی کے سوا کسی اور دھات کے برتن میں دھوپ سے گرم ہوجائے وہ جب تک ٹھنڈا نہ ہولے بدن کو کسی طرح پہنچانا نہ چاہیے وضو سے نہ غسل سے نہ پینے سے یہاں تک کہ جو کپڑا اس سے بھیگا ہو جب تک سرد نہ ہوجائے پہننا مناسب نہیں کہ اُس پانی کے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل السابع فیما یکون نجسا الخ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۴

[2] جامع للبخاری باب وضوء الرجل مع امرأتہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲

[3] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی لاہور ۱/۳۴

بدن کو پہنچنے سے معاذ اللہ احتمالِ برص ہے اختلافات اس میں بکثرت ہیں اور ہم نے اپنی کتاب منتہی الآمال فی الاوفاق والاعمال میں ہر اختلاف سے قول اصح وارجح چنا اور مختصر الفاظ میں اُسے ذکر کیا اُسی کی نقل بس ہے

وھو ھذا قط (ای الدارقطنی) عن عامر والعقیلی عن انس مرفوعا قط والشافعی عن عمر الفاروق موقوفا لا تغتسلوا بالماء الشمس فانہ یورث البرص[1] قط وابو نعیم عن ام المؤمنین انھا سخنت للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماء فی الشمس فقال لا تفعلی یا حمیراء فانہ یورث البرص[2] وقیدہ العلماء بقیود ان یکون فی قطر ووقت حارین وقد تشمس فی منطبع صابر تحت المطرقۃ کحدید ونحاس علی الاصح الا النقدین علی المعتمد دون الخزف والجلود والاحجار والخشب ولا للتشمس فی الحیاض والبرک قطعا وان یستعمل فی البدن ولو شربا لا فی الثوب الا اذا لبسہ رطبا او مع العرق وان یستعمل حارا فلو برد لاباس علی الاصح وقیل لا فرق علی الصحیح ووجہ ورد فالاول الاوجہ قیل وان لا یکون الاناء متکشفا والراجح ولو فالحاصل منع ایصال الماء المشمس فی اناء منطبع من غیر النقدین الی البدن فی وقت وبلد حارین

دارقطنی نے عامر سے اور عقیلی نے انس سے مرفوعاً روایت کی، دارقطنی اور شافعی نے عمر فاروق سے موقوفاً روایت کی کہ تم آفتاب سے گرم شدہ پانی سے غسل نہ کرو کہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔[1] دارقطنی و ابو نعیم نے ام المومنین سے روایت کی کہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے آفتاب سے پانی گرم کیا تو آپ نے فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا اے حمیراء کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔[2] اور علماء نے اس میں کچھ قیود لگائی ہیں مثلاً یہ کہ گرم پانی گرم علاقہ میں ہو، گرم وقت میں ہو، یہ کہ پانی کسی دھات کے بنے ہوئے برتن میں جیسے پانی لوہے یا تانبے کے برتن میں گرم ہوا ہو اصح قول کے مطابق مگر سونے چاندی کے برتن میں گرم نہ کیا گیا ہو معتمد قول کے مطابق مٹی کھال پتھر اور لکڑی کے برتنوں کو دھوپ میں رکھ کر گرم نہ کیا گیا ہو۔ حوض اور گڑھے میں سورج کا گرم شدہ پانی قطعاً نہ ہو، یہ پانی بدن میں استعمال ہوا ہو، اگرچہ پی لیا تو بھی یہی خطرہ ہے، کپڑے دھوئے تو حرج نہیں، ہاں اگر کپڑا دھوکر تر ہی پہن لیا تو خطرہ ہے، یا کپڑا پہنا اور جسم پر پسینہ تھا، یہ پانی گرم استعمال کیا جائے اگر ٹھنڈا ہونے کے بعد استعمال کیا تو حرج نہیں، اصح قول یہی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے

---

[1] سنن الدارقطنی باب الماء المسخن نشر السنۃ ملتان ۱/ ۳۹

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/ ۳۸

ما لم يبرد والله تعالٰی اعلم۔ کہ فرق نہیں، اور یہی صحیح ہے، اس کی توجیہ بھی ہے اور اس پر رد ہے، تو اول کی وجہ زیادہ درست ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ برتن کھلا ہوا نہ ہو اور راجح ولوکان الاناء منکشفا ہے (یعنی اگرچہ برتن کھلا ہو) تو خلاصہ یہ ہے کہ دھوپ کے گرم پانی کا سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کے برتن سے جسم پر پہنچانا، گرم وقت میں اور گرم علاقہ میں بلا ٹھنڈا کیے ممنوع ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اور تحقیق یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بھی اُس پانی سے وضو وغسل مکروہ ہے کما صرح بہ فی الفتح والبحر والدرایۃ والقنیۃ والنہایۃ (جیسا کہ فتح، بحر، درایہ، قنیہ اور نہایہ میں صراحت کی گئی ہے۔ ت)

اور یہ کراہت شرعی تنزیہی ہے

کما اشار الیہ فی الحلیۃ والامداد ھذا اما حققہ ش خلافا للتنویر والدر حیث نفیا الکراھۃ اصلا ویمکن حمل التنویر علی التحریم اما الدر فصرح انہا طبیعیۃ عند الشافعیۃ وھو خلاف نصھم۔

جیسا کہ حلیہ اور امداد میں اشارہ کیا" ش "نے یہی تحقیق کی، تنویر اور دُر میں اس کے خلاف ہے، ان دونوں حضرات نے مطلقاً کراہت کا انکار کیا ہے، اور تنویر کی عبارت کو مکروہ تحریمی پر محمول کرنا ممکن ہے مگر دُر میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ شافعیہ کے نزدیک وہ کراہت طبعیہ ہے اور یہ ان کی تصریحات کے خلاف ہے۔ (ت)

اقول وزیادۃ التنویر قید القصد حیث قال وبماء قصد تشمیسہ لیس اتفاقیا بل للدلالۃ علی الاول واشارۃ الی نفی ما وقع فی المعراج ان الکراھۃ مقیدۃ عند الشافعی بالقصد فافھم۔

میں کہتا ہوں تنویر میں ارادہ کی قید کا اضافہ ہے انھوں نے فرمایا" اور اس پانی سے جس کو دھوپ میں قصداً گرم کیا گیا ہے"، یہ قید اتفاقی نہیں ہے بلکہ پہلی پر دلالت کے لیے ہے اور جو معراج میں فرمایا ہے اس کی نفی کے لیے ہے کہ شافعیوں کے نزدیک کراہت اس وقت ہے جب بالقصد ہو فافہم۔ (ت)

(۱۱) عورت کی طہارت سے بچا ہوا پانی اگرچہ جنب یا حائض ہو اگرچہ اس پانی سے خلوتِ تامہ میں اُس نے طہارت کی ہو، خلافا لاحمد والمالکیۃ (اس میں احمد اور مالکیہ کا اختلاف ہے۔ ت) ہاں مکروہ ضرور ہے۔

بل فی السراج لایجوز للرجل ان یتوضأ ویغتسل بفضل وضوء المرأۃ اھ[1] وھو نص

بلکہ سراج میں ہے کہ مرد کو جائز نہیں کہ وہ عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے اھ

[1] ردالمحتار مکروہات الوضوء مصطفی البابی مصر ۹۸/۱

فی کراھۃ التحریم واستظھرھا ط من قول الدر من منھیاتہ التوضی بفضل ماء المرأۃ قال وفیہ نظر[1] واجاب ش بانہ یشمل المکروہ تنزیھا فانہ منھی عنہ اصطلاحا حقیقۃ کما قدمناہ عن التحریر اھ[2] وعللہ ط بخشیۃ التلذذ وقلۃ توقیھن النجاسات لنقص دینھن قال وھذا یدل علی ان کراھتہ تنزیھیۃ۔[3]

اور یہ مکروہِ تحریمی میں نص ہے، اور طحطاوی نے اس پر دُر کے قول "عورت کے باقیماندہ پانی سے وضوء نہ کیا جائے" سے استدلال کیا ہے، فرمایا اس میں نظر ہے، اور ش نے جواب دیا کہ یہ مکروہ تنزیہی کو شامل ہے کہ یہ منہی عنہ ہے اصطلاحی طور پر حقیقۃً جیسا کہ ہم نے تحریر سے نقل کیا اھ اور طحطاوی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس میں ایک تو تلذذ کا خطرہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے دینی نقصان کی وجہ سے نجاستوں سے نہیں بچتی ہیں، فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد کراہت تنزیہی ہے اھ (ت)

اقول علی الاول یعم النھی عکسہ اعنی توضؤ المرأۃ من فضل طھورہ وفیہ کلام یاتی اما الثانی۔

میں کہتا ہوں پہلے قول کے مطابق نہی اُس کے عکس کو شامل ہے یعنی عورت کا مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرنا، اس میں کچھ بحث ہے جو آئے گی۔

فاولا یقتضی تعمیمہ رجال البدو والعبید والجھلۃ واشد من الکل العمیان فلا تبقی خصوصیۃ للمرأۃ۔

رہا دوسرا قول تو اس میں پہلی چیز یہ ہے کہ یہ دیہاتی، غلام اور جاہل سب کو عام ہے اور سب سے زیادہ نابینا لوگوں کو۔ تو اس میں عورت کی کوئی خصوصیت نہیں۔

وثانیا لا یتقین بطھورھا فضلا عن اختلائھا بہ بل اذن یکفی مسھا۔

اور ثانیاً، یہ قید نہیں کہ اس کا طہور ہو چہ جائیکہ عورت کا خلوت میں اس کو استعمال کرنا، بلکہ اس کا محض پانی کو چھُو لینا بھی کافی ہوگا۔

وثالثا فی قلۃ توقیھن النجاسات نظر ونقص دینھن ان احدٰیھن تقعد شطر دھرھا لا تصوم ولا تصلی کما فی الحدیث وھذا لیس من صنعھا الا ان یعلل بغلبۃ

اور تیسرا یہ کہ اُن کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ نجاستوں سے کم بچتی ہیں اس میں اعتراض ہے،

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار مکروہات الوضوء بیروت ۱/۷۶
[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۹۸
[3] طحطاوی علی الدر المختار " بیروت ۱/۷۶

الجہل علیھن فیشار کھن العبید والاعراب۔

ورابعا العلۃ توجد فی حق المرأۃ الاخری والکراھۃ خاصۃ بالرجل وجعل ش النھی تعبدیا۔

اور ان کے دین کا نقص محض یہ ہے کہ وہ ایک زمانہ تک گھر میں بیٹھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے اور نہ نماز پڑھتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اور اس میں اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں، ہاں اس کی تعلیل یہ ہوسکتی ہے کہ ان میں جہل کا غلبہ ہوتا ہے تو یہ بات غلاموں اور دیہاتی لوگوں میں بھی ہوتی ہے۔

چوتھے، یہ علت دوسری عورت کے حق میں بھی پائی جاتی ہے حالانکہ کراہت مرد کے ساتھ خاص ہے اور "ش" نے اس مخالفت کو محض تعبدی امر قرار دیا ہے۔ (ت)

اقول وھو الاولی لما عرفت عدم انتھاض العلل وبہ صرحت الحنابلۃ ولا بدلھم عن ذلك اذ عدم الجواز لا یعقل لہ وجہ اصلا وکونہ تعبدیا لما رواہ الخمسۃ[1] انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی ان یتوضأ الرجل بفضل طھور المرأۃ ثم ذکر عن غرر الافکار نسخہ بحدیث مسلم[2]۔

میں کہتا ہوں یہی بات بہتر ہے، کیونکہ دوسری علتیں درست نہیں ہیں، اور حنبلی حضرات نے یہی یہ علت بیان کی ہے، اور ایسا کرنا ان کے لیے ضروری تھا، کیونکہ عدم جواز کی کوئی وجہ موجود نہیں، اور اس کے تعبدی ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو پانچوں محدثین نے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضوء

---

[1] اقول المعروف فی اطلاق الخمسۃ ارادۃ الستۃ الا البخاری وھذا انما رواہ احمد والاربعۃ نعم ھو اصطلاح عبدالسلام ابن تیمیۃ فی المنتقی لانہ ادخل الامام احمد فی الجماعۃ فاذا رواہ غیر الشیخین قال رواہ الخمسۃ منہ غفرلہ۔ (م)

میں کہتا ہوں عام طور پر خمسہ کا اطلاق بخاری کے علاوہ باقی اصحاب ستہ پر ہوتا ہے جبکہ اس کو امام احمد اور اربعہ نے روایت کیا ہے۔ ہاں منتقی میں عبدالسلام ابن تیمیہ کی یہ اصطلاح ہے کہ کیونکہ وہ امام احمد کو بھی اصحاب صحاح کی جماعت میں داخل کرتے ہیں جس حدیث کو شیخین کے علاوہ باقی اصحاب صحاح نے روایت کیا ہو تو کہتے ہیں رواہ الخمسہ منہ غفرلہ (ت)

---

[2] ردالمحتار مکروہات الوضوء البابی مصر ۱/۹۸

میمونہ قالت اغتسلت من جفنۃ ففضلت فیھا فضلۃ فجاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغتسل فقلت انی اغتسلت منہ فقال الماء لیس علیہ جنابۃ قال ش مقتضی النسخ انہ لایکرہ عندنا ولا تنزیھا وفیہ ان دعوی النسخ تتوقف علی العلم بتأخر الناسخ ولعلہ ماخوذ من قول میمونۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا انی قد اغتسلت فانہ یشعر بعلمھا بالنھی قبلہ قال وقد صرح الشافعیۃ بالکراھۃ فینبغی کراھتہ وان قلنا بالنسخ مراعاۃ للخلاف فقد صرحوا بانہ یطلب مراعاۃ الخلاف وقد علمت انہ لایجوز التطھیر بہ عند احمد اھ[1]

کرنے کی ممانعت فرمائی، پھر غرر الافکار کے حوالہ سے اس کا منسوخ ہونا نقل کیا۔ اس میں مسلم کی حدیث ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک ٹب سے غسل کیا اس میں کچھ پانی بچ گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے غسل کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے عرض کی کہ "ہم نے اس سے غسل کیا ہے"۔ آپ نے فرمایا "پانی پر جنابت کا اثر نہیں ہوتا۔" ش نے فرمایا نسخ کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے نزدیک وہ مکروہ تحریمی ہے نہ مکروہ تنزیہی، اس میں اعتراض ہے کہ نسخ کا دعوٰی اس پر موقوف ہے کہ ناسخ کے متأخر ہونے کا علم ہو، اور شاید یہ حضرت میمونہ کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ میں نے غسل کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس سے قبل ہی نہی کا علم تھا، اور شافعیہ نے کراہت کی تصریح کی ہے تو چاہیے کہ یہ مکروہ ہو، اگرچہ ہم اختلاف کی رعایت کرتے ہوئے نسخ کا قول کریں، کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ خلاف کی رعایت کی جائے اور یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ احمد کے نزدیک اس پانی سے طہارت جائز نہیں اھ (ت)

اقول والاقرب الی الصواب ان لا نسخ ولا تحریم بل النھی للتنزیہ والفعل لبیان الجواز وھو الذی مشی علیہ القاری فی المرقاۃ نقلا عن السید جمال الدین الحنفی وبہ اجاب الشیخ عبدالحق الدھلوی فی لمعات التنقیح ان النھی تنزیہ لاتحریم فلامنافاۃ اھ[2] وقال فی الباب قبلہ اجیب

میں کہتا ہوں زیادہ صحیح بات یہ ہوگی کہ نہ تو نسخ ہے اور نہ ہی تحریم ہے بلکہ نہی محض تنزیہی ہے اور فعل بیانِ جواز کے لیے ہے ملا علی قاری نے بھی مرقاۃ میں سید جمال الدین حنفی سے یہی نقل کیا ہے اور لمعات التنقیح میں محدث عبدالحق دہلوی نے بھی یہی جواب دیا ہے کہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں

---

[1] ردالمحتار مکروہات الوضوء البابی مصر ۱/۹۸

[2] لمعات التنقیح باب مخالطۃ الجنب المعارف العلمیہ لاہور ۲/۱۲۲

ان تلك عزیمة وھذا رخصة[1] اھ وبھذا اجزم فی الاشعة من باب مخالطة الجنب وقال الامام العینی فی عمدة القاری اما فضل المرأة فیجوز عند الشافعی الوضوء بہ للرجل سواء خلت بہ اولا قال البغوی وغیرہ فلا کراھة فیہ للاحادیث الصحیحة فیہ وبھذا قال مالك وابوحنیفة وجمھور العلماء وقال احمد وداود لایجوز اذا خلت بہ وروی ھذا عن عبداللہ بن سرجس والحسن البصری وروی عن احمد کمذھبنا وعن ابن المسیب والحسن کراھة فضلھا مطلقا اھ[2] و اذا حملنا المنفیة علی کراھة التحریم لم ینافِ ثبوت کراھة التنزیہ وکیفما کان فما فی السراج غریب جدا ولم یستند لمعتمد وخالف المعتمدات ونقول الثقات ولایظھر لہ وجہ وقد قال فی کشف الظنون السراج الوھاج عدہ المولی المعروف ببرکلی جملة الکتب المتداولة الضعیفة غیر المعتبرة اھ قال چلپی ثم اختصر ھذا الشرح وسماہ الجوھر النیر اھ[3]۔

تو کوئی منافاۃ نہیں، اس پہلے باب میں فرمایا کہ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ عزیمۃ تھی اور یہ رخصۃ ہے اھ اور اشعۃ اللمعات میں اسی پر جزم کیا ہے عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا ہے عورت کا بچے ہُوئے پانی سے امام شافعی کے نزدیک مرد کیلئے وضو جائز ہے خواہ اُس عورت نے اس سے خلوت کی ہو یا نہ کی ہو بغوی وغیرہ نے فرمایا تو اس میں کراہت نہیں ہے کہ صحیح احادیث اس بارے میں موجود ہیں یہی قول مالک، ابوحنیفہ اور جمہور علماء کا ہے، اور احمد اور ابوداؤد نے فرمایا کہ جب عورت اس پانی کے ساتھ خلوت کرے تو جائز نہیں، یہ قول عبداللہ بن سرجس اور حسن بصری سے منقول ہے اور احمد کی ایک روایت مذہب ابی حنیفہ کے مطابق ہے، اور ابن المسیب اور حسن سے اس بچے ہوئے کی کراہت مطلقاً منقول ہے اھ اور اگر ہم منفی کو کراہتِ تحریم پر محمول کریں تو اس سے کراہت تنزیہی کے ثبوت کی نفی لازم نہ آئے گی، بہر صورت جو سراج میں ہے وُہ بہت ہی غریب ہے اور کسی معتمد کتاب کی سند اس پر موجود نہیں، بلکہ کتب معتمدہ اور نقول مستندہ کے صریح خلاف ہے، اور اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی ہے، کشف الظنون میں ہے کہ سراج الوہاج کو مولی المعروف برکلی نے کتب متداولہ ضعیفہ غیر معتبرہ میں شمار کیا ہے اھ اور چلپی نے فرمایا پھر اس کتاب کو مختصر کیا گیا اور اس کا نام جوہر نیّر ہوا اھ (ت)

اقول بل الجوھرة النیرة وھی من

میں کہتا ہُوں بلکہ جوہرہ نیرہ ہے اور وہ کتب معتبرہ سے

---

[1] لمعات التنقیح، باب الغسل، المعارف العلمیہ لاہور ۲/۱۱۲ [2] عمدۃ القاری، وضوء الرجل مع امرأتہ، مصر ۳/۸۳
[3] کشف الظنون، ذکر مختصر القدوری بغداد ۲/۱۶۳

الکتب المعتبرۃ کما نص علیہ فی ردالمحتار ونظیرہ ان مجتبی النسائی المختصر من سننہ الکبرٰی من الصحاح دون الکبرٰی۔

ہے جیسا کہ اس کی صراحت ردالمحتار میں موجود ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ نسائی کی مجتبٰی جو ان کی سنن کبرٰی سے مختصر ہے صحاح میں شمار ہوتی ہے جبکہ کبرٰی صحاح میں شمار نہیں ہوتی۔ (ت)

ثم اقول ھھنا اشیاء یطول الکلام علیہا ولنشر الی بعضہا اجمالا **منہا** لا تبتنی کراھتہ مطلقا علی قول الامام احمد بعدم الجواز لانہ مخصوص عندہ بالاختلاء **ومنہا** ان مراعاۃ الخلاف انما ھی مندوب الیہا فیما لایلزم منہا مکروہ فی المذہب کما نص علیہ العلماء منہم العلامۃ ش نفسہ وترک المندوب لایکرہ کما نصوا علیہ ایضا منہم نفسہ فی ھذا الکتاب فکیف تبتنی الکراھۃ علیہا لاسیما بعد تسلیم ان نسخ التحریم ینفی کراھۃ التنزیہ ایضا **ومنہا** ھل الحکم مثلہ فی عکسہ ای یکرہ لہا ایضا فضل طھورہ روی احمد و ابوداؤد والنسائی عن رجل صحب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اربع سنین وابن ماجۃ عن عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالٰی عنہما نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان تغتسل المرأۃ بفضل الرجل او یغتسل بفضل المرأۃ[1] لکن قال الشیخ ابن حجر

پھر میں کہتا ہوں یہاں بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے کلام میں طوالت ہوگی تاہم کچھ کا ذکر اجمالی طور پر کیا جاتا ہے، کراہت کی بنیاد مطلقاً امام احمد کے عدمِ جواز کا قول نہیں، کیوں کہ اُن کے نزدیک یہ قول خلوت کے ساتھ مختص ہے، خلاف کی رعایت ایسے امور میں مندوب ہے جن میں اپنے مذہب کا کوئی مکروہ لازم نہ آئے جیسا کہ علماء نے اس کی صراحت کی ہے، خود علامہ ش نے ایسا ہی کیا ہے اور مندوب کا ترک مکروہ نہیں جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے خود ش نے اس کتاب میں صراحت کی ہے، تو پھر کراہت اس پر کیسے مبنی ہوگی؟ خاص طور پر جبکہ اس امر کو تسلیم کر لیا گیا کہ تحریم کا منسوخ ہوجانا تنزیہی کراہت کی بھی نفی کرتا ہے، کیا اس کے عکس میں بھی ایسا ہی حکم ہوگا؟ یعنی عورت کے لیے بھی مرد کا چھوڑا ہوا پانی استعمال کرنا مکروہ ہوگا؟ تو احمد، ابوداؤد اور نسائی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی جو چار سال تک آپ کے ساتھ رہے سے روایت کی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن سرجس سے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز سے منع کیا کہ عورت

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب مخالطۃ الجنب مجتبائی دہلی ص ۵۰

المکی فی شرح المشکوٰۃ لاخلاف فی ان لہا الوضوء بفضلہ[1] اھ وقال ایضا احد لم یقل بظاھرہ ومحال ان یصح وتعمل الامۃ کلہا بخلافہ[2] اھ وتعقبہ الشیخ المحقق الدھلوی فی اللمعات بقولہ قد قال الامام احمد بن حنبل مع مافیہ من التفصیل والخلاف فی مشایخ[3] مذھبہ الی اخر ماذکر من خلافیاتھم۔

مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے یا مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔ مگر شیخ ابن حجر مکی نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ اس میں اختلاف نہیں کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرسکتی ہے اھ نیز فرمایا کہ کسی ایک نے بھی اس کے ظاہر کے خلاف نہیں فرمایا اور یہ محال ہے کہ ایک چیز صحیح بھی ہو اور تمام اُمّت اس کے خلاف عمل پیرا ہو اھ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات میں اس پر رد کیا اور فرمایا احمد بن حنبل نے جو فرمایا ہے اس میں تفصیل ہے اور ان کے مذہب کے مشایخ میں بھی اختلاف رہا ہے، پھر وہ اختلاف ذکر کیا۔ (ت)

اقول رحم اللہ الشیخ ورحمنا بہ کلام ابن حجر فی وضوئہا بفضلہ وقول الامام احمد وخلافیات مشایخ مذھبہ فی عکسہ نعم قال الامام العینی فی العمدۃ حکی ابو عمر خمسۃ مذاھب الثانی یکرہ ان یتوضأ بفضلہا وعکسہ والثالث کراھتہ فضلہا لہ والرخصۃ فی عکسہ والخامس لاباس بفضل کل منہما وعلیہ فقہاء الامصار[4] اھ ملتقطا فھذا یثبت الخلاف واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں اللہ رحم کرے شیخ پر اور ہم پر، ابن حجر نے مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت کے وضو کی بابت جو کلام کیا ہے اور امام احمد کا قول اور انکے مشایخ مذہب کے اختلافات اسکے برعکس صورت میں ہیں، ہاں عینی نے عمدہ میں فرمایا کہ ابو عمر نے پانچ مذاہب گنائے ہیں، ان میں دوسرا یہ ہے کہ مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے اور اسکا عکس بھی مکروہ ہے اور تیسرا یہ ہے کہ عورت کا بچا ہوا مرد کے لیے مکروہ ہے اور اس کے عکس میں رخصت ہے اور پانچواں یہ ہے کہ دونوں کے بچے ہوئے پانی میں کچھ حرج نہیں، اور اسی پر شہروں کے فقہاء ہیں اھ ملتقطاً اس سے خلاف ثابت ہوتا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۱۲) اُس کنوئیں یا حوض کا پانی جس سے بچے عورتیں گنوار جہال فساق ہر طرح کے لوگ اپنے میلے کچیلے

---

[1] شرح المشکوٰۃ لابن حجر [2] ایضاً [3] لمعات التنقیح باب مخالطۃ الجنب المعارف العلمیۃ لاہور ۲/۱۳۰
[4] عمدۃ القاری باب وضوء الرجل مع امرأتہ مصر ۳/۸۵

گھڑے ڈال کر پانی بھریں جب تک نجاست معلوم نہ ہو۔ فتح القدیر میں ہے:

یتوضؤ من البئر التی یدلی فیہ الدلاء و الجرار الدنسۃ یحملہا الصغار و العبید الذین لایعلمون الاحکام و یمسہا الرستاقیون بالایدی الدنسۃ مالم تعلم نجاسۃ[1]۔

جس کنویں میں بچے اور غلام میلے ڈولوں اور ٹھلیوں سے پانی بھرتے ہوں اور جن کو ستقے میلے ہاتھ لگاتے ہوں ایسے کنووں سے وضو کرنے میں حرج نہیں، ہاں اگر نجاست کا یقین ہو تو جائز نہیں۔ (ت)

اشباہ والنظائر میں ہے:

قال الامام محمد حوض تملؤ منہ الصغار و العبید بالایدی الدنسۃ والجرار الوسخۃ یجوز الوضوء منہ مالم تعلم نجاسۃ[2]۔

امام محمد نے فرمایا وہ حوض جس سے چھوٹے بچے اور غلام پانی بھرتے ہوں، ان کے ہاتھ اور ٹھلیاں میلی ہوں تو جب تک نجاست کا یقین نہ ہو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

(۱۳) وہ پانی جس میں ایسا برتن ڈالا گیا ہو جو زمین پر رکھا جاتا ہے جس کے پیندے کی طہارت پر یقین نہیں جب تک نجاست پر یقین نہ ہو۔ فتح القدیر میں ہے:

قالوا ولا باس بالتوضی من حب یوضع کوزہ فی نواحی الدار و یشرب منہ مالم یعلم بہ قذر[3]۔

فقہاء نے فرمایا وہ تالاب جس کے کوزے گھر کے گوشے میں رکھے جاتے ہوں اور اس سے پانی پیا جاتا ہو تو اس سے وضو کرنے میں حرج نہیں، جب تک اس کی گندگی کا علم نہ ہو۔ (ت)

حدیقہ ندیہ میں جامع الفتاوی سے ہے:

وکذا الکوز الموضوع فی الارض اذا ادخل فی الحب للشرب منہ یعنی یجوز مالم یعلم النجاسۃ[4]۔

اسی طرح وہ لوٹا جو زمین پر رکھا ہوا ہو جب اس کو تالاب میں ڈال کر اس سے پینے کے لیے پانی نکالا جائے تو اس سے وضو جائز ہے، یعنی جب تک نجاست کا علم نہ ہو۔ (ت)

یہی حکم اُن لوٹوں کے پیندوں کا ہے جو زمین پر رکھے جاتے بلکہ بیت الخلا میں لے جاتے ہیں جبکہ موضع نجاست

[1] فتح القدیر، غدیر عظیم، سکھر ۱/۷۲ [2] الاشباہ والنظائر، الیقین لایزول بالشک، ادارۃ القرآن کراچی ۱/۸۷
[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ [4] حدیقہ ندیہ، صنف ثانی من المصنفین نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۶۷

سے جُدا ہوں۔

(۱۴) ہنود وغیرہم کفار کے کنووں یا برتنوں کا پانی اس سے طہارت ہوسکتی ہے جب تک نجاست معلوم نہ ہو مگر کراہت رہے گی جب تک طہارت نہ معلوم ہو کہ وہ مظنۂ ہرگونہ نجاست ہیں عینی شرح بخاری میں زیرِ اثر توضأ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من بیت نصرانیۃ (حضرت عمر نے ایک نصرانی عورت کے گھر سے وضو کیا۔ ت) فرمایا:

الذی یدل ھذا الاثر جواز استعمال میاھھم ولکن یکرہ استعمال اوانیھم و ثیابھم سواء فیہ اھل الکتاب وغیرھم وقال الشافعیۃ فان تیقن طہارتھا فلاکراھۃ ولا نعلم فیھا خلافا واذا تطھر من اناء کافر ولم یتیقن طہارتہ ولانجاستہ فان کان من قوم لا یتدینون باستعمالھا صحت طہارتہ قطعا والا وجہان اصحھما الصحۃ وممن کان لایری باسا بہ الاوزاعی والثوری ابوحنیفۃ والشافعی واصحابھما وقال ابن المنذر لا اعلم احدا کرھہ الا احمد و ابن اسحٰق قلت وتبعھما اھل الظاھر واختلف قول مالک ففی المدونۃ لایتوضؤ بسؤر النصرانی ولا باس ادخل یدہ فیہ وفی العتبیۃ اجازہ مرۃ وکرھہ اخری[۱]۔

اس اثر سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے پانیوں کا استعمال جائز ہے لیکن ان کے برتنوں اور کپڑوں کا استعمال مکروہ ہے اس میں اہلِ کتاب اور غیر اہل کتاب برابر ہیں اور شافعی حضرات فرماتے ہیں اگر ان کی پاکی کا یقین ہو تو کراہت بھی نہیں، اور ہم اس میں کوئی اختلاف نہیں جانتے اور جب کسی برتن سے کسی کافر نے پاکی حاصل کی اور اس کی طہارت ونجاست میں سے کسی کا یقین نہیں، تو اگر وہ ایسے لوگوں کا برتن ہے جو نجاست کے استعمال کو جائز نہیں سمجھتے، تو اس کی طہارت قطعاً ثابت ہے ورنہ اس میں دو صورتیں ہیں، دونوں میں اصح صحت ہے، امام اوزاعی، ثوری، ابو حنیفہ، امام شافعی اور دونوں کے اصحاب اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، اور ابن منذر فرماتے ہیں میں کسی کو نہیں جانتا جس نے اس کو مکروہ سمجھا ہو سوائے احمد اور ابن اسحاق کے، میں کہتا ہوں اہلِ ظاہر نے ان دونوں کی متابعت کی اور مالک کے قول میں اختلاف پایا جاتا ہے، مدونہ میں ہے نصرانی کے جھوٹے سے اور اُس پانی سے جس میں اُس نے اپنا ہاتھ ڈالا ہو وضو نہ کیا جائے، اور عتبیہ میں ایک قول جواز کا ہے اور ایک کراہۃ کا۔ (ت)

---

[۱] عمدۃ القاری باب وضوء الرجل مع امرأتہ مصر ۳/ ۸۲

اقول افاد کراھۃ التحریم لمقابلتہا بالاجازۃ وھی محمل قول احمد واسحٰق ونفی الباس مرجعہ الی خلاف الاولٰی وقد بینا المسألۃ بابسط مماھنا فی فتاوٰنا۔

میں کہتا ہوں اس سے کراہت تحریمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کا مقابلہ اجازت سے ہے، اور اسی پر احمد اور اسحاق کے قول کو محمول کیا گیا ہے اور جہاں بأس کی نفی ہے اس کا مطلب خلاف اولٰی ہے، ہم نے اس مسئلہ کو بہ نسبت اِس مقام کے اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (ت)

ذخیرہ میں ہے:

یکرہ الاکل والشرب فی اوانی المشرکین قبل الغسل لان الغالب الظاھر من حال اوانیھم النجاسۃ۔[1]

مشرکین کے برتنوں میں دھونے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہے کیونکہ ان کے برتن بظاہر ناپاک ہوتے ہیں۔ (ت)

(۱۵) جس پانی میں بچّہ نے ہاتھ یا پاؤں ڈال دیا یہاں بھی وہی حکم ہے کہ قابلِ طہارت ہے جب تک نجاست پر یقین نہ ہو مگر اولٰی احتراز ہے جب تک طہارت پر یقین نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے:

اذا ادخل الصبی یدہ فی کوز ماء او رجلہ فان علم ان یدہ طاھرۃ بیقین یجوز التوضؤ بہ وان کان لا یعلم انھا طاھرۃ اونجسۃ فالمستحب ان یتوضأ بغیرہ ومع ھذا لوتوضأ اجزأہ کذا فی المحیط۔[2]

بچّے نے پانی کے کُوزے میں اگر ہاتھ یا پیر ڈالا تو اگر یقین سے یہ معلوم ہے کہ اس کا ہاتھ یا پَیر پاک ہے تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر معلوم نہیں کہ وُہ پاک ہے یا ناپاک، تو مستحب یہ ہے کہ دوسرے پانی سے وضو کیا جائے، لیکن اگر وضو کر ہی لیا تو جائز ہے کذا فی المحیط۔ (ت)

(۱۶) یوں ہی جس میں مشکوک کپڑا گر گیا حتی کہ بچّے کے نہالچے کی روئی جبکہ نجاست معلوم نہ ہو مگر کراہت ہے کہ مظنہ زیادہ ہے، جواہر الفتاوٰی باب اول فتاوٰی امام رکن الدین ابوالفضل کرمانی میں ہے:

قطعۃ قطن من فراش صبی وقعت فی بئر ولا یدری انھا نجسۃ ام طاھرۃ

بچّے کے بچھونے سے رُوئی کا ایک ٹکڑا کنوئیں میں گر گیا اور یہ معلوم نہیں کہ یہ پاک ہے یا ناپاک، تو محض شک

---

[1] حدیقہ ندیہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۱۲۴

[2] فتاوٰی ہندیہ فصل فیما لایجوز بہ التوضؤ پشاور ۱/۲۵

قال لا یحکم بکونہا نجسۃ بالشك والاحتمال ولو احتیط ونزح کان اولی۔[1]

اور احتمال کی بنا پر اس کی نجاست کا حکم نہیں دیا جائے گا اور اگر احتیاط سے کام لیا جائے اور تمام پانی نکال دیا جائے تو بہتر ہے۔ (ت)

(۱۷) وہ پانی جس میں استعمالی جوتا گر گیا جبکہ نجاست نہ معلوم ہو یہاں پر بھی وہی حکم ہے تاتارخانیہ پھر طریقہ وحدیقہ میں ہے:

سئل الامام الخجندی عن رکیۃ وھی البئر وجد فیہا خف ای نعل تلبس و یمشی بہا صاحبہا فی الطرقات لایدری متی وقع فیہا ولیس علیہ اثر النجاسۃ ھل یحکم بنجاسۃ الماء قال لا اھ ملخصا۔[2]

امام خجندی سے ایسے کنویں کی بابت دریافت کیا گیا جس میں ایسا موزہ (ہلکا جوتا) پایا گیا جسے پہن کر عام راستوں پر چلا جاتا ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ وہ کب گرا ہے، اور اس پر بظاہر نجاست کا اثر بھی نہیں تو کیا کنواں ناپاک ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں اھ (ت)

(۱۸ تا ۲۱) شکاری پرندوں اور حشرات الارض اور بلّی اور چھوٹی ہوئی مرغی کا جھوٹا جبکہ طہارت یا نجاست پر یقین نہ ہو یہ اُس وقت مکروہ ہے جبکہ دوسرا صاف پانی موجود ہو وقد بیناہ فی فتاونا (ہمارے فتاوٰی میں بیان کردیا گیا ہے۔ ت)

(۲۲) اُس جانور کا جھوٹا جس میں خون سائل نہیں جیسے بچھو وغیرہ اس میں کراہت بھی نہیں۔ درمختار میں ہے:

سؤر ما لادم لہ طاھر طھور بلاکراھۃ۔[3]

اس جانور کا جُھوٹا جس میں خون سائل نہیں بلاکراہت پاک اور پاک کرنے والا ہے۔ (ت)

(۲۳) حوض کا پانی جس میں بدبُو آتی ہو جبکہ اُس کی بُو نجاست کی وجہ سے ہونا معلوم نہ ہو۔ خانیہ میں ہے:

یجوز التوضؤ فی الحوض الکبیر المنتن اذا لم تعلم نجاسۃ لان تغیر الرائحۃ

بڑے حوض میں اگر بدبو ہو تو بھی اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ اس میں نجاست معلوم نہ ہو کیونکہ

---

[1] جواہر الفتاوٰی

[2] حدیقہ ندیہ صنف ثانی من الصنفین نوریہ رضویہ فیصل آباد ۶۷۴/۲

[3] الدرالمختار فی البئر مجتبائی دہلی ۴۰/۱

قد یکون بطول المکث اھ[1]

پانی کے ٹھہرے رہنے کی وجہ سے بھی کبھی بدبُو پیدا ہوجاتی ہے اھ (ت)

اقول وکذا الصغیر وانما قید بالکبیر لاجل فی معناہ ان الکبیر اذا تغیر احد اوصافہ بنجس ینجس فالحوض الکبیر المنتن قد یتوھم الموسوس توھما ان نتنہ بالنجس فافاد انہ وھم لایعتبر۔

میں کہتا ہُوں چھوٹے حوض کا بھی یہی حکم ہے، بڑے کی قید محض اس لیے لگائی ہے کہ بڑے حوض کا پانی جب نجاست کی وجہ سے متغیر ہوجائے اور اس کا کوئی وصف بدل جائے تو نجس ہے اگر بڑے حوض میں بدبو پائی جائے تو وہمی شخص اس سے پرہیز کرسکتا ہے کہ شاید اس کی بدبو نجاست کے باعث ہے لیکن اس عبارت سے یہ بتا دیا کہ یہ وہم معتبر نہیں ہے۔ (ت)

(۲۴) مولٰی کریم رؤف رحیم عزجلالہ اپنے حبیب اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وجاہت کریمہ کے صدقہ میں اپنے غضب سے دونوں جہان میں بچائے جس بستی پر عیاذاً باللہ عذاب اُترا اُس کے کنووں تالابوں کا پانی کہ اُس کا استعمال کھانے پینے طہارت ہرشے میں مکروہ ہے یونہی اس کی مٹی سے تیمم، ہاں زمین ثمود کا وہ کنواں جس سے ناقہ صالح علیہ الصلوۃ والسلام پانی پیتا اُس کا پانی مستثنٰی ہے، صحاح میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ہمراہ رکاب اقدس حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم زمین ثمود پر اُترے وہاں کے کنووں سے پانی بھرا اُس سے آٹے گوندھے، حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ پانی پھینک دیں اور آٹا اونٹوں کو کھلادیں چاہِ ناقہ سے پانی لیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ینبغی کراھۃ التطھیر ایضا اخذا مما ذکرناہ وان لم ارہ لاحد من ائمتنا بماء وتراب من کل ارض غضب علیھا الابئر الناقۃ بارض ثمود وقد صرح الشافعیۃ بکراھتہ ولایباح عند احمد ثم نقل الحدیث عن شرح المنتھی الحنبلی وانہ قال ظاھرہ منع الطھارۃ

جس زمین پر بھی غضب نازل ہوا ہو، اس کے پانی اور مٹی سے طہارت حاصل کرنا مکروہ ہونا چاہئے سوائے ناقہ کے کنویں کے جو زمین ثمود میں پایا جاتا ہے۔ یہ بات اس تحقیق سے معلوم ہوتی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے، اگرچہ میری نظر سے نہیں گزرا کہ ہمارے ائمہ میں سے کسی نے یہ بات کہی ہو، البتہ شافعیہ نے اس کے مکروہ ہونے کی

---

[1] قاضی خان الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۳

به قال وبئر الناقة هی البئر الکبیرة التی یردها الحجاج فی ھذہ الازمنة[1] اھ وقولہ اخذا مما ذکرنا یشیر الی ماقدمہ من تعلیل الکراھة بمراعاة الخلاف۔

تصریح کی ہے، اور امام احمد کے نزدیک مباح نہیں ہے، پھر حدیث نقل کی شرح منتہی حنبلی سے، اور فرمایا اس سے بظاہر طہارت کا ممنوع ہونا مفہوم ہوتا ہے'

فرمایا اونٹنی کے کنویں سے مراد وُہ بڑا کنواں ہے جس پر آج کل حاجی آتے ہیں اور اسکے قول اخذا مما ذکرنا سے مراد کراہت کی علت ہے جو انھوں نے بیان کی کہ اختلاف کی رعایت مقصود ہے۔ (ت)

اقول وفیہ ماقدمنا لکن الکراھة ھھنا واضحة فقد کرہ الاٰجر فی القبر مما یلی المیت لاثر النار کما فی البدائع وغیرھا فھذا اولٰی بوجوہ کما لایخفی علی من اعتبر فجزاہ اللہ تعالٰی خیرا کثیرا فی جنات الفردوس کما نبہ علی ھذہ الفائدة الفائزة۔

میں کہتا ہوں اس پر وہ اعتراض ہے جو ہم نے ذکر کیا، لیکن کراہت یہاں واضح ہے، کیونکہ آگ میں پکی ہوئی اینٹ قبر میں میت سے لگا کر استعمال کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس میں آگ کا اثر ہوتا ہے، جیساکہ بدائع وغیرہ میں ہے تو یہ بطریق اولٰی مکروہ ہے کئی وجوہ سے جیساکہ عبرت حاصل کرنے والے پر مخفی نہیں اللہ تعالٰی اسے جنۃ الفردوس میں خیر کثیر عطا فرمائے جیساکہ اس عمدہ فائدہ میں تنبیہ کی گئی ہے۔ (ت)

(۲۵) آبِ مغصوب ۔ آبِ مغصوب میں تو کراہت ہی تھی آبِ مغصوب کا استعمال صرف کھانے پینے میں ہو خواہ طہارت میں محض حرام ہے مگر وضو وغسل صحیح ہوجائیں گے اور ان سے نماز ادا ہوجائے گی لان المنع للمجاور (یہ ممانعت ساتھ ملنے کی وجہ سے ہے۔ ت) ردالمحتار میں زیر قول شارح یجوز رفع الحدث بما ذکر (حدث کا دور کرنا جائز ہے ان چیزوں سے جو ذکر کی گئیں) فرمایا ای یصح وان لم یحل فی نحو الماء المغصوب[2] (یعنی صحیح ہے اگرچہ حلال نہیں مغصوب پانی کی شکل میں۔ ت)

(۲۶) وُہ پانی کہ کسی کے مملوک کنویں سے بے اس کی اجازت بلکہ باوصف ممانعت کے بھرا اس کا پینا وضو وغیرہ میں خرچ کرنا سب جائز ہے یہ مغصوب کی حد میں نہیں کہ کنویں کا پانی جب تک کنویں میں ہے کسی کی ملک نہیں آبِ باراں کی طرح مباح وخالص ملک الٰہی عزجلالہ ہے۔ ردالمحتار میں ہدایہ سے ہے: الماء فی البئر غیر مملوك[3] (کنویں کے اندر کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ ت) اُسی میں ولوالجیہ سے ہے:

---

[1] ردالمحتار مکروہات الوضوء مصطفی البابی مصر ۱/۹۸
[2] ردالمحتار باب المیاہ " ۱/۱۳۵
[3] ردالمحتار فصل الشرب " ۲/۱۸۶

او نزح ماء بئر رجل بغیر اذنه حتی یبست لا شئ علیہ لان صاحب البئر غیر مالك للماء[1]

اگر کسی شخص کے کنویں کا پانی اس کی اجازت کے بغیر نکالا اور اتنا نکالا کہ وہ کنواں خشک ہوگیا تو اس شخص پر کوئی ضمان نہیں، کیونکہ وہ شخص پانی کا مالک نہیں۔ (ت)

اُسی میں ذخیرہ سے ہے:

الماء قبل الاحراز بالاوانی لا یملك فقد اتلف مالیس بمملوك لغیرہ[2]

پانی کو جب تک برتنوں میں نہ بھرلیا جائے مِلک ثابت نہیں ہوتی ہے، تو اس نے وہ چیز تلف کی ہے جو غیر کی مملوک نہیں۔ (ت)

اُسی میں درمختار سے ہے:

الماء تحت الارض لا یملك[3]

زمین کے نیچے جو پانی ہے اس پر کسی کی مِلک نہیں۔ (ت)

اسی طرح کُتب کثیرہ میں ہے،

اقول والعبرۃ للمنقول وان بحث البحر تبعاللفتح لزوم کون ماء البئر مملوکا للحافر بناء علی احد قولین فی الکلاء۔

میں کہتا ہوں اعتبار منقول کو ہے، اگرچہ بحر نے اس پر فتح کی متابعت میں بحث کی ہے، اور فرمایا ہے کہ جس نے کنواں کھودا ہے پانی بھی اسی کی ملکیت میں ہے اس بناء پر کہ گھاس میں بھی ایک قول یہی ہے۔ (ت)

اقول وقدکان یخالج صدری نظرا الی ان من نصب شبکۃ لیتعلق بھا صید ملکہ لا لو نصبھا للجفاف تنویر وغیرہ وان من وضع اناء لجمع ماء المطر ملکہ اما اذا لم یضعہ لذلك واجتمع فالماء لمن رفع خیریۃ وغیرھا

میں کہتا ہوں میرے دل میں یہ خلجان تھا کہ جس شخص نے جال لگایا کہ اس میں کوئی شکار پھنس جائے تو شکار اسی کی ملکیت ہوگا بشرطیکہ اس نے جال خشک کرنے کیلئے نہ لگایا ہو، تنویر وغیرہ۔ اور اگر کسی شخص نے برتن رکھا کہ اس میں بارش کا پانی جمع ہوجائے، پھر پانی جمع ہوا تو وہ اسی کی مِلک ہے،

---

[1] فتاوٰی خیریہ مسائل الشرب بیروت ۲/۱۸۶
[2] ردالمحتار فصل الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۷
[3] ردالمحتار کتاب احیاء الموات " ۵/۳۰۸

وظهر الجواب بحمدہ تعالٰی ان ملك المباح بالاستیلاء والاستیلاء بالاحراز وقدتم فی الشبكة والاناء بخلاف البئر ففی ش عن جامع الرموز ملأ الدلو من البئر ولم یبعدہ من رأسها لم یملكه عند الشیخین اذ الاحراز جعل الشیئ فی موضع حصین[1] اھ اما ما بحثه الفتح فقد اجاب عنه فی النهر فراجع ش من البیع الفاسد مسألة بیع المراعی۔

جب تک پانی جمع ہونے کیلئے نہ رکھا ہو اور پانی جمع ہوجائے تو وہ پانی اس کی ملکیت میں ہوگا جس نے اٹھایا، خیریہ وغیرہ۔ اور یہ جواب معلوم ہوا کہ مباح چیز پر ملکیت استیلاء اور غلبہ سے ہوتی ہے اور استیلاء اس چیز کو قبضہ میں لے لینے سے ہوتی ہے، اور یہ چیز جال اور برتن کی شکل میں تو پائی جاتی ہے لیکن کنویں کی صورت میں نہیں "ش" میں جامع الرموز سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے کنویں سے ڈول بھرا لیکن اس کو کنویں کے منہ سے دُور نہ کیا تو وہ اس کی ملک میں نہ ہوگا، یہ شیخین کے نزدیک ہے، کیونکہ احراز کسی چیز کو محفوظ جگہ رکھنے کو کہا جاتا ہے اھ اور جو بحث فتح میں ہے تو اس کا جواب نہر میں ہے اس سلسلہ میں بیع فاسد کا باب تحت مسئلہ چراگاہوں کے بیچنے "ش" میں ملاحظہ کیجئے۔ (ت)

اقول ویؤیدہ ما فی الهندیة عن المبسوط ما انبته صاحب الارض بان سقی ارضه وکربها لینبت فیها الحشیش لدوابه فهو احق بذلك ولیس لاحد ان ینتفع بشیئ منه الا برضاہ لانه کسبه والکسب للمکتسب[2] اھ فلا یقاس علیه ماء البئر فانه لیس من کسب حافرها انما صنع فیه رفع الحجاب کالفصاد قال تعالٰی الم تر ان اللّٰه انزل من السماء ماء فسلکه ینابیع فی

میں کہتا ہوں اس کی تائید ہندیہ کے اُس حوالہ سے ہوتی ہے جو انہوں نے مبسوط سے نقل کیا ہے، حوالہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی زمین میں جانوروں کو کھلانے کے لئے گھاس اگائی تو وہ اسی کی ہے اور کوئی شخص اُس سے اس کی مرضی کے بغیر استفادہ نہیں کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کی کمائی ہے' اور ہر شخص کی کمائی اسی کی ہوتی ہے اھ مگر اس پر کنویں کے پانی کو قیاس نہیں کرسکتے ہیں کیونکہ پانی کنویں کے کھودنے والے کی کمائی نہیں ہے اُس نے تو صرف اتنا کام کیا کہ پانی پر جو حجاب تھا وہ رفع کردیا'

---

[1] ردالمحتار فصل الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۷
[2] الفتاوی الہندیۃ الباب الاول من کتاب الشرب پشاور ۵/۳۹۲

الارض[1] وتقریر الآیۃ فی میاہ الدر واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

جیسے فصد کے عمل میں ہوتا ہے فرمانِ الٰہی ہے: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تو اللہ تعالٰی نے اس کو چشموں میں جاری کردیا، اس آیت کی تقریر در کے باب المیاہ میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۲۷) یونہی کسی کا برتن صحن میں تھا مینہ برسا، برتن بھر گیا، پانی بھی اسی کی ملک نہ ہوا اپنی اصل اباحت پر باقی ہے اگرچہ برتن اور مکان اس کی ملک ہے جو اس پانی کو لے لے وہی اس کا مالک ہوجائے گا اگرچہ برتن کا مالک منع کرتا ہے ہاں اس کے برتن کا استعمال بے اجازت جائز نہ ہوگا۔

(۲۸) اگر اس نے برتن اسی نیت سے رکھا تھا کہ آبِ باراں اس میں جمع ہو تو اب وہ پانی اُس کی ملک ہے دوسرے کو بے اس کی اجازتِ صحیحہ کے حرام ہے ہاں طہارت یُوں بھی ہوجائے گی گناہ کے ساتھ فتاوٰی کبرٰی پھر ہندیہ میں ہے:

وضع طستا علی سطح فاجتمع فیہ ماء المطر فجاء رجل ورفع ذلک فتنازعا ان وضع صاحب الطست لذلک فھولہ لانہ احرزہ وان لم یضعہ لذلک فھوللرافع لانہ مباح غیر محرز[2]۔

کسی شخص نے چھت پر پانی کا طشت رکھا تو اس میں بارش کا پانی جمع ہوگیا، اب ایک شخص نے آکر وہ طشت اٹھا لیا، تو اگر طشت کے مالک نے یہ طشت اسی مقصد سے رکھا تھا تو وہ مالک کا ہی ہے اور اگر اس نے یُوں ہی رکھ دیا تھا تو جس نے طشت اٹھایا پانی اسی کا ہوا کیونکہ احراز کا فعل اسی کی طرف منسوب ہوگا۔(ت)

(۲۹) سبیل جو پینے کے لئے لگائی گئی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اُس سے وضو، غسل اگرچہ صحیح ہوجائیں گے جائز نہیں یہاں تک کہ اگر اُس کے سوا اور پانی نہ ملے اور اسے وضو یا غسل کی حاجت ہے تو تیمم کرے اس سے طہارت نہیں کرسکتا۔

اقول مگر جبکہ مالکِ آب کی اجازت مطلقاً یا اس شخص خاص کے لیے صراحۃً خواہ دلالۃً ثابت ہو صراحۃً یہ کہ اُس نے یہی کہہ کر سبیل لگائی ہو کہ جو چاہے پیئے وضو کرے نہائے، اور اگر فقط پینے اور وضو کے لیے کہا تو اس سے غسل روا نہ ہوگا اور خاص اس شخص کے لیے یوں کہ سبیل تو پینے ہی کو لگائی مگر اُسے اُس سے وضو یا غسل کی اجازت خود یا اس کے سوال پر دے دی اور دلالۃً یوں کہ لوگ اس سے وضو کرتے ہیں اور وہ منع نہیں

---

[1] القرآن ۳۹/۲۱

[2] فتاوٰی خیریۃ بالمعنی مسائل الشرب بیروت ۲/۱۸۶

1
1

کرتا یا سقایہ قدیم ہے اور ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا چلا آیا ہے یا پانی اس درجہ کثیر ہے جس سے ظاہر ہے کہ صرف پینے کو نہیں مگر جبکہ ثابت ہو کہ اگرچہ کثیر ہے صرف پینے ہی کی اجازت دی ہے فان الصریح یفوق الدلالۃ (کیونکہ صراحت کو دلالت پر فوقیت حاصل ہے۔ ت) اور شخص خاص کے لیے یوں کہ اس میں اور مالک آب میں کمال انبساط و اتحاد ہے یہ اُس کے ایسے مال میں جیسا چاہے تصرف کرے اُسے ناگوار نہیں ہوتا۔

لان المعروف کالمشروط کما ھو معرّف فی مسائل لاتحصی وفی الھندیۃ عن السراج الوھاج ان کان بینھما انبساط یباح و الافلا[1]

کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہے، اور یہ چیز بے شمار مسائل میں ہے، اور ہندیہ میں سراج الوہاج سے ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان بے تکلفی کا رشتہ ہو تو یہ مباح ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

محیط و تجنیس و ولوالجیہ و خانیہ و بحر و درمختار میں ہے:

واللفظ لہ الماء المسبل فی الفلاۃ لایمنع التیمم مالم یکن کثیرا فیعلم انہ للوضوء ایضا قال ویشرب ماللوضوء[2]

لفظ درمختار کے ہیں وہ پانی جو جنگل میں سبیل کے طور پر ہو مانع تیمم نہیں تاوقتیکہ کثیر نہ ہو، اگر کثیر ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ وضو کے لیے بھی ہے۔ نیز فرمایا: جو پانی وضو کے لیے ہے وہ پیا جائیگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ المسبل ای الموضوع فی الجباب لابناء السبیل قولہ لایمنع التیمم لانہ لم یوضع للوضوء بل للشرب فلا یجوز الوضوء بہ وان صح قولہ مالم یکن کثیرا قال فی شرح المنیۃ الاولی الاعتبار بالعرف لابالکثرۃ الااذا اشتبہ[3] اھ کلام ش

ان کا قول مسبل یعنی وُہ پانی جو مشکوں میں ہو مسافروں کے لیے، ان کا قول "لایمنع التیمم" کیونکہ وُہ وضو کے لیے نہیں رکھا گیا ہے بلکہ پینے کے لیے ہے تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں اگرچہ صحیح ہے ان کا قول مالم یکن کثیرا، شرح منیہ میں ہے بہتر یہ ہے کہ اعتبار عرف کا ہے نہ کہ کثرۃ کا، مگر جب مشتبہ ہو اھ کلام ش۔ (ت)

اقول وانت تعلم ان ماذکر الفقیر

میں کہتا ہوں جو کچھ فقیر نے ذکر کیا ہے

---

[1] سراج الوہاج
[2] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۵
[3] ردالمحتار باب التیمم مصر ۱/۱۸۵

اجمع واشمل وانفع واکمل۔ وہ جامع، مانع، زیادہ مفید اور مکمل ہے۔ (ت)

تنبیہ: یہ جو شخص خاص کی اجازت صراحۃً خواہ دلالۃً ہم نے ذکر کی اُس حالت میں ہے کہ پانی وقتِ اجازت بھی اجازت دہندہ کی مِلک ہو اور اگر وقف کا پانی ہے تو اس میں نہ کسی کو تغیر کا اختیار نہ کسی کی اجازت کا اعتبار،

فی البحر ثم الدر من الوضوء مکروھہ الاسراف فیہ ولو بماء النھر والمملوک لہ اما الموقوف علی من یتطھر بہ ومنہ ماء المدارس فحرام[1] اھ وفی ش عن الحلیۃ لانہ انما یوقف ویساق لمن یتوضؤ الوضوء الشرعی ولم یقصد اباحتھا لغیر ذلک[2] اھ وفی ط تحت عبارۃ الدر السابقۃ قولہ المسبل ای الموقوف الذی یوضع علی السبل قولہ مالم یکن کثیرا محل ذلک عند عدم التیقن بانہ للمشرب اما اذا تیقن انہ للشرب فیحرم الوضوء لان شرط الواقف کنص الشارع قولہ وشرب ما للوضوء ظاھرہ وان لم یکن للضرورۃ وفیہ انہ یلزم مخالفۃ شرط الواقف[3] اھ واشار ش الی الجواب عن ھذا بقولہ کأن الفرق ان الشرب اھم لانہ لاحیاء النفوس بخلاف الوضوء لان لہ بدلا فیأذن صاحبہ بالشرب منہ عادۃ[4] اھ

بحر اور دُر کے باب الوضوء میں ہے وضوء میں پانی کا اسراف مکروہ ہے خواہ نہر کا پانی ہو یا اپنا مملوک پانی ہو، اور جو پانی پاکی حاصل کرنے والوں کے لیے وقف ہوتا ہے، جس میں مدارس کا پانی بھی شامل ہے، اس کا اسراف حرام ہے اھ اور "ش" میں حلیہ سے منقول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانی انہی لوگوں کے لیے وقف ہے جو شرعی وضوء کرنا چاہتے ہیں، اور دوسروں کے لیے مباح نہیں ہے اھ اور "ط" میں در کی سابقہ عبارت کے تحت فرمایا "مُسبل" وہ پانی جو راستوں میں وقف رکھا جاتا ہے اور انکے قول مالم یکن کثیرا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب یہ یقین نہ ہو کہ یہ پینے کے لیے ہے، اگر یہ یقین ہو کہ یہ پینے کے لیے ہے تو اس سے وضو حرام ہے کیونکہ شرط واقف نص شارع کی طرح ہوتی ہے۔ اور ان کا قول "شرب ما للوضوء" کا بظاہر یہ مفہوم ہے کہ اگرچہ وہ پانی ضرورت کے لیے نہ ہو، اور اس میں یہ قباحت ہے کہ اس میں شرط واقف کی مخالفت ہے اھ اور "ش" نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا، غالباً اس میں

---

[1] الدر المختار مکروہات الوضوء مجتبائی دہلی ۱/۲۴

[2] رد المحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۹۸

[3] طحطاوی علی الدر باب التیمم بیروت ۱/۱۲۳

[4] رد المحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۵

فرق یہ ہے کہ پانی کا پینا اہم ہے کیونکہ اس میں زندگی بچانا ہے جبکہ وضوء میں یہ چیز نہیں، کیونکہ وضوء کا متبادل ہوتا ہے اس لیے مالک عام طور پر پینے کی اجازت دے دیتا ہے اھ (ت)

اقول ای یکون ذلک منویا عند الوقف بحکم العادۃ فلا یلزم خلاف الشرط ولیس المراد حدوث الاذن الاٰن کما یوھمہ تعبیرہ یاذن فان الوقف اذا تم خرج عن ملکہ فلا یعمل فیہ اذنہ کما ھو ظاھر لکن ھھنا تحقیق شریف للعبد الضعیف فی بحث صحۃ وقف الماء لابد من التنبہ لہ قال فی التنویر والدر (و) صح وقف کل (منقول) قصدا (فیہ تعامل للناس (کفاس وقدوم) بل (ودراھم ودنانیر) ومکیل وموزون فیباع ویدفع ثمنہ مضاربۃ اوبضاعۃ فعلی ھذا لو وقف کرا علی شرط ان یقرضہ لمن لابذر لہ لیزرعہ لنفسہ فاذا ادرک اخذ مقدارہ ثم اقرضہ لغیرہ وھکذا اجاز خلاصۃ وفیہا وقف بقرۃ علی ان ما خرج من لبنہا او سمنہا للفقراء ان اعتادوا ذلک رجوت ان یجوز (وقدر وجنازۃ) وثیابہا ومصحف وکتب لان التعامل یترک بہ القیاس[1] اھ قال ش قال الرملی لکن فی الحاقہا بمنقول فیہ تعامل نظر

میں کہتا ہوں، یعنی یہ چیز عادۃً وقف کے وقت واقف کی نیت میں ہوتی ہے تو ایسی صورت میں شرطِ واقف کی خلاف ورزی لازم نہ آئے گی۔ یہ مراد نہیں کہ اب اجازت دی ہے، جیسا کہ "یأذن" کے لفظوں سے ظاہر ہے، کیونکہ وقف جب مکمل ہوجاتا ہے تو ملکِ واقف سے نکل جاتا ہے تو اس کی اجازت کا کوئی اثر نہ ہوگا، جیسا کہ ظاہر ہے میں نے پانی کے وقف کے سلسلہ میں ایک تحقیق کی ہے، اس کا جاننا ضروری ہے، تنویر اور دُر میں فرمایا (اور) صحیح ہے وقف ہر (منقول کا) قصداً جس میں لوگوں کا تعامل ہو (جیسے پھاوڑا اور کلھاڑی) بلکہ (دراہم ودنانیر کا) اور ناپ تول والی چیز کا، تو اس کو بیچا جائے گا اور اس کی قیمت بطورِ مضاربت دی جائے گی یا بطور سامان۔ اس بنا پر اگر کسی شخص نے ایک بوری غلّہ اس شرط پر وقف کیا کہ یہ ایک ایسے شخص کو قرض دیا جائے جو اپنے لیے کاشت کرتا ہو، اور جب اس کی کھیتی پک جائے تو اُس سے یہ مقدار واپس لے لی جائے اور کسی دوسرے کو قرض دے دیا جائے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے تو یہ جائز ہے، خلاصہ۔ اسی کتاب میں ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک گائے

---

[1] الدرالمختار باب الوقف مجتبائی دہلی ۱/۳۸۰

اذھی مما لاینتفع بھا مع بقاء عینھا وما
استدل بہ فی المنح فی مسألۃ البقرۃ
ممنوع بما قلنا اذ ینتفع بلبنھا و سمنھا مع
بقاء عینھا اھ قلت ان الدراھم لاتتعین
بالتعیین فھی وان کانت لاینتفع بھا مع
بقاء عینھا لکن بدلھا قائم مقامھا لعدم
تعینھا فکأنھا باقیۃ ثم قال عن الفتح عن
الخلاصۃ عن الانصاری وکان من
اصحاب زفر فیمن وقف الدراھم اوما یکال
اویوزن ایجوز قال نعم قیل وکیف قال
یدفع الدراھم مضاربۃ ثم یتصدق بھا
فی الوجہ الذی وقف علیہ اھ ورأیتنی کتبت علیہ
ما نصہ **اقول** ھذا التعلیل من العلامۃ
الرملی لمنع وقف الدراھم وجواب المحشی
بانھا لاتتعین فکانھا باقیۃ ببقاء بدلھا
وما ذکر الامام الانصاری وتبعہ فی
الخلاصۃ والفتح والدر وکثیر من الاسفار
الغرر من طریق الابقاء فی الدراھم و
المکیل والموزون وما مر (ای فی رد المحتار)
من ان التأبید معنی شرط صحۃ الوقف
بالاتفاق علی الصحیح وقد نص علیہ
محققوا المشایخ کل ذلک یقضی بان
الماء المسبل لایکون وقفا لعدم امکان

اس شرط پر وقف کی کہ اس کا دُودھ اور گھی فقراء کے
استعمال میں لایا جائے، تو اگر یہ چیز ان کی عرف میں ہے
تو امید ہے کہ جائز ہے (دیگ اور جنازہ کی چارپائی)
اور جنازہ کی چادریں اور مصحف اور کتابیں، کیونکہ
تعامل کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کردیا جاتا ہے
اھ "ش" نے کہا کہ رملی نے فرمایا اس کو منقول سے
ملانے میں جس میں تعامل ہو اعتراض ہے کہ اس کے
عین کے باقی رہتے ہُوئے اس سے انتفاع نہیں
ہوتا ہے اور گائے کا مسئلہ جس سے منح میں استدلال
کیا ہے ناقابلِ تسلیم ہے، کیونکہ اس کے دودھ اور
گھی سے گائے کو باقی رکھتے ہوئے نفع حاصل
کیا جاتا ہے اھ میں کہتا ہوں دراہم متعین کردینے سے
متعین نہیں ہوتے ہیں، تو ان کو باقی رکھتے ہوئے
اگرچہ ان سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، لیکن ان کا
بدل ان کے قائم مقام ہے کیونکہ یہ خود متعین نہیں،
تو گویا کہ یہ باقی ہیں۔ پھر فتح سے خلاصہ سے نقل کرتے
ہوئے فرمایا کہ انصاری جو اصحاب زفر سے تھے ان
سے پُوچھا گیا کہ اگر کسی شخص نے دراہم یا کیلی یا وزنی
چیز وقف کی تو کیا جائز ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:
ہاں۔ اُن سے دریافت کیا گیا کہ اس کی شکل کیا ہوگی؟
تو انہوں نے فرمایا دراہم مضاربت پر کسی کو دے دے
پھر اُن کو اُس مقصد پر خرچ کرتا رہے جس کے لیے
ان کو صدقہ کیا گیا تھا اھ میں نے ان کی بیان کردہ نص

---

[1] ردالمحتار باب الوقف مصطفی البابی مصر ۳/۴۱۰

الانتفاع به الا باستهلاکه فیکون من باب الاباحة دون الوقف (ف۱) نعم السقایة بناء تعورف وقفه کالقنطرة فیصح ولا یقال ان فی السقایة الموقوفة یصیر الماء وقفا (ف۲) تبعا للسقایة وهو جائز وفاقا کما تقدم فی الشرح (ف۳) وذلك لان الماء هو المقصود بالسقایة وهی تبع فلا یعکس الامر ولای شیئ تجعل السقایة وقفا مقصودا فیتبعه الماء علٰی انه ان تبع تبع ما فیها دون الابدال للتعاورة ولیس الماء مما لایتعین حتی (ف۴) یجعل بقاء الابدال بقاءه مع ان لی نظرا فی هذا العذر فقد افاد ش فی فصل فی التصرف فی المبیع والثمن ان عدم تعین النقد لیس علی اطلاقه[1] بل ذلك فی المعاوضات الخ وذکر تفصیلا وقع فیه خلط وخبط من الناسخین نبهت علیه فیما علقت علیه و (ف۵) قال قبله فی البیع الفاسد الدراهم والدنانیر تتعین فی الامانات والهبة و الصدقة والشرکة والمضاربة والغصب[2] اھ فالوقف اشبه شیئ بالصدقة بل هو منها عند الامام ویظهر لی واللّٰه تعالٰی اعلم ان النقدین والتجارات نامیات

پر لکھا ہے **اقول** عدم تسلیم کی یہ علت جو رملی نے بیان کی ہے دراہم کے وقف کے ممنوع ہونے کی بابت ہے اور محشی کا یہ جواب دینا کہ دراہم متعین نہیں ہوتے، تو اپنے بدل کے باقی رہنے کی وجہ سے باقی رہیں گے، اور جو امام انصاری نے ذکر کیا اور خلاصہ اور فتح اور درر اور بہت سی کتب میں اس کی متابعت کی گئی ہے کہ کس طرح دراہم اور مکیل وموزون باقی رہتے ہیں اور جو گزرا (یعنی درمختار میں) یعنی صحت وقف کے شرائط میں سے اس کا ہمیشہ کے لیے ہونا ہے، یہی صحیح ہے اور اس پر اتفاق ہے اور محققین مشائخ نے اس پر نص کیا ہے، اور اس تمام بحث کا تقاضا یہی ہے کہ سبیل کا پانی وقف نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کو ختم کیے بغیر اس سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، تو یہ اباحت قرار پائے گا نہ کہ وقف، ہاں سقایہ جو عمارت ہوتی ہے اس کا وقف کرنا متعارف ہوگیا ہے جیسا کہ پُل ہوتا ہے تو یہ صحیح ہے، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ جب سقایہ وقف ہوا تو پانی بھی اس کی متابعت میں وقف ہوگیا، اور اس پر اتفاق ہے جیسا کہ شرح میں گزرا، کیونکہ سقایہ میں مقصود تو پانی ہی ہے اور سقایہ تو تابع ہے تو معاملہ برعکس نہیں کیا جائے گا، اور پھر سقایہ کیونکر وقف مقصود ہوسکتا ہے تاکہ پانی اس کا تابع ہو

---

[1] ردالمحتار فصل فی التصرف فی البیع البابی مصر ۴/۱۸۵

[2] ایضاً

شرعا وحسا فبقاؤها بنماءها اذهی الاصل المتولد منه فتشبه ماليتها شجرة تبقى فتؤتى اكلها كل حين باذن ربها وكيفما كان لايقاس عليها الماء وقد عللوا ما اذا ملأ صبي كوزا من حوض ثم صبه فيه لايحل لاحد شربه بان الصبي ملك ما اخذه من ماء الحوض المباح فاذا صبه فيه اختلط ملكه به فامتنع استعماله[1] كما في الحديقة الندية اخر النوع العشرين من افات اللسان وغمز العيون من احكام الصبيان والطحطاوي من فصل في الشرب وفي هذا الكتاب اعني ش من الفصل المذكور عن ط عن الحموي عن البداية عن الذخيرة والمنية وقد جعلوا ماء الحوض مباحا ولو كان وقفا لم يملكه الصبي باخذه في كوزه فان الوقف لايملك وقد عرفه شمس الائمة السرخسي بانه حبس المملوك عن التمليك عن الغير اه[2] كما في ش بخلاف غلة ضيعة موقوفة على الذراري فانهم يملكونها عند ظهورها فمن مات منهم بعده يورث عنه قسطه كما ياتي في الكتاب فان الوقف هي الضيعة وهذه نماؤها۔

علاوہ ازیں یہ کہ اگر پانی تابع ہو بھی تو اسی قدر تابع ہوگا جو سقایہ میں موجود ہے نہ کہ اس کے بدل جو بار بار لوٹ کر آتے ہیں اس کے تابع ہوں، اور پانی ایسی چیز نہیں جو متعین نہ ہو تاکہ بدل کے باقی رہنے کو اس کی بقاء قرار دیا جائے۔ مجھے اس عذر پر اعتراض ہے "ش" نے "تصرف فی المبیع والثمن" کی بحث میں فرمایا کہ نقود کا غیر متعین ہونا مطلق نہیں، یہ صرف معاوضات میں ہے الخ پھر انھوں نے اس میں ایک تفصیل ذکر کی جس میں ناقلین سے کچھ خلطِ مبحث ہوگیا، میں نے اس پر جو تعلیقات کی ہیں ان میں اس پر تنبیہ کی ہے، اور اس سے قبل باب "بیع فاسد" میں فرمایا: دراہم دنانیر، امانات، ہبہ، صدقہ، شرکۃ، مضاربۃ اور غصب میں متعین ہو جاتے ہیں اھ وقف صدقہ سے بہت مشابہ چیز ہے بلکہ امام کے نزدیک صدقہ ہی ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں (واللہ تعالٰی اعلم) کہ سونا چاندی اور تجارتی معاملات شرعاً اور حساً نامی چیزیں ہیں تو ان کی بقاء ان کی نماء کے باعث ہوگی، کیونکہ ان سے جو چیز متولد ہوتی ہے وہ یہی ہے، تو ان کی مالیت اُس درخت کی طرح ہوگی جو باقی رہتا ہے اور ہر موسم پر اس کا پھل آتا رہتا ہے اور جو بھی صورت ہو بہر حال اس پر پانی کو قیاس نہیں کرسکتے ہیں۔ اگر کسی بچے نے ایک حوض سے پانی کا ایک کوزہ بھر

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع العشرین من آفات اللسان رضویہ فیصل آباد ۲/۲۶۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف البابی مصر ۳/۳۹۲

پھر اس کو اس میں انڈیل دیا، تو اب اس حوض کا پانی کسی کو پینا جائز نہیں اور اس کی علّت فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ بچّے نے مباح حوض سے جو پانی لیا' وہ پانی اس کی ملکیت میں آگیا، اور پھر اُس پانی کو جب اسی حوض میں ڈال دیا تو اس کی ملک اس کے ساتھ مخلوط ہوگئی تو اب اس کا استعمال ممنوع ہوگیا، حدیقہ ندیہ آفات اللسان' بیسویں نوع کا آخر۔ غمزالعیون' بچّوں کے احکام۔ طحطاوی، فصل شرب۔ اور 'ش' میں' مذکور فصل میں 'ط' سے 'حموی' سے 'درایہ' سے 'ذخیرہ' سے' اور غیرہ سے ہے کہ فقہاء نے حوض کے پانی کو مباح قرار دیا ہے' اگر یہ پانی وقف ہوتا تو بچہ اس کو کوزہ میں لینے سے اس کا مالک نہ ہوجاتا، کیونکہ وقف پر ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے وقف کی تعریف اس طرح کی ہے کہ یہ مملوک کو تملیک سے روکنا ہے، یعنی غیر اس کا مالک نہیں ہوسکتا ہے اھ جیساکہ "ش" میں ہے، یہ اس کے خلاف ہے کہ کوئی شخص ذرّیت پر کسی زمین کی آمدنی وقف کردے، کیونکہ جب یہ آمدنی ظاہر ہوگی تو ذرّیت اس کی مالک ہوجائے گی، ذریت میں سے جو اس کے بعد وفات پائے گا اس کی میراث جاری ہوگی' جیساکہ کتاب میں آئے گا، کیونکہ وقف تو زمین ہے اور یہ اس کا "ثمار" ہے۔ (ت)

فان قلت الیس قد تقدم فی وضوء الکتاب مانصہ مکروھہ الاسراف فیہ الی اٰخر مامرنقلہ اقول وباللہ التوفیق[1] المراد بہ الماء المسبل بمال الوقف کماء المدارس و المساجد والسقایات التی تملؤ من اوقافھا فان ھذا الماء لایملکہ احد ولایجوز صرفہ الا الی جھۃ عینھا الواقف وھذا ھو حکم الوقف[2] اما الماء الذی یسبلہ المرء من ملکہ فلایصیر وقفا سواء کان فی الحباب اوالجرار اوالحیاض اوالسقایات انما غایتہ الاباحۃ یتصرف فیھا الناس وھو علی ملکہ فلا تتأتی فیہ مسألۃ کوز الصبی المذکورۃ ھذا ما ظھر لی وارجوان یکون ھو الصواب، باذن الملک الوھاب، ولہ الحمد وعلی حبیبہ الکریم والاٰل والاصحاب، صلاۃ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کتاب کے وضو کی بحث میں گزرا ہے، اس وضوء کے مکروہات میں اسراف ہے الی آخرہ جو نقل ہوچکا میں کہتا ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد سبیل کا پانی ہے جو وقف ہو، جیساکہ مدارس، مساجد، سقایات کا پانی جو ان کے اوقاف کی آمدنی سے بھرا جاتا ہے، کیونکہ اس پانی کا کوئی مالک نہیں' اور اس کو فقط اُسی جہت میں صَرف کیا جاسکتا ہے جو اُس کے واقف نے اس کے لیے متعین کی ہے' اور یہی وقف کا حکم ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی مِلک سے پانی کی سبیل لگائے تو وہ وقف نہ ہوگی' خواہ وہ مٹکوں میں ہو یا چھوٹے گھڑوں میں یا حوضوں اور سقایوں میں، کیونکہ اُس سے تو صرف اتنا مقصود ہے کہ پانی مالک کی مِلک میں رہتے ہوئے لوگوں کے لیے مباح کردیا جائے تو اس میں بچّے کے کوزہ کا مذکورہ مسئلہ نہیں چلے گا' مجھ پر یہی ظاہر ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ یہی

وسلامۃ ید وماں بلا عدد ولا حساب۔ آمین۔ صحیح ہوگا ....(ت)

(۳۰) اقول یوں ہی مسجد کے سقائے یا حوض جو اہلِ جماعتِ مسجد کی طہارت کو بھرے جاتے ہیں اگر مالِ وقف سے بھرے گئے ہوں تو مطلقاً جب تک ابتدا سے واقف کی اجازت ثابت نہ ہو اور کسی نے اپنی ملک سے بھروائے ہوں تو بے اس کی اجازت قدیم خواہ جدید کے گھروں میں اُن کا پانی اگرچہ طہارت ہی کے لیے لیجانا روا نہیں طہارت ہوجائیگی مگر گناہ ہوگا اجازت واقف ومالک کی وہی تفصیل ہے جو آب سبیل میں گزری والدلیل الدلیل (اور دلیل بھی وہی ہے جو پہلے گزر چکی ہے) جاڑوں میں کہ سقائے گرم کیے جاتے ہیں بعض لوگ گھروں میں پانی لے جاتے ہیں اس میں بہت احتیاط چاہیے کہ غالباً بے صورتِ جواز واقع ہوتا ہے۔

امّا ما فی الخانیۃ ثم الھندیۃ من کتاب الشرب یجوز ان یحمل ماء السقایۃ الی بیتہ لیشرب اھلہ اھ فھو فی المعد للشرب بدلیل اٰخرہ وصدرہ اختلفوا فی التوضی بماء السقایۃ جوزہ بعضھم وقال بعضھم ان کان الماء کثیرا یجوز والا فلا وکذا کل ماء اعد للشرب حتی قالوا فی الحیاض التی اعد للشرب لا یجوز فیہ التوضی ویمنع منہ وھو الصحیح ویجوز ان یحمل[1] الخ بناء علی ان الذی یعد للشرب لا یمنع منہ مخدرات الحجال وبالجملۃ لا شك ان المبنی العرف فان علمنا ان المسبل للشرب خص بہ الواردین ولا یرضی بحملہ الی البیوت لم یجز ذلك قطعا بل لو علم خصوص فی المارۃ لم یجز لغیرھم من الواردین کما یفعلہ بعض الجھلۃ فی عشرۃ المحرم بسبل

پھر خانیہ اور ہندیہ کے کتاب الشرب میں ہے کہ اگر کوئی شخص سقایہ کا پانی اپنے گھر بیوی بچّوں کو پلانے کے لیے لے جائے تو جائز ہے اھ تو اس سے مراد وہ پانی ہے جو خاص پینے ہی کے لیے رکھا گیا ہو، عبارت کا اول وآخر یہی بتاتا ہے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ "سقایہ" کے پانی سے وضو جائز ہے یا نہیں۔ بعض نے جواز کا قول کیا، اور بعض نے کہا کہ اگر پانی زائد ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور یہی حکم ہر اُس پانی کے لیے ہے جو پینے کے لیے رکھا گیا ہو، یہاں تک فقہائے اُس حوض کی بابت بھی یہی فرمایا ہے جو پینے کے لیے بنایا گیا ہو کہ اُس میں وضو جائز نہیں، اور اگر کوئی کرے تو اس کو منع کیا جائیگا، اور یہی صحیح ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ وہ پانی گھر لے جائے الخ اسکی بنیاد یہ ہے کہ جو پانی پینے کیلئے رکھا جائے اس سے پردہ نشینوں کو محروم نہ رکھا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ اصل دارومدار عُرف پر ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ سبیل کا پانی پینے کے لیے ہے اور وہی لوگ اس سے

---

[1] ہندیۃ الباب الاول من کتاب الشرب پشاور ۵/۳۹۱

الماء او الشربة لمن مع الضريح المختلق بدعة محدثة يسمونها تعزية فلا يجوز شربه لغيرهم وان جعلوه لمن مع الضريح الفلانی لم یجز لاھل ضریح غیرہ واللّٰہ تعالٰی اعلم لاجرم ان قال فی متفرقات کراھیۃ البزازیۃ حمل ماء السقایۃ الٰی اھلہ ان ماذونا للحمل یجوز والا لا اھ۱ و ھذا عین ما قررت وللّٰہ الحمد۔

استفادہ کرسکیں گے جو اس پر وارد ہوں تو ایسے پانی کو گھر نہیں لے جایا جاسکتا ہے بلکہ اگر بطور خاص گزرنے والوں کے لیے ہے تو دوسرے وارد ہونے والوں کو اُس کا استعمال جائز نہ ہوگا، چنانچہ بعض جاہل محرّم کے عشرہ میں پانی یا دُودھ کی سبیل تعزیہ کے ساتھ گزرنے والوں کے لیے بطور خاص لگاتے ہیں، یہ بدعت محدثہ ہے، اس کا استعمال دوسروں کو جائز نہیں بلکہ اگر ایک تعزیہ کے لیے جائز ہے تو دوسرے تعزیہ کے شرکاء کو اس کا استعمال جائز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ بزازیہ میں ہے (متفرقات کراہیۃ میں) سقایہ کا پانی گھر والوں کے لیے لے جانا اگر اُس کی اجازت ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں اھ اور یہ بعینہٖ وہی ہے جو میں نے کہا تو خدا کو حمد۔ (ت)

(۳۱) سفر میں طہارت کو پانی پاس ہے مگر اس سے طہارت کرتا ہے تو اب یا بعد کو یہ یا اور کوئی مسلمان یا اُس کا جانور اگرچہ وہ کُتّا جس کا پالنا جائز ہے پیاسا رہ جائے گا یا آٹا گوندھنے یا اتنی نجاست پاک کرنے کو جس سے مانع نماز نہ رہے پانی نہ ملے گا تو ان صورتوں میں اُس پانی سے طہارت اگرچہ ہو جائے گی منع ہے بلکہ اپنے یا دُوسرے مسلمان کے ہلاک کا خوف غالب ہو تو سخت حرام ہے ان سب صور میں تیمم کرے اور پانی محفوظ رکھے ہاں جانور کی پیاس کے لیے اگر وضو یا غسل کا پانی کسی برتن میں رکھ سکتا ہے تو طہارت فرض ہے اور تیمم باطل۔

اقول یوں ہی اگر طہارت اس طرح ممکن ہو کہ پانی مستعمل نہ ہونے پائے جس کا طریقہ پرنالے وغیرہ میں وضو کرنے کا ہم نے رحب الساحۃ میں بیان کیا تو اعذار مذکورہ سے کوئی عذر مبیح تیمم نہ ہوگا اور طہارت فرض ہوگی کما لایخفی۔ بحر الرائق و دُرمختار میں ہے:

والنظم للدر (من عجز عن استعمال الماء لخوف عدو او عطش) ولو لکلبہ او رفیق القافلۃ حالا او مآلا وکذا العجین او ازالۃ نجس وقید ابن الکمال عطش

عبارت دُر کی ہے (جو شخص بوجہ خوفِ دشمن یا پیاس پانی کے استعمال سے عاجز ہو) خواہ اپنے کُتّے یا رفیق قافلہ کے لیے، اب یا آئندہ، اور اسی طرح آٹا گوندھنے کے لیے یا نجاست دور کرنے کے لیے، اور

لہ بزازیۃ مع الہندیۃ التاسع فی المتفرقات من الکراہیۃ پشاور ۶/۳۷۲

دوابه بتعذر حفظ الغسالة لعدم الاناء (تیمم)۔

ابن الکمال نے یہ قید لگائی کہ اس کے جانور پیاسے رہ جائیں گے کہ برتن نہ ہونے کی وجہ سے وہ دھوون کو محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے (تو ایسی صورتوں میں وہ تیمم کرے)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولو لكلبه قيده فى البحر والنهر بكلب الماشية والصيد ومفاده انه لولم يكن كذلك لايعطى هذا الحكم والظاهر ان كلب الحراسة للمنزل مثلهما ط قوله او رفيق القافلة سواء كان رفيقه المخالط له او آخر من اهل القافلة بحر او عطش دابة رفيقه كعطش دابته نوح قوله حالا او مالا ظرف لعطش او له ولرفيق على التنازع كما قال ح اى الرفيق فى الحال او من سيحدث له قال سيدى عبد الغنى فمن عنده ماء كثير فى طريق الحاج او غيره وفى الركب من يحتاج اليه من الفقراء يجوز له التيمم بل ربما يقال اذا تحقق احتياجهم يجب بذله اليهم لاحياء مهجهم قوله وكذا العجين فلو احتاج اليه لاتخاذ المرقة لايتيمم لان حاجة الطبخ دون حاجة العطش بحر قوله او ازالة نجس اى اكثر من قدر الدرهم وفى الفيض لو معه مايغسل بعض النجاسة

اس کا قول اور اگرچہ اپنے کُتّے کے لیے، اس کتے کو بحر و نہر میں، اُس کُتّے سے مقید کیا گیا ہے جو مولیشی کی حفاظت یا شکار کے لیے رکھا گیا ہو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ اگر ایسا نہ ہو تو اس کا یہ حکم نہ ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ گھر کی حفاظت کے لیے جو کتا پالا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے ط، اسکا قول یا رفیقِ قافلہ کے لیے عام ازیں کہ وہ اس کا اپنا شریک رفیق ہو یا دوسرا ہو اہل قافلہ سے (بحر) اور اس کے ساتھی کی سواری کے پیاسا رہ جانے کا خطرہ ایسا ہی ہے جیسا کہ خود اس کی اپنی سواری کے پیاسا رہ جانے کا خطرہ ہے (نوح) اس کا قول حالاً او مآلاً، عطش کا ظرف ہے یا اس کا اور رفیق کا بر سبیل تنازع ہے جیسا کہ "ح" نے فرمایا یعنی رفیق فی الحال یا من سیحدث لہ، عبدالغنی نے فرمایا جس کے پاس حاجیوں وغیرہ کے راستے میں زائد پانی ہو، اور قافلہ میں کوئی فقیر پانی کا ضرورت مند ہو، تو اس کو تیمم جائز ہے، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر اُس پانی کی ضرورت واقعی اہلِ قافلہ کو ہو تو ان کی زندگیاں

الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۱

لایلزمہ اھ قلت وینبغی تقییدہ بما اذا لم تبلغ اقل من قدر الدرھم فاذا کان فی طرفی ثوبہ نجاسۃ وکان اذا غسل احد الطرفین بقی ما فی الطرف الاٰخر اقل من قدر الدرھم یلزمہ اھ[1]۔

بچانے کے لیے پانی صرف کرنا واجب ہے قولہ وکذا العجین، تو اگر کسی کو شوربہ بنانے کے لیے پانی کی ضرورت ہو تو تیمم جائز نہ ہوگا کیونکہ کھانا پکانے میں جو ضرورت ہے وہ پیاس سے کم ہے، بحر، قولہ اوازالۃ نجس' اس سے مراد وہ نجاست ہے جو ایک درہم سے زائد ہو، اور فیض میں ہے" اگر اس شخص کے پاس اتنا پانی موجود ہو کہ کچھ نجاست کو دھو لے گا تو دھونا لازم نہیں اھ میں کہتا ہوں اس میں یہ قید لگانی چاہیے کہ یہ نجاست درہم سے کم نہ ہو، تو اگر اس کے کپڑے کے دونوں جانب نجاست ہو، اور ایک طرف دھونے سے دوسری طرف باقی رہتی ہو، مگر ایک درہم سے کم رہتی ہے تو اس کا دھونا لازم ہے اھ (ت)

اقول ھھنا ابحاث الاول کلب حراسۃ المنزل مساو لکلب الماشیۃ بل اولی ولکلب الصید ان کان الحاجۃ الیہ للاکل فان المال شقیق النفس والا فاولٰی وعلی کل ھو ثابت منھما بالفحوی فلیس ھذا محل الاستظھار ولذا عبرت بکلب یحل اقتناؤہ وفی الحدیث الصحیح الا کلب صید اوزرع اوماشیۃ[2] **الثانی** قید رفیق القافلۃ وفاق فربما تسایر قافلتان او اکثر ولا یعد من فی احدھما رفیق من فی الاخری والحکم لا یختص بمن فی قافلتہ فان احیاء مھجۃ المسلم فریضۃ علی الاطلاق فلذا غیرتہ وبمسلم عبرتہ۔

میں کہتا ہوں یہاں کئی بحثیں ہیں:

پہلی بحث: گھر کی حفاظت کے لیے جو کتا پالا گیا وہ ریوڑ کی حفاظت کے کتے کے برابر بلکہ اُس سے اولیٰ ہے، اسی طرح شکار کے کتے کی مانند ہے، جبکہ شکار کھانے کی ضرورت ہو کیونکہ مال جان کا ہم پلہ ہے ورنہ تو وہ اولیٰ ہے، اور بہرصورت یہ چیز دونوں کے منطوق سے ثابت ہے، اور یہ محل استظہار نہیں اور اس لئے میں نے کہا ہے، وہ کتا جس کا پالنا جائز ہو، اور حدیث صحیح میں ہے مگر شکار، کھیتی یا جانوروں کا کتا۔

دوسری بحث: "رفیق قافلہ" کی قید اتفاقی ہے کیونکہ عام طور پر دو یا دو سے زیادہ قافلے چلتے ہیں اور ایک قافلے کا آدمی دوسرے کا رفیق شمار نہیں ہوتا، اور یہ حکم اس کے ساتھ خاص نہیں جو اُس کے قافلہ

---

[1] ردالمحتار باب التیمم البابی مصر ۱/۱۷۳

[2] صحیح لمسلم باب الامر بقتل الکلاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۱

میں ہو، کیونکہ مسلمان کی جان بچانا علی الاطلاق فرض ہے اس لیے اس کو بدل کر وبمسلم کر دیا۔ (ت)

اقول ف۱ ویدخل فی الحکم الذمی فیما یظهر فان لهم مالنا وعلیهم ماعلینا نعم الحربی لاحرمة لروحه بل امرنا بافنائه فکیف یلزمنا السعی فی ابقائه ولذا ف۲ صرحوا ان لو وجد فی بریة کلبا وحربیا یموتان عطشا ومعه ماء یکفی لاحدهما یسقی الکلب ویخلی الحربی یموت ومن ف۳ الحربیین کل رجل یدعی الاسلام وینکر شیئا من ضروریات الدین لان المرتد حربی کما نصوا علیه وهم مرتدون کما حققناه فی المقالة المسفرة عن حکم البدعة المکفرة ۱۲۹۹ھ۔

میں کہتا ہوں، بظاہر اس میں ذمی بھی شامل ہے، کیونکہ جو حقوق ہمارے لیے ہیں وہی ذمیوں کے لیے بھی ہیں، اور جو فرائض ہم پر ہیں وہ ذمیوں پر بھی ہیں، ہاں حربی کی جان کی کوئی حرمت نہیں ہے، بلکہ ہمیں اُس کے فنا کردینے کا حکم ہے، تو ہم پر اس کی زندگی بچانے کی سعی کیونکر لازم ہوگی؟ اس لیے فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر کسی جنگل میں ایک کتا اور ایک حربی ملے اور دونوں پیاس سے مر رہے ہیں اور اس کے پاس صرف اتنا پانی ہو کہ ایک بچ سکتا ہو تو کتے کو پلادے اور حربی کو مرنے کے لیے چھوڑ دے، اور جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہو وہ حربی ہے، کیونکہ فقہاء کی تصریح کے مطابق مرتد حربی ہے، اور یہ سب حربی ہیں ہم نے اس کی تصریح المقالة المسفرة عن حکم البدعة المکفرة میں کردی ہے۔

الثالث التیمم لعطش رفیق یحدث یجب تقییده بما اذا تیقن لحوقه وانه لاماء معه والا فلا یجوز التیمم للتوهم۔ الرابع ف۴ تحقق الاحتیاج بمعنی ثبوته عینا لایتوقف علیه وجوب البذل الاتری الی قولهم لخوف عطش وبمعنی ثبوته ذهنا ان ارید به الیقین فکذا ف۵ فان الظن الغالب ملتحق به فی الفقه او مایشمله فلا محل للترقی اذ علیه یدور الحکم والظن المجرد مثل الوهم۔ الخامس ف۶ حاجة الطبخ لیست دون حاجة العطش اذ الحیٰوة بالاکل

تیسری بحث: کسی دوست کی پیاس کے لئے تیمم کرنا جس کی ملاقات متوقع ہو، اس میں یہ قید لگانا ضروری ہے کہ اس دوست کا قافلے کے ساتھ ملنا یقینی ہو، اور اس کے پاس پانی نہ ہو، ورنہ محض وہم کی بنیاد پر تیمم جائز نہیں۔

چوتھی بحث: ضرورت کا یہ مفہوم لینا کہ وہ ضرورت محسوس طور پر موجود ہو، درست نہیں، اور نہ ہی اس پر پانی کا خرچ کرنا موقوف ہے، چنانچہ فقہاء کا قول ہے "لخوف عطش" اور اس کا ذہناً ثابت ہونا، اگر اس سے یقین مراد ہو تو ایسا ہی ہے، کیونکہ فقہ میں ظن غالب کا حکم وہی ہے جو یقین کا ہے یا جو یقین کو

الا بالطبخ الاترى ان حاجة العجن ساوت حاجة العطش لان عامة الناس لایمکنهم التعیش باستفاف الدقیق فما العجن الا للخبز وماهو الامن الطبخ فالاولی ان یقال ان حاجة المرقة دون حاجة العطش السادس قید الزیادة علی درهم مساحة اومثقال نرنة فی النجاسة الغلیظة اما الخفیفة فمقدرة بالربع فلذا عبرت بالقدر المانع السابع ما بحث السید ش فی تقلیل النجاسة حسن وجیه فلذا عبرت بما لایبقیها مانعة۔

شامل ہو، تو ترقی کا کوئی محل نہیں، کیونکہ حکم کا دارومدار اسی پر ہے اور محض ظن تو وہم کے حکم میں ہے۔

پانچویں بحث: پکانے کی حاجت پیاس کی حاجت سے کم نہیں جبکہ وہ چیز بلا پکائے نہ کھائی جاسکتی ہو، مثلاً آٹا گوندھنا پیاس کے برابر ہے، کیونکہ عام لوگ آٹا پھانک کر زندہ نہیں رہ سکتے ہیں، تو آٹا گوندھنا روٹی پکانے کے لیے ہے اور یہ بھی پکانے کا ایک حصہ ہے تو اولٰی یہ ہے کہ کہا جائے کہ شوربہ کی ضرورت پیاس کی ضرورت سے کم ہے۔

چھٹی بحث: ایک درہم سے زیادہ ہونے کی قید پیمائش میں اور ایک مثقال سے زیادہ کی قید وزن میں، نجاست غلیظہ میں ہے اور خفیفہ میں اس کی تقدیر چوتھائی سے ہے اسی لیے میں نے یہ تعبیر کی ہے کہ "جس سے مانع نماز نہ رہے"۔

ساتویں بحث: سید محشی نے نجاست کی کمی میں جو بحث کی ہے وہ بہت اچھی ہے اس لیے میں نے اس کی تعبیر "مالایبقیها مانعة" سے کی ہے۔ (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

(رسالہ ضمنیہ) عطاء النبی لافاضة احکام ماء الصبی[۱۳]

(بچّے کے حاصل کردہ پانی کے احکام کے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ)

(۳۲ تا ۴۸) نابالغ کا بھرا ہوا پانی یہ مسئلہ بہت طویل الذیل وکثیر الشقوق ہے کتابوں میں اس کی تفصیل تام درکنار بہت صورتوں کا ذکر بھی نہیں فقیر توفیق القدیر اُمید کرتا ہے کہ اُس میں کلام شافی وکافی ذکر کرے فاقول وباللہ التوفیق پانی تین قسم ہیں (۱) مباح غیر مملوک (۲) مملوک غیر مباح (۳) مباح مملوک

اوّل دریاؤں نہروں کے پانی تالابوں جھیلوں ڈبروں کے برساتی پانی مملوک کنوئیں کا پانی کہ وہ بھی جب تک بھرا نہ جائے کسی کی ملک نہیں ہوتا جس کی تحقیق ابھی گزری مساجد وغیرہا کے حوضوں سقایوں کا پانی کہ مالِ وقف سے بھرا گیا اس کا بیان بھی گزرا یہ سب پانی مباح ہیں اور کسی کی ملک نہیں۔

دوم برتنوں کا پانی کہ آدمی نے اپنے گھر کے خرچ کو بھرایا بھروا کر رکھا وہ خاص اس کی ملک ہے اس کی

اجازت کے کسی کو اس میں تصرف جائز نہیں۔

سوم سبیل یا سقایہ کا پانی کہ کسی نے خود بھرا یا اپنے مال سے بھروایا بہر حال اس کی ملک ہوا اور اس نے لوگوں کے لیے اس کا استعمال مباح کر دیا وہ بعد اباحت بھی اُسی کی ملک رہتا ہے یہ پانی مملوک بھی ہے اور مباح بھی۔ ظاہر ہے کہ قسم اخیر کا پانی بالغ بھرے یا نابالغ کچھ تفاوت احکام نہ ہوگا کہ لینے والا اس کا مالک ہی نہیں ہوتا یوں ہی قسم دوم میں جبکہ مالک نے اسے بطور اباحت دیا ہاں اگر مالک کیا تو اب فرق احکام آئے گا اور اگر بے اجازت مالک لیا یا دونوں قسم اخیر میں مالک بوجہ صغر یا جنون اجازت دینے کے قابل نہ تھا تو وہ آب مغصوب ہے زیادہ تفصیل طلب اور یہاں مقصود بالبحث قسم اول ہے اس کے لیے **تنقیح اول** ان اصول پر نظر لازم جو اموال مباحہ جیسے آبِ مذکور یا جنگل کی خود رو گھاس پیڑ پھل پھول وغیرہا پر حصول ملک کے لیے ہیں کتب میں اس کے جزئیات متفرق طور پر مذکور ہوئے جن سے نظر حاضر ایک ضابطہ تک پہنچنے کی امید رکھتی ہے واللہ الہادی۔

فاقول وبہ استعین یہ تو ظاہر ہے کہ مباح چیز احراز و استیلا سے ملک ہو جاتی ہے اول بار جس کا ہاتھ اُس پر پہنچا اور اس نے اپنے قبضے میں کر لیا اُسی کی ملک ہو جائیگی مگر یہ قبضہ کبھی دوسرے کی طرف منتقل ہوتا اور اُس کا قبضہ ٹھہرتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ مال مباح کا لینے والا دو حال سے خالی نہیں اُس شے کو اپنے لیے لے گا یا دوسرے کے لیے برتقدیر ثانی بطور خود یا اس کے کہے سے برتقدیر ثانی بلا معاوضہ یا باجر برتقدیر ثانی اُس دوسرے کا اجیر مطلق ہے جیسے خدمت گار یا خاص اسی مباح کی تحصیل کے لیے اجیر کیا برتقدیر ثانی اجارہ وقت معین پر ہوا مثلاً آج صبح سے دوپہر تک یا بلا تعین برتقدیر ثانی وہ شے مباح متعین کر دی تھی۔ مثلاً یہ خاص درخت یا یہاں سے یہاں تک کے یہ دس پیڑ یا اس قطعہ مخصوصہ کا سبزہ یا اس حوض کا سارا پانی یا یہ تعیین بھی نہ تھی برتقدیر ثانی اجیر قبول کرتا ہے کہ یہ شے میں نے مستاجر کے لیے لی یا نہیں برتقدیر ثانی اگر اس شے کا احراز مثلاً کسی ظرف میں ہوتا ہو تو وہ ظرف مستاجر کا تھا یا نہیں یہ نو صورتیں ہوئیں۔ ان میں صورت اولیٰ میں تو ظاہر ہے کہ وہ شے اُسی قبضہ کرنے والے کی ملک ہوگی دوسرے کو اس سے علاقہ ہی نہیں، یوں ہی صورت دوم میں بھی کہ شرع مطہر نے سبب ملک استیلا رکھا ہے وہ اس کا ہے دوسرے کے لیے محض نیت اس ملک کو منتقل نہ کرے گی۔ فتح القدیر میں ہے:

لوقیل علیہ ھذا اذا استولی علیہ بقصدہ لنفسہ فاما اذا قصد ذلک لغیرہ فلم لایکون للغیر یجاب بان اطلاق نحو قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الناس

اگر اس پر کہا جائے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس پر استیلا کیا اور قصداً اپنے نفس کے لیے کیا، اور اگر کسی دوسرے کے لیے اس کا ارادہ کیا، تو یہ غیر کے لیے کیوں نہ ہوگا، اس کا یہ جواب ہے کہ حضور

شرکاء فی ثلاث لایفرق بین قصد وقصد اھ[1] وکتبت علیہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں" ایک قصد اور دوسرے قصد میں فرق نہیں کرتا ہے اھ اس پر میں نے لکھا ہے کہ

اقول الاحراز سبب الملک وقد تم لہ فملک ولاینتقل لغیرہ بمجرد القصد کمن شری غیر مضاف الی زید ونیتہ انہ یشتریہ لزید لم یکن لزید۔

میں کہتا ہوں حاصل کرلینا اسبابِ ملک میں سے ہے اور ملک اس کے لیے تام ہوچکی ہے اور وُہ مالک ہوگیا اور یہ ملک دوسرے کی طرف محض قصد کی وجہ سے منتقل نہ ہوگی، جیسے کوئی شخص کوئی چیز خریدے اور اس کو زید کی طرف مضاف نہ کرے اور نیت یہ ہو کہ وُہ زید کے لیے ہے، تو وہ زید کے لیے نہ ہوگی۔ (ت)

اسی طرح صورتِ سوم میں بھی کہ تحصیل مباح کے لیے دوسرے کو اپنا نائب ووکیل وخادم ومعین بنانا باطل ہے درمختار کتاب الشرکۃ فصل شرکت فاسدہ میں ہے:

التوکیل فی اخذ المباح لایصح[2]۔

مباح چیز کو لانے کے لیے کسی کو وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ (ت)

جامع الصغار فصل کراہیت میں ہے:

الاستخدام فی الاعیان المباحۃ باطل[3]۔

اعیان مباحہ میں استخدام باطل ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

الشرع جعل سبب ملک المباح سبق الید الیہ فاذا وکلہ بہ فاستولی علیہ سبق ملکہ لہ ملک الموکل[4]۔

شریعت نے مباح اشیاء میں ملک کا سبب سبقت ید کو بتایا ہے، توجب کسی نے اس پر کسی کو وکیل بنایا اور اس نے اس پر استیلاء حاصل کرلیا موکل کی ملک اس پر ثابت ہوجائیگی تو وکیل مالک ہوجائیگا۔ (ت)

ہندیہ اجارات باب ۱۶ میں قنیہ سے ہے:

---

[1] فتح القدیر فصل فی شرکۃ فاسدہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۱۰
[2] الدرالمختار شرکۃ فاسدہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۴
[3] جامع احکام الصغار مع جامع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۷
[4] فتح القدیر فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ سکھر ۵/ ۲۱۰

قال نصير (هو ابن يحيى) قلت (اى
للامام ابى سليمٰن الجوزجانى رحمهما الله
تعالٰى) فان استعان بانسان يحتطب يصطاد
له (اى من دون اجر) قال الحطب والصيد
للعامل وكذا ضربة القانص قال استاذنا
(وهو البديع استاذ الزاهدى) وينبغى
ان يحفظ هذا فقد ابتلى به العامة و
الخاصة ليستعينون بالناس فى الاحتطاب
الاحتشاش وقطع الشوك والحاج[1] واتخاذ
المجمدة فيثبت الملك للاعوان فيها ولا
يعلم الكل بها فينفقونها قبل الاستيهاب
بطريقه او الاذن فيجب عليهم مثلها او
قيمتها وهم لا يشعرون لجهلهم وغفلتهم
اعاذنا الله عن الجهل ووفقنا للعلم

نصیر (ابن یحیٰی نے) کہا، میں نے کہا (یعنی
امام ابوسلیمان الجوزجانی کو) اگر کسی شخص نے لکڑیاں جمع
کرنے یا شکار کرنے کے لیے دوسرے شخص کی مدد
حاصل کی (یعنی بلا اجر) فرمایا اس صورت میں لکڑیاں
اور شکار اُسی کا ہے جس نے کیا ہو، اور اسی طرح
شکاری کا ایک مرتبہ جال ڈال کر شکار نکالنا، ہمارے
استاذ نے فرمایا (یعنی بدیع استاذ الزاہدی) اور
اِسے یاد کرلینا چاہیے کیونکہ اس میں ہر عام وخاص
مبتلا ہے، لوگ دوسروں سے لکڑیاں جمع کرانے کانٹے
اکٹھے کرانے اور گھاس جمع کرانے میں مدد لیتے ہیں،
اسی طرح ایک قسم کا درخت منگواتے ہیں یا آسمانی
برف جمع کراتے ہیں، تو جو لوگ عملاً یہ کام کرتے ہیں ان
پر انہی لوگوں کی ملک ثابت ہوجائے گی، لوگ یہ
مسئلہ نہیں جانتے، وہ ان لوگوں سے نہ تو اجازت

---

[1] الحاج باهمال اوله واعجام آخره
جمع حاجة وهى الشوك وقيل نبت من
الحمض وقال ابن سيده ضرب من
الشوك وقيل شجر وقال ابو حنيفة الدينورى
الحاج مما تدوم خضرته وتذهب
عروقه فى الارض بعيدا ويتداوى
بطبيخه وله ورق دقاق طوال كانه
مساو للشوك فى الكثرة اھ من تاج
العروس ۱۲ منه غفرله۔ (م)

الحاج، حاءِ مہملہ اور جیم کے ساتھ، جمع حاجہ
کی ہے، کانٹوں کو کہتے ہیں، ایک قول کے مطابق
ترش گھاس ہے۔ ابن سیدہ کے مطابق کانٹوں
کی ایک قسم ہے۔ ایک قول کے مطابق درخت ہے۔
اور ابوحنیفہ الدینوری نے فرمایا یہ ایسا درخت ہے
جو سدابہار رہتا ہے اور اُس کی جڑیں زمین میں
دور تک چلی جاتی ہیں اس کو ابال کر دوا کے کام میں
لایا جاتا ہے، اس کے پتے باریک اور لمبے ہوتے
ہیں اور کانٹوں کی طرح زیادہ ہوتے ہیں اھ تاج
العروس ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

والعمل[1] اھ

لیتے ہیں اور نہ ہی بطور ہبہ لیتے ہیں اور ان اشیاء کو خرچ کر بیٹھتے ہیں، تو ان پر ان کا مثل واجب ہوگا یا قیمت لازم آئے گی، ان کو جہالت کی وجہ سے اس کا علم نہیں، اللہ ہمیں جہل سے محفوظ رکھے اور ہمیں علم وعمل کی توفیق دے (آمین) اھ (ت)

اقول وقوله لایعلم الکل بھا اشارۃ الی الجواب عن سؤال وھم انھم اذا اتوا به الی المستعین واعطوہ واخذ کان ھبۃ بالتعاطی فاجاب بانه ھذا یکون لوعلموا ان الملك قد ثبت للاعوان فیکون الاعطاء والاخذ ایجاب الھبۃ وقبولھا لکنھم جمیعا عنه غافلون وانما یحسبون المعونۃ فی کفایۃ المؤنۃ کمن ارسل احدا الی دارہ لیحمل منھا کرسیا مثلا یاتیه به۔

میں کہتا ہوں اس کا قول "لایعلم الکل بھا" ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کارندے ان اشیاء کو اُس شخص کے پاس لے آئیں جس نے ان کو جمع کرنے کا حکم دیا ہے تو وہ اسکو دے دیں اور یہ حاصل کرلے تو گویا انکی طرف سے دینا شمار ہوگا اور اسکی طرف سے لینا ہوگا، اور یہ ہبہ کا ایجاب وقبول شمار ہوگا تو اس کا جواب دیا کہ یہ اس وقت ہے کہ جب انہیں علم ہو کہ اعوان کے لیے ملک ثابت ہے تو یہ دینا لینا ہبہ کا ایجاب قبول ہوگا لیکن وہ سب کے سب اس سے غافل ہیں، اور وہ مدد کفایت مؤنت میں سمجھتے ہیں مثلاً کسی شخص نے ایک آدمی کو گھر میں بھیجا کہ وہاں سے کرسی اٹھالائے۔ (ت)

اقول ھو کما قال لکن الاذن ثابت لاشك وھم انما یشوون الاخذ له ولایؤدونه الیه الا لیتصرف فیه ولا غصب منه حتی یجب الضمان۔

میں کہتا ہوں وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ انھوں نے فرمایا لیکن اذن بلاشبہ ثابت ہے اور ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ وہ اُس شخص کے لیے لیں، اور اس کو دیتے بھی اس لیے ہیں کہ وہ اُس میں تصرف کرے، وہ غصب تو نہیں کررہا ہے کہ ضمان واجب ہو۔ (ت)

فان قلت لا یحسبون انفسھم ملاکه وھو یاخذہ بجعل نفسه کانه ھو المستولی علیه بدء فیتصرف فیه علی انه ملکه فلم یتحقق الاذن لانھم لایدرون انه لھم ویجعلھم یصیرله حتی یأذنوا له فی التصرف وانما یظن ویظنون انه

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو ان اشیاء کا مالک نہیں سمجھتے ہیں، اور وہ شخص ان چیزوں پر اس طرح قابض ہوتا ہے گویا وہ ان چیزوں کا پہلا مالک ہے، اور اس طرح تصرف کرتا ہے گویا وہ ان چیزوں کا مالک ہو تو ایسی صورت میں اذن متحقق نہ ہوگا کیونکہ ان کو تو پتا ہی نہیں کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/۴۵۱

المالك له ولاعبرة بالظن البين خطؤه کمن حسب ان الشیئ الفلانی من ودائع زید عند ابیه فاداه الی وارثیه فتصرفوا ثم تبین انه لابیه لالزید فان له ان یرجع علیهم به قائما اوبضمانه هالکا فی العقود الدریة من کتاب الشرکة من دفع شیئا لیس بواجب علیه فله استردادہ الا اذا دفعه علی وجه الھبة واستھلکه القابض کما فی شرح النظم الوھبانی وغیرہ من المعتبرات[1] اھ وفیھا وفی الخیریة من کتاب الوقف قد صرحوا بان من ظن ان علیه دینا فبان خلافه یرجع بما ادی ولوکان قد استھلکه رجع ببدله[2] اھ

یہ چیز ان کی ملکیت میں ہے اور اُس کی مِلک میں اُسی وقت ہوگی جب وہ اِذن دیں، اور اِس صورت میں اس کو گمان ہے کہ وُہ مالک ہے اور ان کو بھی گمان ہے کہ وہی مالک ہے، اور جس گمان کا خطا ہونا ظاہر ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں، مثلاً کوئی شخص یہ گمان کر بیٹھے کہ فلاں چیز زید کی امانتوں میں سے اس کے باپ کے پاس ہے اور اس گمان پر وہ یہ چیز زید کے وارثوں کو دے دیتا ہے اور وہ اس میں تصرف کرلیتے ہیں پھر بعد میں اس کو پتا چلتا ہے کہ وُہ چیز تو اس کے باپ ہی کی ہے زید کی نہیں ہے، تو اگر وُہ چیز موجود ہو تو وہ ان سے واپس لے سکتا ہے اور اگر ہلاک ہوگئی ہے تو اس کا ضمان لے سکتا ہے، العقود الدریہ کے کتاب الشرکۃ میں ہے کہ جس نے کوئی ایسی چیز دی جو اُس پر واجب نہ تھی تو وہ اس کو واپس لے سکتا ہے، ہاں اگر بطور ہبہ دی ہو اور اس کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی ہو تو واپس نہیں لے سکتا ہے، یہی چیز شرح نظم وہبانی وغیرہ معتبر کتب میں ہے اھ اور اسی میں الخیریہ کے کتاب الوقف کے حوالہ سے ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ گمان کیا کہ اُس پر دین ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ غلط ہے، تو جو دیا ہے وہ واپس لے گا، اور اگر وہ ہلاک ہوگیا ہو تو اس کا بدل لے گا اھ (ت)

اقول ھذا فیما لو علم انه لیس لھم فوع الیه لم یدفع الیه اما ھنا فانما یأتون به له ولوعلموا ان الملك یقع لھم لم یتخلفوا عن اعطائه له فرضاھم بتصرفه فیه ثابت علی کل تقدیر ولھذا لم یکترث

میں کہتا ہُوں یہ اُس صورت میں ہے جبکہ اس کو یہ علم ہوا ہو کہ یہ مدفوع الیہ کے لیے نہ تھا تو اُس کو نہ دے گا، اور یہاں تو وُہ اُسی کے لیے لاتے ہیں اور اگر ان کو یہ علم ہو کہ مِلک اُن کے لیے واقع ہوگی تو اس کے دینے سے تخلف نہ کریں گے، تو

---

[1] العقود الدریة کتاب الشرکة قندھار افغانستان ۱/ ۹۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف بیروت ۱/ ۱۳۰

یہ الخاصۃ فضلا عن العامۃ کما اعترف بہ فلا وجہ لنسبتھم الی الجھل و الغفلۃ واقامۃ النکیر ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللطیف الخبیر۔

اُن کا اُس کے تصرف پر راضی ہونا بہر تقدیر ثابت ہے اور اس لیے خاص لوگ بھی اس کی پروا نہیں کرتے چہ جائیکہ عام لوگ، جیسا کہ خود انہوں نے اعتراف کیا، تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو جہل، غفلت کی طرف منسوب کیا جائے یا انہیں نکیر کی جائے ہذا ما عندی الخ (ت)

تنبیہ اقول یہ بلامعاوضہ[1] تین صورتوں کو شامل ہے:

ایک یہ کہ وہ اس کا اجیر ہی نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ اس کا اجیر تو ہے مگر اس کام پر نہیں کسی اور خاص کام پر ہے تو یہ بلا معاوضہ ہی ہوا۔

تیسرے یہ کہ مطلق کام خدمت پر نوکر ہے جس میں یہ کام بھی داخل مگر نوکری کے غیر وقت میں اُس سے اس کام کے لیے کہا مثلاً دن کا نوکر ہے اُس سے رات کو پانی بھروایا کہ یہ وقت بھی بلا معاوضہ ہے ولہذا ہم نے ان صورتوں کو تشقیق میں نہ لیا۔

صورت چہارم میں وہ مباح آقا کی ملک ہوگا یعنی جب کہ اُس کی نوکری کے وقت میں یہ کام لیا ورنہ صورت سوم میں داخل ہے کما مر اس صورت میں ملک آقا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نوکری کے وقت میں نوکر کے منافع اُس کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں اور اُس کا اُس کے حکم سے قبضہ بعینہٖ اُس کا قبضہ ہے۔ ہدایہ[2] میں ہے:

(الاجیر الخاص الذی یستحق الاجرۃ بتسلیم نفسہ فی المدۃ وان لم یعمل کمن استؤجر شھرا للخدمۃ او لرعی الغنم) وانما سمی اجیر وحد لانہ لایمکنہ ان یعمل لغیرہ لان منافعہ فی المدۃ صارت مستحقۃ لہ والاجر مقابل بالمنافع ولھذا یبقی الاجر مستحقا وان نقض العمل (لاضمان علی ما تلف من عملہ) لان المنافع متی صارت مملوکۃ للمستأجر فاذا امرہ بالتصرف فی ملکہ صح ویصیر نائبا منابہ فیصیر فعلہ منقولا الیہ

وہ خاص اجیر جو اجرت کا مستحق ہوتا ہے کہ ایک مدت کے لیے اپنے آپ کو سپرد کر دے خواہ کام نہ کرے (مثلاً کسی شخص کو ایک ماہ کے لیے خدمت یا بکریاں چرانے کے لیے اجرت پر لیا) اسکو اجیر وحد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دوسرے کا کام نہیں کر سکتا ہے کیونکہ اس مدت میں اس کے منافع سب اس کے لیے مخصوص ہوگئے ہیں اور اجر منافع کے مقابل ہوتا ہے اس لیے اجیر مستحق رہتا ہے اگرچہ کام ختم ہو جائے (اس کے عمل سے اگر کوئی چیز تلف ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں) کیونکہ منافع جب مستاجر کی ملک ہوگئے تو اب جب اُس نے اپنی ملک میں تصرف کا حکم دیا تو صحیح ہوگیا، اور وہ

کأنه فعله بنفسه فلهذا لایضمنه[1]۔ اس کا قائم مقام ہوگا اور اس کا فعل اس کی طرف منقول ہوگا گویا یہ فعل اس نے خود کیا ہے، اس لیے وہ اس کا ضامن نہ ہوگا۔ (ت)

یوں ہی صورت پنجم میں اور اجیر اجر مقرر کا مستحق ہوگا کہ یہ اجارہ صحیحہ ہے اور صورت ششم میں بھی وہ شے مباح ملک مستاجر ہوگی مگر اجیر اجر مثل پائے گا جو مسمّٰے سے زاید نہ ہو کہ یہ اجارہ فاسدہ ہے۔

اقول ویظہر لی ان الوجه فیه و الله تعالٰی اعلم ان الاجارۃ اما علی العمل اعنی التصرف فی شیئ من النقل والحمل والقطع والقلع وغیر ذلك وھو فی الاجیر المشترك والمقصود فیه حصول ذلك التصرف کیفما کان ولذا لم یتقید بعمل الاجیر نفسه و اما علی منافع الاجیر وھو فی الاجیر الخاص والاجارۃ فی المباحات لاتعقل علی الوجه الاول لانها لاتختص بالمستأجر ونسبتها الی الکل سواء فکیف یکون حصول تصرف فیها موجبا للاجر علی المستأجر بل انما الاجر مقابل فیها بمنافع الاجیر حیث یرید المستأجر ان یستعمله فی حاجته فلایکون الا اجیر وحد ولاتتقدر منافعه الابتعیین المدۃ فاذا لم تذکر بقی المعقود علیه مجھولا ففسدت ولذا لوکان الشیئ ملك المستأجر کان یقول اقطع شجرتی ھذہ بدرھم جاز کما یأتی والله تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں مجھے اس کی جو وجہ معلوم ہوتی ہے واللہ تعالٰی اعلم وہ یہ ہے کہ اجارہ یا تو عمل پر ہوگا یعنی کسی چیز میں تصرف کرنا، نقل وحمل، کاٹنے یا اکھاڑنے کے طور پر اور اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں، اور مقصود اس میں اس تصرف کا حاصل ہونا ہے خواہ کسی طرح ہو لہٰذا اس میں یہ قید نہیں کہ اجیر خود ہی عمل کرے اور یا اجارہ اجیر کے منافع پر ہوگا یہ اجیر خاص میں ہوتا ہے، اور مباح چیزوں میں پہلی صورت میں اجارہ متصور نہیں کیونکہ وہ مستاجر کے ساتھ مخصوص نہیں، اور سب کی طرف اس کی نسبت یکساں ہے، تو اس میں تصرف کا حصول مستاجر پر اجر کو کیونکر لازم کرے گا، بلکہ ان میں اجر اجیر کے منافع کے مقابل ہے کہ مستاجر چاہتا ہے کہ اس کو اپنی حاجت میں استعمال کرے، تو یہ اجیر وحد ہوگا، اور اس کے منافع کا اندازہ مدۃ کی تعیین وتحدید سے ہی ہوگا اور جب مدۃ کا ذکر نہیں کیا گیا تو معقود علیہ مجہول رہے گا اور اجارہ فاسد رہے گا، اور اسی لئے اگر کوئی چیز مستاجر کی ملک ہو، مثلاً مستاجر یہ کہے کہ میرا یہ درخت ایک درہم میں کاٹ دو تو جائز ہے جیسا کہ آئے گا، واللہ اعلم۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ باب ضمان الاجیر مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۳۰۸

فتاوٰی عالمگیریہ میں قنیہ سے ہے:

قال نصیر سألت ابا سلیمٰن عمن استأجرہ لیحتطب لہ الی اللیل قال ان سمی یوما جاز والحطب للمستأجر ولو قال ھذا الحطب فالاجارۃ فاسدۃ والحطب للمستأجر وعلیہ اجر مثلہ ولوکان الحطب الذی عینہ ملک المستأجر جاز[1]۔

نصیر نے فرمایا میں نے ابوسلیمان سے پوچھا کہ ایک شخص کسی مزدور سے معاہدہ کرے کہ وہ رات تک اس کے لیے لکڑیاں جمع کرے، تو فرمایا کہ اگر ایک دن کا نام لیا تو جائز ہے اور لکڑیاں مستاجر کی ہوں گی، اور اگر اشارہ کرکے کہا کہ یہ لکڑیاں تو اجارہ فاسد ہے اور لکڑیاں مستاجر کی ہیں اور اس پر اجرِ مثل ہے، اگر وہ لکڑیاں مستاجر کی ملک ہیں تو جائز ہے۔ (ت)

اقول والمراد اجر المثل بالغا ما بلغ ان لم یسم معینا والا فالاقل منہ و من المسمی کما ھو الاصل المعروف و لذا عولت علیہ وسیأتی التصریح بہ۔

میں کہتا ہوں مراد اجرِ مثل ہے خواہ جتنا بھی ہو اگر اس نے معین نہ کیا ہو ورنہ اجرِ مثل اور اجرِ معین سے جو کم ہو وہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ کلیہ معروف ہے، اس لیے میں نے اس پر اعتماد کیا اور اس کی تصریح بھی آجائے گی (ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(استأجرہ لیصید لہ اویحتطب لہ فان وقت) لذلک وقتا (جاز والا) فلو لم یوقت وعین الحطب فسد (الا اذ عین الحطب وھو) ای الحطب (ملکہ فیجوز) مجتبی وبہ یفتی صیرفیۃ اھ[2] قال العلامۃ ش قولہ والا ای والحطب للعامل ط قولہ فسد قال فی الھندیۃ ولو قال ھذا الحطب الی اٰخر ما نقلنا قال قولہ و بہ یفتی صیرفیۃ قال فیھا ان ذکر الیوم

(اس کو اس لیے مزدوری پر لیا کہ وہ اس کے لیے شکار کرے یا لکڑیاں چنے تو اگر اس کا وقت مقرر کیا تو جائز ہے ورنہ نہیں) اور اگر وقت مقرر نہ کیا، اور لکڑیاں مقرر کردیں تو یہ عقد فاسد ہے (ہاں اگر لکڑیاں متعین کردیں اور وہ لکڑیاں اسی کی ملک ہیں تو جائز ہے) مجتبٰی اسی پر فتوٰی ہے"صیرفیۃ اھ" علامہ ش نے فرمایا" اور اس کا قول "والا" یعنی لکڑیاں عامل کی ہوں گی ط ان کا قول" فسد" ہندیہ میں ہے ولو قال ھذا الحطب الی اٰخر

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر پشاور ۴/۴۵۱

[2] الدرالمختار اجارہ فاسدہ مجتبائی دہلی ۲/۱۸۰

فالعلف للاٰمر والا فللمامور وھذہ روایۃ الحاوی وبہ یفتی قال فی المنح وھذا یوافق ماقدمناہ عن المجتبٰی ومن ثم عولنا علیہ فی المختصر اھ[1]

جو ہم نے نقل کیا ہے فرمایا ان کا قول و بہ یفتی صیرفیہ اس میں ہے کہ اگر مستاجر نے دن کا ذکر کیا تو چارہ حکم دینے والے کے لیے ہوگا ورنہ اس کا ہوگا جس کو حکم دیا گیا، اور یہ حاوی کی روایت ہے اور اس پر فتوٰی ہے۔ منح میں ہے اور یہ اُس کے موافق ہے جو ہم مجتبٰی سے نقل کر آئے ہیں اور اس لیے ہم نے اس پر مختصر میں اعتماد کیا اھ (ت)

اقول ھھنا تنبیھان الاول کون

الحطب للعامل اذا لم یوقت علی ما فی الصیرفیۃ وتبع اطلاقھا الفاضلان ط وش محلہ مااذا لم یعین الحطب ایضا والاکان للاٰمر کما قدمنا عن الھندیۃ عن القنیۃ عن نصیر عن ابی سلیمٰن وقد نقلاہ ایضا واقراہ وفی غمز العیون استأجرہ لیصید لہ اولیحتطب جاز ان وقت بان قال ھذا الیوم او ھذا الشھر ویجب المسمی لان ھذا اجیر وحد وشرط صحتہ بیان الوقت وقد وجد وان لم یوقت ولکن عین الصید والحطب فالاجارۃ فاسدۃ لجھالۃ الوقت فیجب اجر المثل وما حصل یکون للمستأجر کذا فی الولوالجیۃ اھ[2] وفی خزانۃ المفتین رجل استأجر اجیرا لیخیط لہ الی اللیل بدرھم جاز وکذا لیصتاد لہ الی اللیل اولیحتطب

میں کہتا ہُوں یہاں دو تنبیہات ہیں :

پہلی تنبیہ : لکڑیوں کا عامل کے لیے ہونا جبکہ اس نے وقت کا تعین نہ کیا ہو، جیسا کہ صیرفیہ میں ہے، اور دو فاضلوں یعنی ط اور ش نے اس کے اطلاق کی متابعت کی ہے اس کا محل یہ ہے کہ جب لکڑیوں کا تعین بھی نہ کیا ہو ورنہ لکڑیاں آمر کی ہوں گی، جیسا کہ ہم نے ہندیہ اور قنیہ کے حوالے سے نقل کیا، یہ روایت نصیر کی ابوسلیمان سے ہے، اور اُن دونوں نے اس کو نقل کیا اور برقرار رکھا، اور غمز العیون میں ہے کسی شخص نے مزدور کو اُجرت پر لیا کہ اُس کے لیے شکار کرے یا لکڑیاں جمع کرے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس نے وقت کا تعین کر دیا ہو مثلاً یہ کہا ہو کہ اس دن یا اس ماہ میں، اور جو طے کیا ہو وہ واجب ہوگا کیونکہ یہ اجیر محض ہے، اور اس کی صحت کی شرط وقت کا بیان ہے جو پائی گئی ہے اور اگر وقت کا تعین نہ کیا ہو لیکن شکار اور لکڑیوں کا تعین کیا ہو تو اجارہ فاسدہ ہے کہ وقت کی جہالت ہے، تو اس صورت میں اجرِ مثل

---

[1] ردالمحتار اجارہ فاسدہ البابی مصر ۵/۴۳

[2] غمز العیون مع الاشباہ کتاب الاجارۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۵۶

جاز ویکون الحطب والصید للمستأجر ولوقال لیصطاد ھذا الصید اولیحتطب ھذا الحطب فھو اجارۃ فاسدۃ والحطب والصید للمستأجر وعلیہ للاجیر اجر المثل ولواستعان من انسان فی الاحتطاب والاصطیاد فان الصید والحطب یکون للعامل[1] اھ وفی الھندیۃ عن محیط السرخسی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی فیمن قال لغیرہ اقتل ھذا الذئب اوھذا الاسد ولک درھم والذئب اوالاسد صید فلہ اجر مثلہ لایجاوز بہ درھما والصید للمستأجر[2] اھ وبالجملۃ النقول فیہ مستفیضۃ فما کان ینبغی اطلاق کون الحطب للعامل عند عدم التوقیت لشمولہ صورۃ تعیین الحطب وقد ذکرھا الشارح تفریعا علیہ بل اشار الیھا الماتن ایضا کماتری والثانی وقع فی الھندیۃ عن القنیۃ قبل مانقلناہ متصلا بہ ما نصہ استأجر لیقطع لہ الیوم حاجا ففعل لاشیئ علیہ والحاج للمأمور قال نصیر سألت اباسلیمٰن[3] الخ وکتبت علیہ مانصہ۔

واجب ہوگا، اور جو حاصل ہوگا وہ مستأجر کو ملے گا کذا فی الولوالجیہ اھ اور خزانۃ المفتین میں ہے کہ کسی شخص نے ایک اجیر لیا کہ وہ رات تک اس کے لیے سلائی کرے اور ایک درہم لے، تو جائز ہے، یا رات تک شکار کرے یا لکڑیاں جمع کرے، اور یہ لکڑیاں اور شکار مستاجر کا ہوگا، اور اگر کہا کہ یہ شکار کرے یا یہ لکڑیاں اکٹھی کرے' تو اجارہ فاسد ہے، اور لکڑیاں اور شکار مستاجر کا ہوگا اور اس کے ذمہ اجیر کے لیے اجر مثل ہوگا' اور اگر کسی انسان سے لکڑیاں اکٹھی کرنے یا شکار میں مدد طلب کی تو شکار اور لکڑیاں عمل کرنے والے کی ہونگی اھ اور ہندیہ میں محیط السرخسی سے محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی سے کہا کہ یہ بھیڑیا ہلاک کردو یا یہ شیر اور تم کو ایک درہم ملے گا۔ تو بھیڑیا اور شیر شکار شمار ہوگا اور اُس کو اجر مثل ملے گا جو ایک درہم سے زائد نہ ہوگا' اور شکار مستاجر کا ہوگا اھ خلاصہ یہ کہ اس میں نقول مشہور ہیں تو وقت کی تعیین نہ ہونے کی صورت میں لکڑیوں کا مطلقاً عامل کے لئے قرار دینا درست نہیں، کیونکہ یہ لکڑیوں کے متعین کرنے کی صورت کو بھی شامل ہے، اور اس کو شارح نے اس کی تفریع کے طور پر ذکر کیا ہے، بلکہ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں ماتن نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے ـــــــ دُوسری تنبیہ: ہندیہ نے قنیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے

---

[1] خزانۃ المفتین

[2] ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

[3] ایضاً

کسی نے کوئی مزدور اس کام کے لئے لیا کہ وہ آج اُس کے لئے گھاس کاٹے گا اُس نے ایسا ہی کیا تو اس کے لیے کوئی اُجرت لازم نہیں، اور گھاس اُسی کی ہوجائے گی۔ نصیر نے کہا میں نے ابوسلیمان سے دریافت کیا۔ الخ (ت)

اقول انظر ما وجهه فانه اجير وحد و شرطه بيان المدة وقد وجد كما في الغمز و ش وقد قال عن ابی سلیمن بعده ان سمی یوما جاز و ذکر بعده باسطر عن محیط السرخسی لو استأجر لیصید له او لیغزل له او للخصومة او تقاضی الدین او قبض الدین لا یجوز فان فعل یجب اجر المثل ولو ذکر مدة یجوز فی جمیع ذلک اھ و یظهر لی فی تأویله ان لیس المراد بالیوم الوقت المعلوم الممتد الی غروب الشمس بل هو فیه بمعنی الظرفیة ای یقع القطع فی هذا الیوم فهو للاستعجال مثل خطه لی الیوم بدرهم فی الهدایة من استأجر رجلا لیخبز له هذه العشرة المخاتیم من الدقیق الیوم بدرهم فهو فاسد عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف و محمد رضی الله تعالٰی عنهم جاز لانه یجعل المعقود الیه عملا و ذکرا لوقت للاستعجال تصحیحا للعقد وله ان المعقود علیه مجهول لان ذکر الوقت یوجب کون المنفعة معقودا علیها و ذکر العمل یوجب کونه معقودا علیه

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض اجیر ہے، اور اس کی شرط بیان مدۃ ہے جو پائی گئی کما فی الغمز و ش، اور اس کے بعد ابوسلیمان سے کہا کہ اگر ایک دن کا کہا تو جائز ہے اور چند سطور بعد محیط سرخسی سے نقل کیا کہ اگر کسی کو اجرت پر لیا تاکہ اس کے لیے شکار کرے یا سوت کاتے یا اُس کی وکالت کرے یا قرض طلب کرے یا قرض وصول کرے تو جائز نہیں، تو اگر ایسا کیا تو اجر مثل واجب ہوگا اور اگر مدۃ کا ذکر کیا تو ان تمام صورتوں میں جائز ہے اھ اور اس کی تاویل مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یوم سے مراد دن کا وہ معین وقت نہیں ہے جو غروب آفتاب تک دراز ہو، بلکہ اس میں ظرفیت کے معنی ہیں یعنی گھاس کا کاٹنا اس دن میں واقع ہو، تو یہ جلدی کے اظہار کے لئے ہے، جیسے یہ کہا کہ آج ہی یہ چیز مجھے سی کردو، ایک روپے میں، ہدایہ میں ہے جس نے کسی شخص کو اُجرت پر لیا تاکہ آج ایک درہم میں یہ دس بوری آٹا پکادے تو یہ اجارہ ابوحنیفہ کے نزدیک فاسد ہے، اور صاحبین نے فرمایا جائز ہے، صاحبین معقود علیہ عمل کو قرار دیتے ہیں اور ذکر وقت عجلت کے لئے قرار دیتے ہیں تاکہ عقد صحیح ہو، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ مجہول ہے کیونکہ

---

^1 ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

ولا ترجیح ونفع المستاجر فی الثانی ونفع الاجیر فی الاول فیفضی الی المنازعۃ و عن ابی حنیفۃ[1] انہ یصح الاجارۃ اذا قال فی الیوم وقد سمی عملا لانہ للظرف فکان المعقود علیہ العمل بخلاف قولہ الیوم و قد مرمثلہ فی الطلاق اھ[2] او الامران القنیۃ ذکرت ھذا برمز ثم رمزت لأخر و ذکرت ما عن نصیر فیکون ھذا قول بعض علی خلاف ما علیہ الناس وعلی خلاف ما علیہ الفتوی کما فی الصیرفیۃ و من عادۃ الھندیۃ نقل عبارۃ القنیۃ بحذف الرموز فتصیر الاقوال کقول واحد کما نبہت علیہ فی بعض المواضع منہا ھو امثالھا واللہ تعالٰی اعلم۔

وقت کا ذکر منفعت کو معقود علیہا بناتا ہے، اور عمل کا ذکر اس کو معقود علیہ کرتا ہے، اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے، مستاجر کا نفع دوسرے میں ہے اور اجیر کا پہلے میں ہے، تو اس میں جھگڑا پیدا ہوگا، اور ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ اجارہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ "دن میں" کہا اور کسی عمل کا نام لیا، کیونکہ یہ ظرف ہے تو معقود علیہ عمل ہُوا بخلاف اس کے قول "الیوم" کے اور اسی کی مثل طلاق کے باب میں گزرا اھ یا معاملہ اس طرح ہے کہ قنیہ نے اسکو تم کے رمز سے ذکر کرکے دوسرے کی طرف اشارہ کیا، اور جو کچھ نصیر سے مروی ہے وہ نقل کیا، یہ بعض کا قول ہے اور بعض کے خلاف ہے، اور فتوٰی بھی اس کے خلاف ہے جیسا کہ الصیرفیۃ اور ہندیہ کی عادت ہے کہ وہ قنیہ کی عبارت رموز کے بغیر ہی نقل کردیتے ہیں، تو چند اقوال ایک ہی قول کے مانند ہوجاتے ہیں، اس پر میں نے اس کے بعض حواشی پر تنبیہ کی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

صورت ہفتم خود ظاہر ہے کہ اُس کے اقرار سے ملک مستاجر ہے۔

اقول وذلک لان الاجیر عامل لغیرہ وقد اعترف انہ عمل علی وجہ الاجارۃ واخذہ لمن استاجرہ۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اجیر دوسرے کا عامل ہوتا ہے اور اس نے یہ اعتراف کیا ہے کہ وُہ بطور اجیر کام کر رہا ہے اور وہ چیز مستاجر کے لئے لے رہا ہے۔ (ت)

یوں ہی صورتِ ہشتم میں کہ ظرف مستاجر میں احراز دلیل ہے کہ مستاجر کے لئے ہے، جامع الفصولین میں ہے:

---

[1] الہدایۃ اجارہ فاسدہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۰۴

الاجیراذا حمل الماء بکوز المستأجر یکون محرزاً للمستأجر[1]

اجیر جب مستاجر کے کُوزے میں پانی لائے تو وہ مستاجر کا ہوگا۔ (ت)

رہی صورت نہم ظاہر ہے کہ اس میں ملک اجیر ہے۔

اقول اور اس پر تقریر دلیل یُوں کہ یہ اجیر نہ بیان مدت کے ساتھ اپنے منافع بیچ چکا ہے کہ اس وقت میں اُس کا کام خواہی نخواہی آمر کے لئے ہو نہ شیئ کی تعیین ہُوئی کہ بوجہ قبول اُس کا پابند ہو تو وُہ اپنی آزادی پر ہے کیا ضرور ہے کہ اس وقت جو اُس نے لیا بربنائے اجارہ بغرض مستاجر لیا ہو نہ وہ مقر ہے نہ ہشتم کی طرح کوئی دلیل ظاہر ہے لہٰذا ملک اجیر ہی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول ویتراأی لی ان مثل الاستیلاء عند الفقہاء کمثل الشراء مھما وجد نفاذا نفذ فاذا وکلہ بشراء عبد والموکل لم یعین العبد ولا الوکیل اضاف الیہ العقد ولا وقع من مالہ النقد ولا اقر انہ شراہ لہ فانہ یکون للشاری لالمن وکلہ والمسألۃ فی الھدایۃ والدرر وعامۃ الاسفار الغر فالتوقیت ھھنا کالاضافۃ ثمہ لانتقال فعلہ الی الأمر کما مر والاحراز بظرفہ کالنقد من مالہ والاقرار الاقرار والتعیین التعیین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اور مجھ پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ استیلاء کی مثال فقہاء کے نزدیک شراء کی سی ہے جب نفاذ پایا جائیگا اس کو نافذ کردیا جائیگا۔ اب کسی نے کسی شخص کو غلام خریدنے کے لیے کہا اور موکل نے غلام کی تعیین کی اور نہ وکیل نے عقد کو اس کی طرف مضاف کیا اور نہ اس کے مال سے ادائیگی کی اور نہ یہ کہا کہ اُس نے اس کے لیے خریدا ہے، تو یہ غلام خریدنے والے کا ہوگا نہ کہ حکم دینے والے کا، یہ مسئلہ ہدایہ، درر اور عام کتب میں مذکور ہے، تو یہاں توقیت کی حیثیت وہاں اضافت کی طرح ہے کیونکہ اس کا فعل آمر کی طرف منتقل ہوتا ہے، اور اُس کے ظرف کا حاصل کرلینا اس کے مال سے ادائیگی کی طرح ہے اور یہ اقرار اس اقرار کی طرح اور یہ تعیین اس تعیین کی طرح ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

بالجملہ یہ نو صورتیں ہیں جن میں سے چار میں وُہ شے مباح لینے والے کی ملک ہے اور باپنچ میں دوسرے کی۔ یہ جبکہ لینے والا حُر ہو ورنہ مملوک کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اس کا جو کچھ ہے اس کے مولی کا ہے ھذا

[1] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸

ما ظهر لی نظرا فی کلماتهم وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا ان کے کلمات کو دیکھتے ہوئے اور مجھے امید ہے کہ یہی صحیح ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ ت)

تنقیح دوم یہ اصول مطلق استیلائے مباح میں ہوئے یہاں کہ گفتگو نابالغ میں ہے یہ بھی دیکھنا ضرور کہ اُس کے والدین اگر اُس سے کوئی شے مباح مثلاً کنویں سے پانی یا جنگل سے پتے منگائیں تو اُس نسبت بنوت کے سبب احکام مذکورۂ استیلاء میں کوئی تفاوت آئے گا یا نہیں، اگر آئے گا تو کیا۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں:

اوّل کہ زیادہ مشہور ہے یہ کہ والدین کو بھی مباحات میں استخدام کا اختیار نہیں صبی اگرچہ ان کے حکم سے انھیں کے لیے انھیں کے ظرف میں لے خود ہی مالک ہوگا اور والدین کو اُس میں تصرف حرام مگر بحالتِ محتاجی۔

اقول یعنی بحالتِ فقر بلاقیمت اور بحالتِ احتیاج حاضر مثلاً سفر میں ہوں اور مال گھر میں بوعدۂ قیمت تصرف کرسکتے ہیں ذخیرہ و منیہ پھر معراج الدرایہ پھر حموی کنز پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

لو امر صبیا ابوہ او امہ باتیان الماء من الوادی او الحوض فی کوز فجاء بہ لایحل لابویہ ان یشربا من ذلك الماء اذا لم یکونا فقیرین لان الماء صار ملکہ ولایحل لھما الاکل ای والشرب من مالہ بغیر حاجۃ[1]۔

اگر کسی بچہ کو اپنے باپ یا ماں نے وادی یا حوض سے لوٹے میں پانی لانے کو کہا پھر وہ پانی لے آئے تو اس کے ماں باپ کے لیے اس پانی کو پینا جائز نہیں بشرطیکہ وہ فقیر نہ ہوں، کیونکہ پانی اُس بچہ کی ملک ہوگیا اور اُن دونوں کے لئے اس کے مال سے بلاحاجت کھانا پینا جائز نہیں۔ (ت)

جامع احکام الصغار پھر حموی اشباہ اور تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

اذا احتاج الاب الی مال ولدہ فان کانا فی المصر واحتاج لفقرہ اکل بغیر شیئ وان کانا فی المفازۃ واحتاج الیہ لانعدام الطعام معہ فلہ الاکل بالقیمۃ[2]۔

جب باپ کو بچہ کے مال کی حاجت ہو اور وہ شہر میں ہوں اور فقر کی وجہ سے بچہ کا مال کھانے کا محتاج ہو تو کھالے اور اس پر کوئی شے نہیں، اور اگر یہ صورتحال جنگل میں پیش آئے اور باپ کے پاس کھانا موجود نہ ہو اور اس کو کھانے کی ضرورت ہو تو وہ قیمت کے ساتھ کھاسکتا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۰۳

جامع الفصولین میں فوائد امام ظہیر الدین سے ہے :

لوکان الاب فی فلاۃ ولہ مال فاحتاج الی طعام ولدہ اکلہ بقیمتہ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاب احق بمال ولدہ اذا احتاج الیہ بالمعروف والمعروف ان یتناولہ بغیر شیئ لو فقیرا والا فبقیمتہ[1]۔

اگر باپ جنگل میں ہو اور اس کے پاس مال ہو اور پھر اس کو اپنے بیٹے کا مال کھانے کی ضرورت لاحق ہو تو وہ اس کی قیمت دے کر کھا سکتا ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ باپ کو اپنے بیٹے کے مال کا معروف طریقہ کے مطابق زیادہ حق ہے اور معروف طریقہ یہی ہے کہ بلا قیمت استعمال کرے اگر فقیر ہو ورنہ قیمت کے ساتھ استعمال کرے۔ (ت)

مگر اس اجازت سے احکام مذکورۂ استیلا میں کوئی تغیر نہ ہوا کہ ملک نابالغ ہی کی قرار پائی۔ ماں باپ، کو قیمتاً یا مفت اُس میں تصرف کی اجازت کچھ اسی مال استیلاء سے خاص نہیں صبی کی ہر ملک میں ہے۔

دوم فقیر والدین کی طرح غنی ماں باپ کو بھی بچہ سے ایسی خدمت لینے کا حق ہے اور وُہ پانی روا کہ عرف و رواج مطلق ہے یہ امام محمد سے ایک روایت ہے ذخیرہ اور اس کے ساتھ کی کتابوں میں بعد عبارت مذکورہ ہے: وعن محمد یحل لھما ولوغنیین للعرف والعادۃ[2]۔ (محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان دونوں کے لیے حلال ہے اگرچہ دونوں غنی ہوں کیونکہ عرف اور عادت کا اعتبار ہے۔ ت)

اقول اس تقدیر پر ظاہر یہ ہوتا کہ جو مباح صبی نے فرمائش والدین سے لیا اس کے مالک والدین ہی ٹھہریں ورنہ بحالِ غنا ان کو تصرف ناروا ہوتا قال تعالٰی من کان غنیا فلیستعفف[3]۔ (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے جسے حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے۔ ت) تو یہ روایت صورنُہ گانۂ استیلاء سے صورت سوم کے حکم میں والدین کا استثناء کرتی مگر امام محمد ہی سے ایسی ہی نادرہ روایت آئی ہے کہ اگر بچہ کھانے پینے کی چیز اپنے ماں باپ کو ہدیۃً دے تو وہ والدین کے لئے مباح ہے تو یہ روایت بھی احکامِ مذکورہ پر کچھ اثر نہ ڈالے گی کہ مالک صبی ہی ٹھہرا۔ جامع احکام الصغار میں ہے :

فی ھبۃ فتاوی القاضی ظہیر الدین

قاضی ظہیر الدین کے فتاوٰی کی ہبہ کی بحث میں ہے

---

[1] جامع الفصولین　الفصل السابع والعشرون　اسلامی کتب خانہ کراچی　۲/۱۹

[2] ردالمحتار　فصل فی الشرب　مصطفٰی البابی مصر　۵/۳۱۲

[3] القرآن　۴/۶

رحمہ اللہ تعالٰی اذا اھدی الصغیر شیئا من الماکولات روی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی انہ یباح لوالدیہ وشبہ ذلک بضیافۃ الماذون واکثر مشایخ بخاری انہ لایباح[1]

کہ جب بچّہ کھانے کی کوئی چیز بطور ہدیہ دے تو امام محمد سے مروی ہے کہ اس کے والدین کو اس میں سے کھانا جائز ہے، اور انہوں نے اس کو ماذون کی ضیافت کے مشابہ قرار دیا اور بخارا کے اکثر مشائخ کہتے ہیں کہ مباح نہیں۔ (ت)

اسی طرح شامی میں تاتارخانیہ وذخیرہ سے ہے اس روایت کی تحقیق بعونہ تعالٰی عنقریب آتی ہے اور یہ کہ وہ اس مقام سے بے علاقہ ہے مگر اقرب یہی ہے کہ یہ روایت والدین کے لیے اباحتِ تصرف کرتی ہے نہ کہ اثباتِ ملک تو ضابطہ بحال ہے۔

سوم: اگر ماں باپ کے برتن میں لیا تو وہ مالک ہوں گے ورنہ صبی جیسے اجیر۔

اقول یعنی جس کا نہ وقت معین کیا نہ کسی معین شے کے لیے اجیر نہ اُس نے مستاجر کے لیے اقرار کہ ان حالتوں میں ظرف پر لحاظ نہیں، جامع الصغار میں ہے:

فی بیوع فوائد صاحب المحیط الاب او الام اذا امر ولدہ الصغیر لینقل الماء من الحوض الی منزل ابیہ ودفع الیہ الکوز فنقل قال بعضھم الماء الذی فی الکوز لیصیر ملکا للصبی حتی لایحل للاب شربہ الا عند الحاجۃ لان الاستخدام فی الاعیان المباحۃ باطل وقال بعضھم انکان الکوز ملکا للاب یصیر ملکا للاب ویصیر الابن محرز الماء لابیہ کالاجیر اذا حمل الماء بکوز المستاجر یکون محرزا للمستاجر کذا ھذا[2]۔

صاحبِ محیط کی فوائد کے باب البیوع میں ہے کہ ماں باپ نے چھوٹے بچے کو حوض سے اپنے گھر پانی لانے کو کہا اور اس کو لوٹا بھی دیا چنانچہ وہ پانی لے آیا، تو ایسی صورت میں بعض علماء کے نزدیک لوٹے کا پانی بچّہ کی ملک ہے یہاں تک کہ باپ بلاضرورت اس میں سے پی بھی نہیں سکتا کیونکہ مباح اشیاء کے حصول کے لئے اس سے خدمت لینا باطل ہے، اور بعض نے کہا کہ اگر لوٹا باپ کی ملک ہے تو پانی بھی باپ کی ملک ہوگا اور بیٹا مزدور کی طرح پانی کو اپنے باپ کے لیے جمع کرنے والا قرار پائے گا کیونکہ اجیر اگر مستاجر کے لوٹے میں پانی لائے تو وہ پانی مستاجر ہی کا ہوگا، یہی حال اس کا ہے۔ (ت)

---

[1] جامع احکام الصغار مع الفصولین اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۶

[2] ایضاً ۱/۱۴۷

اول کو دو سید علامہ طحطاوی وشامی نے نقل کرکے فرمایا اس میں حرج عظیم ہے اور واقعی حرج ہے اور حرج نص قرآنی سے مدفوع ہے،

وحاول ش ان یوھنہ بالدلیل فنازعہ بان للاب ان یستخدم ولدہ قال فی جامع الفصولین (ف۱) وللاب ان یعیر ولدہ الصغیر لیخدم استاذہ لتعلیم الحرفۃ (ف۲) وللاب او الجد او الوصی استعمالہ بلاعوض بطریق التھذیب والریاضۃ اھ[1] قال الا ان یقال لایلزم من ذٰلك عدم ملکہ لذٰلك الماء المباح وان امرہ بہ ابوہ واللہ تعالٰی اعلم اھ[2]

اور ش نے اس کو دلیل کے ذریعہ کمزور دکھانے کی کوشش کی اور فرمایا کہ باپ کو تو ویسے بھی حق ہے کہ بلامعاوضہ بیٹے سے کام لے۔ جامع الفصولین میں فرمایا کہ باپ اپنے چھوٹے بیٹے کو استاد کی خدمت کے لیے متعین کرسکتا ہے تاکہ استاد اس کو صنعت وحرفت سکھائے، اور باپ دادا اور وصی بچے سے کام لے سکتے ہیں تاکہ اس کو ادب وتہذیب سکھائیں اور اس کو کام کرنے کی عادت ہو اھ فرمایا مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ پانی کا مالک نہیں ہوگا، خواہ اس نے اپنے باپ کے حکم سے پانی لیا ہو واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اقول (ف۳) الجواب صحیح لطیف ما کان یستاھل التزییف بل کان (ف۴) واضحا من قبل فلم یکن للسؤال محل بل السؤال (ف۵) ساقط من راسہ فھم لاینکرون جواز الاستخدام للاب لکن ذٰلك حیث یصح ویتحقق فان الشیئ انما یجوز بعد ما یصح والباطل لاوجود لہ وقد علمت انہ فی الاعیان المباحۃ باطل وبہ انکشف ایھامان وقعا فی کلامہ فی کتاب الشرکۃ حیث کان فی التنویر والدر لاتصح شرکۃ فی احتطاب

میں کہتا ہوں، جواب بالکل درست ہے اس کو ضعیف قرار دینا درست نہ ہوگا، بلکہ پہلے سے واضح تھا، تو سوال کی گنجائش ہی نہ تھی، بلکہ سوال کی بنیاد ہی ساقط ہے، کیونکہ مشائخ اس امر کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ باپ بیٹے سے خدمت لے سکتا ہے، لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہے جبکہ متحقق ہو اور صحیح ہو، کیونکہ شے اسی وقت جائز ہوتی ہے جبکہ صحیح ہو اور باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا اور آپ جان چکے ہیں کہ یہ اعیان مباحہ میں باطل ہے، ان کی کتاب کی کتاب الشرکۃ میں دو وہم تھے وہ بھی اس

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب البابی مصر ۵/۳۱۲

[2] ایضاً

واحتشاش واصطیاد واستقاء وسائر مباحات لتضمنہا الوکالۃ والتوکیل فی اخذ المباح لایصح وما حصلہ احدھما فلہ وما حصلاہ معا فلہما نصفین ان لم یعلم ما لکل وما حصلہ احدھما باعانۃ صاحبہ فلہ ولصاحبہ اجر مثلہ[۱] فکتب رحمہ اللہ تعالٰی علٰی قولہ وما حصلاہ فلہما یؤخذ من ھذا ما افتی بہ فی الخیریۃ لو اجتمع اخوۃ یعملون فی ترکۃ ابیہم ونما المال فھو بینہم سویۃ ولو اختلفوا فی العمل والرای اھ قال ثم ھذا فی غیر الابن مع ابیہ لما فی القنیۃ الاب وابنہ یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لہما شیئ فالکسب کلہ للاب ان کان الابن فی عیالہ لکونہ معینالہ اھ[۲]

گفتگو سے ختم ہوگئے، دُر اور تنویر میں ہے لکڑیاں اکٹھی کرنے، گھاس جمع کرنے، شکار کرنے اور پانی بھرنے میں شرکت جائز نہیں، اور یہی حال دوسری مباحات کا ہے کیونکہ یہ وکالت کو متضمن ہے اور مباح کے لینے میں توکیل جائز نہیں، دو میں سے کسی ایک نے جو حاصل کیا وہ اسی کا ہوگا اور جو دونوں نے مل کر حاصل کیا ہو تو وہ آدھا آدھا ہے، اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کتنا لیا تھا اور جو کچھ ایک نے اپنے ساتھی کی مدد سے لیا وہ اُسی ایک کا ہوگا اور ساتھی کو اجر مثل ملے گا اھ تو انہوں نے انکے قول وما حصلاہ فلہما پر لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خیریہ میں جو فتوٰی ہے وہ اسی سے ماخوذ ہے اگر کچھ بھائی مل کر اپنے باپ کے ترکہ میں کام کریں، اور پھر کچھ مال حاصل ہو تو وہ ان کے درمیان برابری کی بنیاد پر تقسیم ہوگا خواہ عمل اور رائے میں اختلاف ہی کیوں نہ رہا ہو اھ فرمایا یہ حکم اُس صورت میں نہیں ہے جبکہ بیٹا باپ کے ساتھ مصروفِ عمل ہو، کیونکہ قنیہ میں ہے اگر باپ بیٹا ایک ہی صنعت میں کام کرتے ہوں اور اُن کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہ ہو تو کل کمائی باپ کی شمار ہوگی بشرطیکہ بیٹا باپ کے عیال میں ہو، کیونکہ وہ اس کا مددگار رہے اھ (ت)

اقول فایرادہ ھذا الفرع فی ھذا المبحث ربما یوھم ان لو اجتمع رجل وابنہ فی عیالہ فی تحصیل مباح کان کلہ للاب ویجعل الابن معینا لہ ولیس کذلک فان الشرع المطھر جعل فی المباح

میں کہتا ہوں ان کا اِس فرع کو اس بحث میں لانا یہ وہم پیدا کرتا ہے اگر بیٹا باپ کے عیال میں ہو اور باپ بیٹا کسی مباح چیز کے حاصل ہونے میں مل کر کام کریں تو حاصل شدہ چیز پوری کی پوری باپ کی ہوگی اور بیٹا اُس کا مددگار قرار پائے گا،

---

[۱] الدر المختار شرکت فاسدہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷۴

[۲] ردالمحتار " البابی مصر ۳/۳۸۳

33

سبب الملك الاستیلاء فمن استولی فھو المالك ولاینتقل الملك الی غیرہ الابوجہ شرعی کھبۃ وبیع ولاینسب اخذہ لغیرہ الابوجہ شرعی ککونہ عبدہ او اجیرہ علیہ اما الاعانۃ مجانا فھی الخدمۃ وقد علمت بطلان الاستخدام فی تلك الاعیان وکتب علی قولہ باعانۃ صاحبہ سواء کانت الاعانۃ بعمل کما اذا اعانہ فی الجمع والقلع او الربط او الحمل اوغیرہ او بالۃ کما لودفع لہ بغلا او راویۃ لیستقی علیہا اوشبکۃ لیصید بہا حموی وقہستانی ط اھ۔

حالانکہ بات یہ نہیں ہے کیونکہ شریعت نے مباح اشیاء میں ملک کا سبب استیلاء کو قرار دیا ہے توجو بھی کسی مباح پر قابض ہوجائے وہی مالک ہے اور دوسرے کی طرف اب اس کی ملک شرعی طریقوں سے ہی منتقل ہوسکتی ہے جیسے ہبہ اور بیع وغیرہ اور اس کا لینا اس کے غیر کی طرف صرف شرعی سبب سے ہی منسوب ہوگا، مثلاً یہ کہ وہ اس کا غلام ہو، یا مزدور ہو، اور مفت کی اعانت تو یہ خدمت ہے، اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مباح چیزوں میں خدمت لینا باطل ہے، اور "باعانۃ صاحبہ" پر لکھا کہ عام ازیں اعانت عملی ہو، جیسے کسی چیز کے جمع کرنے، اکھاڑنے، باندھنے، اٹھانے وغیرہ میں مدد کرے، یا آلہ کے ذریعہ مدد ہو جیسے اس کو خچر دیا یا پانی بھرنے کا بڑا ڈول دیا یا شکار کے لئے جال دیا، حموی وقہستانی ط اھ (ت)

اقول فلایتوھمن منہ الاعانۃ فی قلع الحطب بان یقلع البعض ھذا والبعض ھذا لانہ ھو تحصیلھما بل المعنی انہ وضع یدہ مع یدہ فی القلع حتی ضعف تعلقہ فقلعہ المعان اوعمل ھذا اولا وترکہ قبل ان ینقلع ثم عمل ذاك فقلعہ یکون الاول معینا والملك للقالع کمن استقی من بئر فاذا دنا الدلو من رأسہ اخرجھا ونحاھا عن رأس البئر غیرہ فان الملك للثانی وکذلك اذا

میں کہتا ہوں اس سے یہ وہم پیدا نہ ہو کہ لکڑیاں اکھاڑنے میں مدد دینا بھی اسی طرح ہے، مثلاً بعض لوگ اس طرف سے اور بعض اُس طرف سے لکڑیاں اکھاڑیں اس لیے یہ اُن دونوں کا حاصل کرنا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ایک ہی لکڑی پر ہاتھ رکھیں اور دونوں ایک ساتھ اس کو اکھاڑیں، یا یہ کہ پہلے ایک شخص نے ایک درخت پر زور آزمائی کی اور ہٹ گیا پھر دوسرے نے زور آزمائی کی اور اس کو اکھاڑ لیا، تو پہلا مددگار قرار پائے گا اور ملک اکھاڑنے والے کی ہوگی، جیسے کوئی شخص ڈول بھر کر کنویں سے

لے ردالمحتار شرکت فاسدۃ البابی مصر ۳/۳۸۳

اثار احسن صید اوجاء به علی اخرفاخذہ کان للاٰخذ وما احسن وابعد عن الایھام عبارۃ الھدایۃ حیث قال وان عمل احدھما واعانہ الاٰخرفی عملہ بان قلعہ احدھما وجمعہ الاٰخر اوقلعہ وجمعہ وحملہ الاٰخرفللمعین اجرالمثل[1]

پانی نکالے اور جب ڈول کنویں کے دہانے تک آجائے تو دوسرا شخص نکال کر رکھ دے۔ اس صورت میں ملک دوسرے کی ہوگی، اسی طرح کسی نے شکار کو ہنکایا اور دوسرے شخص کے قریب آیا اور دوسرے شخص نے پکڑلیا، تو جس نے پکڑا اسی کا ہوگا۔ مگر ہدایہ کی عبارت ہر قسم کے وہم سے پاک صاف ہے اس میں ہے کہ اگر عمل ایک نے کیا اور دوسرے نے اس عمل میں معاونت کی، مثلاً یہ کہ درخت ایک شخص نے اکھاڑے اور دوسرے نے جمع کئے یا اکھاڑے اور جمع کئے لیکن اٹھائے دوسرے نے، تو مددگار کو اجر مثل ملے گا۔ (ت)

دوم کہ نص محرر المذہب سے مروی نظر ظاہر گمان کرے گی کہ بہت کتب معتمدہ مشہورہ نے اُس پر اعتماد کیا فتاوٰی[1] اہل سمرقند پھر فتاوٰی خلاصہ[2] میں اُس کے حوالہ سے ہے:

رجل وھب للصغیر شیئا من الماکول یباح للوالدین ان یاکلا منہ کذا روی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی۔[2]

اگر کسی شخص نے بچے کو کھانے کی چیز ہبہ کی تو اس کے والدین کے لیے وہ چیز بھی کھانا جائز ہے محمد رحمہ اللہ سے یہی مروی ہے۔ (ت)

وجیز کردری[3] میں ہے:

وھب للصغیر من الماکول شیئا یباح للوالدین ان یاکلاہ۔[3]

اگر کسی شخص نے بچے کو کھانے کی چیز ہبہ کی تو اس کے والدین کو اس چیز کا کھانا صحیح ہے۔ (ت)

فتاوٰی سراجیہ[4] میں ہے:

اذا وھب الصبی شیئا من الماکول قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی مباح لوالدیہ ان یاکلا منہ وقال اکثر مشایخ

اگر کسی نے بچہ کو کھانے کی کوئی چیز ہبہ کی تو محمد نے فرمایا اسکے والدین کے لیے اس میں سے کھانا مباح ہے اور بخارٰی کے اکثر مشائخ نے فرمایا

---

[1] الھدایۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ جز ثانی المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۶۱۴
[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الہبۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۴۰۰
[3] فتاوٰی بزازیۃ مع الھندیۃ کتاب الہبۃ پشاور ۶/۲۳۷

بخاری لا یحل اھ[1]

والدین کو کھانا حلال نہیں اھ (ت)

اقول وتفرد بتعبیر قال محمد فان عبارۃ العامۃ روی عنہ واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں "قال محمد" کی عبارت تنہا انہوں نے ہی استعمال کی ہے کیونکہ عام کتب کی عبارت یہ ہے کہ ان سے مروی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

فتاوی ظہیریہ پھر غمز العیون میں ہے:

اذا اھدی للصغیر شیئ من الماکولات روی عن محمد انہ یباح لوالدیہ وشبہ ذلک بالضیافۃ واکثر مشایخ بخاری علی انہ لایباح بغیر حاجۃ[2]

جب بچہ کو کسی نے کھانے کی چیزیں ہدیہ میں دیں، تو محمد سے مروی ہے کہ اس کے والدین کو ان کا کھانا مباح ہے اور یہ ضیافت کی طرح ہے اور بخاری کے اکثر مشائخ کا کہنا ہے کہ بغیر حاجت جائز نہیں۔ (ت)

بحر الرائق میں ہے:

یباح للوالدین ان یأکلا من الماکول الموھوب للصغیر کذا فی الخلاصۃ فافاد ان غیر الماکول لایباح لھما الاعند الاحتیاج کما لایخفی[3]

والدین کو بچہ کی موہوبہ چیز کا کھانا مباح ہے کذا فی الخلاصہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر ماکول کو استعمال میں لانا مباح نہیں، ہاں ضرورۃً جائز ہے کما لایخفی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وفیھا ای فی السراجیۃ یباح لوالدیہ ان یأکلا من ماکول وھب لہ وقیل لا انتھی فافاد ان غیر الماکول لایباح لھما الا لحاجۃ اھ[4]

سراجیہ میں ہے بچہ کے والدین کو مباح ہے کہ بچہ کو ہدیہ کی گئی چیز سے کھائیں اور ایک قول ہے کہ جائز نہیں انتہی، اس سے معلوم ہوا کہ غیر ماکول سے بلاحاجۃ استفادہ جائز نہیں اھ (ت)

اقول وکانہ اخذہ من ان العمل

میں کہتا ہوں شاید انہوں نے یہ فتوٰی اس اصول سے

---

[1] فتاوٰی سراجیۃ مسائل متفرقۃ من ہبۃ لکھنؤ ص ۹۶
[2] جامع الصغار مع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۶
[3] بحر الرائق کتاب الھبۃ سعید کمپنی کراچی ۲/۲۸۸
[4] الدر المختار " مجتبائی دہلی ۲/۱۶۰

بقول اصحاب الامام اذا لم یوجد عنه قول ولا یوافقه قول المشایخ وان کثروا کما ذکرنا نصوصه فی رسالتنا اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام لاسیما وقد عبرہ بقال محمد والاولیس فی السراجیۃ قیل کما اسمعناك نصہا۔

اخذ کیا ہے کہ امام کے اصحاب کے قول پر اس وقت عمل ہوگا جب امام کوئی قول نہ پایا جائے اور امام کے قول کے ہمسر مشائخ کے اقوال نہیں ہوسکتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی زیادہ ہوں اسکے نصوص ہم نے اپنے رسالہ اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام میں ذکر کئے ہیں خاص طور پر انہوں نے اس کو "قال محمد" سے تعبیر کیا ہے نہ سراجیہ میں قیل نہیں ہے جیسا کہ ہم نے اس کی نص ذکر کی ہے (ت)

تاتارخانیہ[9] پھر ردالمحتار[10] میں ہے :

روی عن محمد نصا انہ یباح وفی الذخیرۃ واکثر مشایخ بخاری علی انہ لایباح[1]۔

محمد سے مروی ہے بطور نص کہ یہ مباح ہے اور ذخیرہ میں ہے کہ اکثر مشائخ بخاری اس پر ہیں کہ مباح نہیں۔ (ت)

اسی طرح جواہر[11] اخلاطی وہندیہ[12] میں ہے جامع[13] الصغار کی عبارت اوپر گزری۔

اقول مگر نظر دقیق حاکم ہے کہ دونوں روایتیں اگرچہ امام محرر المذہب رحمہ اللہ تعالٰی سے ہیں لیکن اس روایت اور ان عبارات کو اس روایت سے علاقہ نہیں یہاں وہ شے ملک صبی نہیں بلکہ دوسرے نے صبی کے نام ہدیہ بھیجی ہے اور عادت فاشیہ جاری ہے کہ کھانے پینے کی تھوڑی چیز بچوں ہی کے نام کرکے بھیجتے ہیں اور مقصود ماں باپ کو دینا ہوتا ہے اور یہ تو قطعاً نہیں ہوتا کہ ماں باپ پر حرام سمجھتے ہوں اس عرف کا انتشار تام و عام دیکھ کر مطلق حکم فرمایا یا کہیں تفصیل و توضیح فرمادی۔ فتاوٰی سمرقند[1] پھر تاتارخانیہ پھر[2] ش میں نیز کتاب التجنیس و المزید پھر جامع[3] الصغار میں ہے :

اذا اھدی الفواکہ الی الصبی الصغیر یحل للاب والام الاکل اذا ارید بذلك برالاب والام لکن اھدی الی الصغیر استصغارا للھدیۃ[2]۔

جب چھوٹے بچے کو کسی نے میوہ جات ہدیہ کئے تو اس کے ماں باپ کو اس میں سے کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس ہدیہ کا مقصد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک ہو اور بچہ کو محض اس لیے ہدیہ کیا گیا ہو کہ ہدیہ کو چھوٹا سمجھا گیا ہو۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷۲

[2] جامع الصغار مع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۶

ملتقط[6] پھر اشباہ کی تعبیر اور احسن ہے جس سے اس عادت کا فاشیہ ہونا روشن ہے۔

حیث قالا اذا اھدی للصبی شئ وعلم انہ لہ فلیس للوالدین الاکل منہ لغیر حاجۃ اھ[1]۔

انہوں نے فرمایا کہ جب بچہ کو کوئی چیز ہدیہ کی گئی ہو اور معلوم ہو کہ وہ صرف بچے کے لیے ہے تو والدین اس ہدیہ کو بلاحاجت نہیں کھا سکتے اھ (ت)

اقول بنی المنع علی علم انہ للصغیر فافاد الاباحۃ اذا لم یعلم شئ ردا الی العادۃ الفاشیۃ۔

میں کہتا ہوں والدین کے لیے اس کا استعمال جائز نہ ہونا اس شرط سے مشروط ہے کہ اُسے علم ہو کہ یہ بچّہ کا ہے تو اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ جب علم نہ ہو تو مباح ہے عرف کا لحاظ رکھتے ہُوئے کہا گیا ہے۔ (ت)

امام ظہیر الدین نے اُن عبارات مطلقہ کی دلیل بیان فرماکر اس امر کا تصفیہ فرما دیا، ظہیریہ پھر عالمگیریہ[9] میں ہے:

اھدی للصغیر الفواکہ یحل لوالدیہ اکلھا لان الاھداء الیھما وذکر الصبی لاستصغار الھدیۃ اھ[2]۔

بچہ کو پھل ہدیہ کیے گئے تو اس کے والدین کو اُن کا کھانا جائز ہے کیونکہ ہدیہ دراصل والدین کو ہی تھا بچے کا تذکرہ اس لیے دیا گیا کہ ہدیہ کو معمولی سمجھا گیا۔ (ت)

اقول ومن ھھنا ظھر ان ما تقدم عن جامع الصغار عن الظھیریۃ اذا اھدی الصغیر شیأ من الماکولات ان لم یکن عن نقلہ بالمعنی لان المسألۃ فی سائر الکتب فیما وھب شئ للصغیر وقد نقل عن الظھیریۃ نفسھا فی الغمز بلفظ اذا اھدی للصغیر شئ کما سمعت فلیس مرادہ الا اھداؤہ مما اھدی الیہ لا ان یبتدئ الصبی فیھدی من ملکہ شیأ

میں کہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ جو عبارت جامع صغیر سے ظہیریہ سے گزری کہ جب بچہ کھانے پینے کی کوئی چیز ہدیہ کرے اگر یہ اس کی نقل بالمعنے نہیں ہے کیونکہ تمام کتب میں یہ مسئلہ اس طرح مذکور ہے کہ کوئی چیز بچہ کو ہبہ کی گئی اور خود ظہیریہ میں غمز سے ان الفاظ میں منقول ہے کہ جب بچہ کو کوئی چیز ہبہ کی گئی جیسا کہ تم نے سنا، تو ان کی مراد یہ ہے کہ بچّہ اس چیز سے ہدیہ کرے جو اسکو ہدیہ کی گئی ہو یہ نہیں کہ بچہ ابتداء کرے اور اپنی ملک سے کچھ ہدیہ کرے، اور اس کی دلیل

---

[1] الاشباہ والنظائر احکام الصبیان ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۴۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثالث من الھبۃ پشاور ۴/۳۸۱

3/3

والدلیل علیہ قولہ وشبہ ذلک بضیافۃ المأذون فالمأذون لایضیف[1] من مال نفسہ بل مولاہ ومولاہ انما اذن فی التجارۃ لکن العوائد قضت ان امثال الضیافات لابد منہا فی التجارات فکان اذنہ فی التجارۃ اذنا فیہا کذلک الصبی لایھدی من مال نفسہ بل مال المُھدی والمُھدی انما سمی الصبی لکن فشت العوائد ان امثال الھدایا لایمنع عنہا ابواہ فکان اھداؤہ الیہ اھداء الیھما۔

ان کا یہ قول ہے کہ اور یہ مشابہ ماذون کی ضیافت کے ہے کہ ماذون اپنے مال سے ضیافت نہیں کرتا ہے بلکہ اپنے مولیٰ کے مال سے کرتا ہے اور اس کے مولیٰ نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے، لیکن عرف میں یہ عادت ہے کہ تجارت میں اس قسم کی ضیافتیں ہوتی ہی رہتی ہیں، تو تجارت کی اجازت دینا ضیافت کی اجازت کے مترادف ہے، اسی طرح بچہ اپنے مال سے ہدیہ نہیں دیتا ہے بلکہ ہدیہ دینے والے کے مال سے ہی ہدیہ دیتا ہے اور ہدیہ دینے والے نے بچہ کا نام لیا مگر عام طور پر عادت یہ ہے کہ اس قسم کے ہدایا سے ماں باپ کو منع نہیں کیا جاتا ہے تو بچوں کو ہدیہ دینا ماں باپ کو ہدیہ دینا سمجھا جاتا ہے۔ (ت)

اقول والوجہ فیہ ان المأکولات مما یتسارع الیہا الفساد فیکون اذنا من المھدی لھما فی التناول دلالۃ وذلک بان یقع الملک لھما بخلاف ما یدخر فظھر اصابۃ البحر والدرر فی قولھما افادان غیر المأکول لایباح لھما الا لحاجۃ[2] واندفع ماوقع للعلامۃ ش حیث قال بعد نقل ما مر عنہ عن التتارخانیۃ عن فتاوی سمرقند قلت وبہ یحصل التوفیق ویظھر ذلک بالقرائن وعلیہ فلا فرق بین المأکول وغیرہ بل غیرہ اظھر[2]

میں کہتا ہوں کھانے پینے کی چیزیں عام طور پر جلدی گل سڑ جاتی ہیں تو ہدیہ دینے والے کی طرف سے والدین کو اشارۃً کھانے کی اجازت سمجھی جائے گی، اور اس طرح ملک والدین کے لیے ثابت ہوگی اور جو اشیاء جلد خراب ہونے والی نہیں ہیں ان کا یہ حکم نہیں ہے، تو بحر اور دُرر کے قول کی صحت ظاہر ہوگئی، ان کا قول ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے کی نہیں ان کا استعمال والدین کے لیے جائز نہیں، ہاں حاجت کے وقت جائز ہے، اور علامہ "ش" کا اعتراض ختم ہوا انہوں نے تو وہ عبارت نقل کی جو تتارخانیہ، فتاوی سمرقند سے گزری، پھر فرمایا میں کہتا ہوں

---

[1] الدر المختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/۱۶۰

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۴/۵۷۲

ای فان ارادة الولد بھبة المأکول اظھر واکثر فاذا ساغ الاکل ثمہ عند عدم دلیل یقضی باختصاص الھدیة بالولد فھذا اولی وقد عرفت الجواب وباللہ التوفیق۔

اس سے موافقت ظاہر ہوگئی اور یہ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے اس میں ماکول اور غیر ماکول کا کوئی فرق نہیں بلکہ اس کا غیر اظہر ہے اھ یعنی ماکول کے ہبہ سے بچہ کا ارادہ اظہر ہے اور اکثر ہے تو جب وہاں کھانا جائز ہوا کسی ایسی دلیل کے نہ ہونے کے وقت جو ہدیہ کے بچے کے ساتھ مختص ہونے کا تقاضا کرتی ہو تو یہ اولیٰ ہے اور آپ کو اس کا جواب مل چکا ہے وباللہ التوفیق۔ (ت)

بالجملہ یہ روایات غیر ملک صبی میں ہیں اور یہاں کلام ملک صبی میں کہ مباح پانی بلاشبہہ بھرنے والے کی ملک ہوگا جبکہ بروجہ اجارہ نہ ہو اور صبی کی ملک والدین کو بے احتیاج حلال نہیں مقتضائے نظر فقہی تو یہ ہے۔

اقول وباللہ التوفیق مگر شک نہیں کہ عرف وعادت اس کے خلاف ہے اور وُہ بھی دلائل شرعیہ سے ہے تو مناسب کہ اسے قلیل عفو قرار دیں جس پر قرآن وحدیث سے دلیل ہے قال اللہ عزوجل:

ویسئلونك عن الیتمٰی قل اصلاح لھم خیر وان تخالطوھم فاخوانکم واللہ یعلم المفسد من المصلح[1]۔

اور وہ آپ سے یتیموں کی بابت پُوچھتے ہیں فرمادیجئے ان کی اصلاح بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ اپنا مال ملا کر کھاؤ تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ مفسد کو مصلح سے جانتا ہے۔ (ت)

اس آیت میں احد التفسیرین پر یتیم کے ساتھ جواز مخالطت مال ہے اور ظاہر کہ بحال مخالطت کامل امتیاز قریب محال ہے تفسیرات احمدیہ میں ہے:

وفی الزاھدی قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما المخالطة ان تأکل من ثمرہ ولبنہ وقصعتہ وھو یأکل من ثمرتك ولبنك وقصعتك والاٰیة تدل علی جواز المخالطة فی السفر والحضر یجعلون النفقة علی السواء ثم لا یکرہ ان یأکل احدھما اکثر لانہ لما جاز

اور زاہدی میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ مخالطت یہ ہے کہ تم اس کے پھل اس کا دودھ اور اس کے پیالہ میں کھاؤ اور وہ بھی اسی طرح تمہارے ساتھ تمہارے پھل کھائے اور تمہارا دودھ پیئے اور تمہارے پیالے میں کھائے اور یہ آیت مخالطت کے جواز پر دلالت کرتی ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں ہو جبکہ نفقہ کو

---

[1] القرآن ۲/۲۲۰

فی اموال الصغار فجوازہ فی اموال الکبار اولٰی ھذا لفظہ فاحفظہ فانہ نافع وحجۃ علٰی کثیر من المتعصبین فی زماننا[1]۔

برابر کار رکھیں، پھر اس میں کوئی کراہت نہیں کہ ان میں سے کوئی زائد کھالے کیونکہ یہ چیز جب بچوں کے مال میں جائز ہے تو بڑوں کے اموال میں بطور اولٰی جائز ہے، یہ ان کے الفاظ ہیں ان کو بخوبی یاد رکھیں، یہ مفید بھی ہیں اور ہمارے عہد کے بہت سے متعصبین پر حجت بھی ہیں اھ (ت)

اقول فاذن مافی جامع الصغار عن فتاوی رشید الدین من باب دعوی الاب والوصی لو لم تکن الام محتاجۃ الی مالہ ولکن خلطت مالھا بمال الولد واشترت الطعام واکلت مع الصغیر ان اکلت ما زاد علی حصتھا لا یجوز لانھا اکلت مال الیتیم[2] اھ معناہ الزیادۃ المتبینۃ ففی جامع الرموز عن الباب المذکور من فتاوی المزبورۃ قبیل ھذا صبی یحصل المال ویدفع الی امہ والام تنفق علی الصبی وتأکل معہ قلیلا نحو لقمۃ او لقمتین من غیر زیادۃ لایکرہ[3]۔

میں کہتا ہوں، تو جامع الصغار میں فتاوٰی رشید الدین سے (دعوی الاب والوصی میں) جو منقول ہے اگر ماں بچہ کے مال کی محتاج نہ ہو، لیکن اس نے بچہ کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھانا خریدا اور بچہ کے ساتھ کھایا تو اگر اپنے حصہ سے زیادہ کھایا تو جائز نہیں کیونکہ اس نے یتیم کا مال کھایا اھ اس سے مراد یہ ہے کہ اتنی زیادتی جو بالکل واضح اور ظاہر ہو، اسی فتاوٰی کے مذکور باب سے جامع الرموز میں منقول ہے، اس سے کچھ ہی پہلے، کہ ایک بچہ ہے جو مال لاتا ہے اور ماں کو دیتا رہتا ہے اور ماں اس پر خرچ کرتی رہتی ہے اور لقمہ دو لقمہ خود بھی اس کے ساتھ کھاتی رہتی ہے زیادہ نہیں، تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن عباس سے ہے:

قال کنت العب مع الصبیان فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتواریت خلف

فرمایا میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں

---

[1] تفسیراتِ احمدیہ بیان اصلاح کریمی کتب خانہ ممبئی ص ۱۰۳

[2] جامع الصغار مسائل الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸

[3] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل الکراہیۃ ؍؍ ۱/۱۴۸

باب فجاء فحطأنی حطأۃ وقال اذھب ادع لی معویہ۔ [1]

ایک دروازہ کے پیچھے چھُپ گیا تو آپ میرے پاس تشریف لائے اور میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنے ہاتھ سے (پیار سے) تھپکی دی اور کہا کہ معاویہ کو بلا لاؤ۔ (ت)

امام نووی شرح میں فرماتے ہیں:

فیہ جواز ارسال صبی غیرہ ممن یدل علیہ فی مثل ھذا ولا یقال ھذا تصرف فی منفعۃ الصبی لان ھذا قدر یسیر ورد الشرع بالمسامحۃ فیہ للحاجۃ واطرد بہ العرف وعمل المسلمین۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے بچہ کو اس جیسے کام کے لیے بھی بھیجا جا سکتا ہے اور اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ بچہ کی منفعت میں تصرف کیا کیونکہ یہ معمولی چیز ہے اور شریعت نے ضرورتًا اس قسم کی چیزوں کی اجازت دی ہے اور عام طور پر مسلمانوں کا اس پر عمل ہے۔ (ت)

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ نے حدیقہ ندیہ میں اسے مقرر رکھا۔

سوم میں امرا بوین کو اجارہ پر قیاس کیا۔

اقول اولاً یہ صحت توکیل کو چاہتا ہے اور اعیان مباحہ میں توکیل خلاف نصوص ہے وعللوہ بوجوہ (اور انہوں نے اس کی کئی علتیں بیان کی ہیں)

الاول ان صحۃ التوکیل تعتمد صحۃ امر الموکل بما وکل بہ وصحۃ الامر تعتمد الولایۃ ولا ولایۃ للموکل علی المباح ونقض بالتوکیل بالشراء فان الموکل لاولایۃ لہ علی المشری۔

اول: توکیل کی صحت کا دارومدار اس پر ہے کہ جو کام موکل نے وکیل کو سپرد کیا ہے وہ درست ہے اور اس کام کی صحت کا مدار ولایت پر ہے اور مُباح کام پر موکل کو کوئی ولایت نہیں ہے اور اس پر توکیل بالشراء سے اعتراض وارد ہے، کیونکہ موکل کو خریدی جانے والی چیز پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔

والثانی ان التوکیل احداث ولایۃ للوکیل ولا یصح ھنا لانہ یملک اخذ المباح بدون تملیکہ ونقض بالتوکیل

دوم: توکیل کے معنی وکیل کے لیے ولایت

---

[1] حطأنی بحاء ثم طاء مھملتین وبعدھما ھمزۃ وھو الضرب بالید مبسوطۃ بین الکتفین اھ حدیقۃ ندیہ۔

حطأنی حا پھر طاء دونوں بغیر نکتہ کے اور ان کے بعد ہمزہ ہے، معنیٰ ہے دو کندھوں کے درمیان ہاتھ سے تھپکی دینا اھ حدیقہ ندیہ۔ (ت)

---

[1] صحیح لمسلم باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۵
[2] شرح للنووی " " " "

بشراء شئ لا بعینه فان الوکیل یملکه قبل التوکیل وبعدہ وآجاب فی العنایۃ ان معناہ یملکہ بدون امر الموکل بلا عقد وصورۃ النقض لیست کذلك فانہ لایملکہ الا بالشراء اھ[1]

کا ایجاد کرنا ہے اور وہ یہاں درست نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی تملیک کے بغیر ہی مباح کو لے سکتا ہے اور اس پر یہ نقض ہے کہ کسی کو غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا، کیونکہ وکیل تو توکیل سے پہلے اور اس کے بعد بھی اس کا مالک ہے۔ اور عنایہ میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کا مالک ہے موکل کے حکم کے بغیر، اور بغیر عقد کے۔ اور نقض کی صورت یہ نہیں ہے، کیونکہ وُہ خریدے بغیر اس کا مالک نہیں ہے اھ (ت)

اقول رحمك الله تعالٰی لیس المراد ملك العین بل ولایۃ ذلك الفعل کالاخذ ثمہ والشراء ھھنا وھو لایملکہ بالعقد بل العقد ناشئ عن ملکہ ثم رأیت سعدی افندی اومأ الیہ اذ قال فیہ تأمل فان الموکل بہ ھو الشراء فالوکیل یملکہ فلا یندفع النقض اھ[2] والصواب فی الجواب انہ لم یکن لہ من قبل ولایۃ ان یشغل ذمۃ الموکل بالثمن وردہ المحقق فی الفتح بان حاصل ھذا ان التوکیل بما یوجب حقا علی الموکل یتوقف علی اثباتہ الولایۃ علیہ فی ذلك والکلام فی التوکیل بخلافہ اھ[3] ای باخذ المباح فانہ لایثبت فیہ حق علی الموکل۔

میں کہتا ہوں اس سے مراد ملکِ عین نہیں ہے، بلکہ اُس کام کے کرنے کا اختیار ہے جیسے وہاں لینا اور یہاں خریدنا، اور وُہ عقد کی وجہ سے اس کا مالک نہیں، بلکہ عقد تو خود اس کی ملک سے پیدا ہوتا ہے پھر میں نے دیکھا کہ سعدی افندی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں اس میں تامل ہے، کیونکہ جس چیز کا وکیل بنایا ہے وہ "شراء" ہے تو وکیل اس کا مالک ہے، تو نقض مرتفع نہ ہوگا اھ تو اس کا صحیح جواب یہ ہوگا کہ موکل کو پہلے یہ ولایت حاصل نہ تھی کہ وہ موکل کے ذمہ کو ثمن کے ساتھ مشغول رکھے، اور محقق نے اس کا فتح میں رد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ایسی چیز کی توکیل جو موکل پر حق ثابت کرے اس امر پر موقوف ہے کہ وہ اس پر ولایت کو ثابت کرے اور گفتگو توکیل میں اس کے برخلاف ہے اھ یعنی مباح کے لینے میں، کیونکہ اس میں موکل پر حق ثابت نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] عنایۃ مع الفتح القدیر الشرکۃ الفاسدۃ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۳۰۹
[2] حاشیۃ چلپی " " " "
[3] فتح القدیر " " " ۵/۳۱۰

اقول هذا اعتراف بالمقصود فان التوکیل مطلقا اثبات ولایة للوکیل لم تکن من قبل ولا یوجد ههنا فلا یصح التوکیل به بخلاف الشراء ولیس ان احداث الولایة مطلوب خصوصا فی التوکیل بما یوجب حقا علی الموکل حتی یقال لیس التوکیل باخذ المباح من هذا الباب فلا یحتاج الی احداث الولایة۔

میں کہتا ہوں یہ مقصود کا اعتراف ہے کیونکہ توکیل مطلقا وکیل کے لیے ولایت کا اثبات ہے ایسی ولایت جو اس کو پہلے حاصل نہ تھی، اور وُہ یہاں پائی نہیں جاتی ہے، تو اس کی توکیل صحیح نہ ہوگی اور شراء میں یہ چیز نہیں ہے اور ولایت کا ایجاد و احداث مطلوب نہیں ہے خاص طور پر اس توکیل میں، جو موکل پر کسی حق کو واجب کرتی ہو، اگر ایسا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ مباح کے لینے پر وکیل بنانا اس باب سے نہیں ہے، تو اس میں ولایت کی ایجاد کی حاجت نہیں ہے۔ (ت)

والثالث ان المقصود بالتوکیل نقل فعل الوکیل الی الموکل ولا یتحقق ههنا فان الشرع جعل سبب ملك المباح سبق الید الیه والسابقة ید الوکیل فیثبت الملك له ولا ینتقل الی الموکل الا بسبب جدید اشار الیه المحقق۔

سوم: توکیل سے مقصود یہ ہے کہ وکیل کے فعل کو موکل کی طرف نقل کیا جائے اور یہ چیز یہاں متحقق نہیں کیونکہ شریعت نے مباح کی ملکیت کا سبب قبضہ میں پہل کو قرار دیا ہے، اور یہاں وکیل نے قبضہ میں پہل کی ہے تو ملك اس کے لیے ثابت ہوگی اور موکل کی طرف اسی وقت منتقل ہوگی جبکہ اس کا سبب جدید ہو، محقق نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ت)

ثانیًا یہ قیاس صحیح ہو تو صرف ظرف پر حکم نہ رہے بلکہ والدین کی نیت سے لینا ہی اُن کے لیے مثبت ملك ہو اگرچہ اُن کے ظرف میں نہ لے کہ مقیس علیہ اعنی اجارۂ مذکورہ میں حکم یہی ہے اصل مدار نیت پر ہے جبکہ نہ اجیر کا یہ وقت بکاہے نہ شئ معین ہے تو وہ اپنے لیے بھی لے سکتا ہے اور اپنے مستاجر کے لیے بھی جس کے لیے لے گا اُسی کی ملك ہوگی، ہاں اگر لیتے وقت کسی کی نیت نہ تھی یا وہ کہے میں نے اپنے لیے نیت کی تھی اور مستاجر کہے میرے لیے کی تھی تو اُس وقت ظرف پر فیصلہ رکھیں گے اُس کے ظرف میں لی تو اُس کے لیے ہے ورنہ اپنے لیے،

واصل ذلك الوکیل بشراء شئ لا بعینه الحکم فیه للاضافة فان لم توجد فللنیة فان لم توجدا وتخالفا فیها فللنقد ای ان اضاف العقد الی مال الموکل فالشراء للموکل

اور اس کی اصل یہ مسئلہ ہے کہ کسی شخص کو غیر معین شئ کے خریدنے کا وکیل بنایا تو اس میں حکم اضافت کا ہے، اگر اضافت نہ پائی گئی تو نیت معتبر ہوگی، اگر نیت بھی نہ پائی گئی یا دونوں میں اختلاف ہوا تو حکم

وان زعم انه اشتری لنفسه اوالی مال نفسه فلنفسه او الی مطلق مال فلایهما نوی کان له فان لم تحضرہ النیۃ عند الشراء اوقال نویت لی وقال الموکل لی او بالعکس حکم النقد فی الثانی بالاجماع وفی الاول عند ابی یوسف خلافا لمحمد فانه یجعله اذن للعاقد[1] ووقع فی رد المحتار عکس هذا و هو سهو۔

نقد کا ہے، یعنی اگر عقد کو موکل کے مال کی طرف مضاف کیا تو خریدنا موکل کے لیے ہوا اگرچہ اس نے یہ گمان کیا کہ اُس نے اپنے لیے خریدا ہے، اور اگر اضافت خود اس کے مال کی طرف ہے تو خریدنا اس کے لیے ہوا، اور اگر مطلق مال کی طرف اضافت ہے تو دونوں میں سے جس کی نیت کی اس کے لیے ہوگا، اور اگر خریدنے کے وقت کوئی نیت ہی نہ تھی یا کہا کہ میں نے اپنے لیے نیت کی تھی اور موکل نے کہا کہ میرے لیے کی تھی یا بالعکس تو دوسرے میں بالاجماع نقد کو حکم بنایا جائیگا اور پہلے میں صرف ابو یوسف کے نزدیک ہوگا، امام محمد اس کو اس صورت میں عاقد کے لیے قرار دیتے ہیں، اور رد المحتار میں اس کا عکس کہا ہے اور یہ سہو ہے۔ (ت)

اقول وقدم قاضی خان قول ابی یوسف واخر فی الهدایۃ دلیله فافادا ترجیحه وقال فی البحر تحت قول الکنز ان کان بغیر عینه فالشراء للوکیل الا ان ینوی للموکل اویشتریه بماله ما نصه ظاهر ما فی الکتاب ترجیح قول محمد من انه عند عدم النیۃ یکون للوکیل لانه جعله للوکیل الا فی مسألتین[2] اھ ای النیۃ للموکل واضافۃ العقد الی ماله اذ هو المراد من الشراء بماله کما فی الهدایۃ فاذا لم یضف و لم ینو کان للعاقد کما هو

میں کہتا ہوں قاضی خان نے ابو یوسف کا قول مقدم کیا ہے اور ہدایہ میں اس کی دلیل کو موخر کیا ہے جس سے اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، اور بحر نے کنز کے اس قول کے تحت فرمایا کہ اگر غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو شراء وکیل کے لیے ہے، مگر یہ کہ موکل کی نیت کرلے یا اس کو اپنے مال سے خریدے۔ ان کی عبارت یہ ہے کتاب میں جو ہے اس سے بظاہر محمد کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، یعنی یہ کہ نیت نہ ہونے کی صورت میں وہ شراء وکیل کے لیے ہوگی، کیونکہ انہوں نے شراء وکیل کے لئے ہی کی ہے سوائے دو مسئلوں کے اھ یعنی یہ کہ نیت

---

[1] عنایۃ مع فتح القدیر وکالۃ بالشراء سکھر ۷/ ۳۵

[2] بحر الرائق وکالۃ بالبیع والشراء سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۶۰

مذهب محمد رحمه الله تعالیٰ۔ موکل کے لیے ہو اور اضافت اُس کے مال کی طرف ہو، اس لیے کہ اس کے مال سے خریدنے کا یہی مطلب ہے، جیساکہ ہدایہ میں ہے، تو جب اضافت نہ کی اور نیت بھی نہ کی تو عاقد کے لیے ہوگی جیساکہ محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ (ت)

اقول لکن الامام ابا یوسف رحمه الله تعالیٰ انما حکم النقد لانه دلیل النیة قال فی الهدایة عند ابی یوسف یحکم النقد لان مع تصادقهما یحتمل النیة للاٰمر وفیما قلناه حمل حاله علی الصلاح کما فی حالة التکاذب[1] قال فی العنایة (یحتمل) انه کان نوی للاٰمر ونسیه (وفیما قلنا) یعنی تحکیم النقد (حمل حاله علی الصلاح) لانه اذا کان النقد من مال الموکل والشراء له کان غصبا (کما فی حالة التکاذب)[2] اھ فعلم ان تحکیم النقد داخل فی اعتبار النیة ولا یستغرب مثله فی ایجاز الکنز۔

میں کہتا ہوں، لیکن امام ابو یوسف نے نقد کو حکم بنایا کیونکہ وُہ نیت کی دلیل ہے۔ ہدایہ میں فرمایا ابو یوسف کے نزدیک نقد کو حکم بنایا جائیگا، کیونکہ اگر وہ دونوں اتفاق کرلیں تو احتمال ہے کہ نیت حکم دینے والے کی ہو، اور جو ہم نے کہا ہے اس میں اُس کے حال کو صلاح پر محمول کیا گیا ہے، جیسے کہ دونوں ایک دوسرے کو جھٹلانے کی صورت میں ہے، عنایہ میں فرمایا (احتمال ہے) کہ اُس نے حکم دینے والے کے لیے نیت کی ہو اور پھر بھُول گیا ہو (اور جو ہم نے کہا اُس میں)، اس سے مراد نقد کو حکم بنانا ہے (اس کے حال کو صلاح پر محمول کرنا ہے) کیونکہ جب ادائیگی موکل کے مال سے ہو اور خریدنا اس کے لیے ہو تو یہ غصب ہوگا (جیسے کہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی صورت میں ہے) اھ تو معلوم ہوا کہ نقد کو حکم بنانا نیت کے اعتبار میں داخل ہے اور کنز کے ایجاز میں ایسی بات عجیب نہیں ہے۔ (ت)

بالجملہ قول سوم خلاف اصول و مخالف منقول ہے اور قول اول میں حرج بشدت اور دوم کہ نص محرر المذہب سے ماثور مؤید بعرف وکتاب وسنت لہذا فقیر اُسی کے اختیار میں اپنے رب عزوجل سے استخارہ کرتا ہے و باللہ التوفیق تو ثابت ہوا کہ احکام مذکورہ صور استیلاء میں نسبت ابوت و بنوت سے کوئی تغیر نہیں آتا جب یہ اصل بعونہ تعالیٰ ممہد ہولی واضح ہُوا کہ نابالغ کا بھرا ہوا پانی ایک نہیں بہت سے پانی ہیں جن کا سلسلہ شماریوں ہے۔

(۳۲) وُہ پانی کہ نابالغ نے آب مملوک مباح سے لیا۔

---

[1] الهدایة وکالة بالبیع والشراء مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/۱۸۳

[2] عنایة مع الفتح القدیر وکالة بالبیع والشراء نوریہ رضویہ سکھر ۷/۴۶

(۳۳) وہ کہ مملوک غیر مباح سے بے اجازت لیا۔

(۳۴) وہ کہ اس سے باجازت لیا مگر مالک نے اسے ہبہ نہ کیا صرف بطورِ اباحت دیا۔

(۳۵) نابالغ خدمت گار نے آقا کے لیے نوکری کے وقت میں بھرا۔

(۳۶) خاص پانی ہی بھرنے پر اُس کا اجیر بتعیین وقت تھا اُسی وقت میں بھرا۔

(۳۷) مستاجر نے پانی خاص معین کر دیا تھا مثلاً اس حوض یا تالاب کا کل پانی۔

اقول اور یہ تعین نہ ہوگا کہ اس حوض یا کنوئیں سے دس مشکیں کہ دس مشک باقی سے جدا نہیں جس کی تعیین ہوسکے۔

(۳۸) اس نے باذن ولی یہ مزدوری کی اور کہتا ہے کہ یہ پانی مستاجر کے لیے بھرا۔

(۳۹) اسی صورت میں اگرچہ زبان سے نہ کہا مگر اُس کے برتن میں بھرا۔

(۴۰) نابالغ کسی کا مملوک ہے ان نو صورتوں میں وہ نابالغ اُس پانی کا مالک ہی نہ ہوا پہلی تین صورتوں میں مالکِ آب کا ہے پھر ۳۵ سے ۳۹ تک پانچ صورتوں میں مستاجر کا۔ اخیر میں اگر باذنِ مولیٰ کسی کے لیے اجارہ پر بھرا او روہی صورتیں ملک مستاجر کی پائی گئیں تو پانی مستاجر کا ورنہ بہرحال اس کے مولےٰ کا یہاں تک کہ خاص اپنے لیے جو بھرا ہو وہ بھی مولیٰ ہی کی ملک ہوگا۔ یہ پانی جس جس کی ملک ہو اُسے تو جائز ہی ہیں اُس کی اجازت سے ہر شخص کو جائز ہیں جبکہ وہ عاقل بالغ مختار اجازت ہو بلکہ بحالِ انبساط[1] اجازت لینے کی بھی حاجت نہیں مثلاً کسی کے نابالغ نوکر اجیر یا غلام نے پانی بھرا اس کے بھائی یا دوست جو اس کے ایسے مال میں تصرف کرتے اور وہ پسند رکھتا ہے اُس سے بے پُوچھے بھی نابالغ مذکور کا بھرا ہوا پانی اُس سے لے کر اپنے صرف میں لاسکتے بلکہ غلام سے مطلقاً اور اُس کے نوکر سے وقت نوکری میں بھروا سکتے ہیں کہ بہرحال اُس دوست کی ملک میں تصرف[2] ہے نہ نابالغ کی۔

(۴۱) نابالغ حُر کو مالکِ آب نے پانی تملیکاً دیا۔

(۴۲) حُر غیر اجیر نے آبِ مباح غیر مملوک سے اپنے لیے بھرا۔

(۴۳) دوسرے کے لیے بطورِ خود۔

(۴۴) اُس کی فرمائش سے بلامعاوضہ۔

(۴۵) اجیر کے آقا کے کہنے سے بھرا اگر اس کے یہاں کسی اور خاص کام کے لیے نوکر تھا جس میں پانی بھرنا داخل نہ تھا۔

(۴۶) داخل تھا جیسے خدمت گاری مگر نوکری کے وقتِ مقرر سے باہر بھروایا۔

(۴۷) خاص پانی ہی بھرنے پر اسے اجیر کیا نہ وقت مقررہ ہوا نہ پانی معین نہ یہ مقرر کہ اُس کے لیے بھرا نہ اُس کا برتن تھا جس میں بھرا۔

(۴۸) وقت مقرر ہوا اور اُس سے باہر یہ کام لیا ان آٹھ صورتوں میں وہ پانی اُس نابالغ کی ملک ہے اور اُس میں غیر والدین کو تصرف مطلقاً حرام حقیقی بھائی اُس پانی سے نہ پی سکتا ہے نہ وضو کرسکتا ہے ہاں طہارت ہوجائے گی اور ناجائز تصرف کا گناہ اور اُتنے پانی کا اُس پر تاوان رہے گا مگر یہ کہ اُس کے ولی سے یا بچہ ماذون ہو جس کے ولی نے اسے خرید فروخت کا اذن دیا ہے تو خود اس سے پُورے داموں خرید لے ورنہ مفت یا غبن فاحش کے ساتھ نابالغ کی ملک دوسرے کو نہ خود وُہ دے سکتا ہے نہ اُس کا ولی۔ رہے والدین وہ بحالت حاجت مطلقاً اور بے حاجت حسب روایت امام محمد اُن کو جائز ہے کہ اُس سے بھروائیں اور اپنے صرف میں لائیں باقی صورتوں میں اُن کو بھی روا نہیں مگر وہی بعد شرار۔

تنبیہ ۱ یہاں سے اُستاد سبق لیں معلموں کی عادت ہے کہ بچے جو اُن کے پاس پڑھنے یا کام سیکھنے آتے ہیں اُن سے خدمت لیتے ہیں یہ بات باپ دادا یا وصی کی اجازت سے جائز ہے جہاں تک معروف ہے اور اس سے بچے کے ضرر کا اندیشہ نہیں مگر نہ اُن سے پانی بھروا کر استعمال کر سکتے ہیں نہ اُن کا بھرا ہوا پانی لے سکتے ہیں

اقول وعرفهم الحادث علی خلاف الشرع لا یعبؤبه فانه لم یکن فیمن مضی من اهل الخیر و مر الامام الکسائی رحمه الله تعالٰی علی سکة عطشان فاستسقی من بعض بیوتها ثم تذکر انه اقرأ بعض اهلها فمر ولم یشرب۔

اقول اور ان کی نئی اصطلاح جو شریعت کے برخلاف ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں یہ اصطلاح سلف صالحین کے زمانہ میں نہ تھی۔ ایک مرتبہ امام کسائی کا گزر ایک گلی سے ہوا آپ پیاسے تھے تو ایک گھر سے پانی طلب کیا، پھر انہیں یاد آیا کہ انھوں نے اس گھر کے کچھ لوگوں کو پڑھایا ہے، چنانچہ آپ نے پانی واپس کر دیا اور پیاسے ہی وہاں سے گزر گئے۔ (ت)

تنبیہ ۲ کنوئیں کا پانی جب تک کنوئیں سے باہر نکال لیا جائے کسی کی ملک نہیں ہوتا فان سبب الملك الاحراز ولا احراز الا بعد التنحیة عن رأس البئر[1] (سبب ملک احراز ہے اور احراز پانی کو کنوئیں کی منڈیر سے الگ کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ ت) تو استاد جسے بچے سے خدمت لینے کا اختیار ہے یہ کرسکتا ہے کہ پانی بچے سے بھروائے یہاں تک کہ ڈول کنوئیں کے لب تک آئے اُس کے بعد خود اسے نکال لے کہ یہ پانی بچے کی ملک نہ ہوگا بلکہ خود اُس کی۔

فی الهندیة عن القنیة والساق

ہندیہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ جو شخص

---

[1] اس کی تحقیق نمبر ۲۰ میں گزری (م)

من البئر لا یملك بنفس ملاء الدلو حتی ینحیه عن رأس البئر[1] وفی رد المحتار لو احرزه فی جرة او جب او حوض مسجد من نحاس او صفر او جص وانقطع جریان الماء فانه یملکه وانما عبر بالاحراز لا الاخذ اشارة الی انه لو ملأ الدلو من البئر و لم یبعده عن رأسها لم یملك عند الشیخین رضی الله تعالٰی عنهما اذ الاحراز جعل الشیئ فی موضع حصین[2] اھ

کنویں سے پانی بھرتا ہے وہ محض ڈول کے بھرنے سے پانی کا مالک نہیں ہوجائے گا، اُس وقت مالک ہوگا جب اُس پانی کو کنویں کی منڈیر سے الگ کرکے رکھ دے اھ اور ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے مٹکے یا مسجد کے حوض میں پانی جمع کیا، یہ حوض تانبے، پیتل یا گچ کا ہو، اور اس طرح پانی کا بہنا بند ہوگیا ہو تو وہ اس کا مالک ہوجائے گا، انہوں نے اس کو احراز سے تعبیر کیا اخذ سے نہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر ڈول کنویں سے بھرا مگر وہاں سے ہٹایا نہیں تو شیخین کے نزدیک وہ اس کا مالک نہ ہوگا کیونکہ "احراز" کے معنی کسی چیز کو محفوظ جگہ پر رکھنے کے ہیں اھ (ت)

اقول فاذا لم یملکه کان باقیا علی اباحته فالذی نحاه هو الذی احرز المباح فیملکه اھ

میں کہتا ہوں جب یہ شخص اس طرح اس کا مالک نہ ہوا تو پانی اپنی اباحت پر ہی باقی رہا، تو جس نے اس کو کنویں سے ایک طرف ہٹا کے رکھا اور محفوظ کیا تو وہی اس کا مالک ہوا۔ (ت)

تنبیہ ۳ بہشتیوں کے بچّے اکثر کنویں پر پانی بھرتے ہیں لوگوں کی عادت ہے کہ ان سے وضو یا پینے کو لے لیتے ہیں یہ حرام ہے اور عوام کو اس میں ابتلائے عام ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اقول مگر یہاں ایک دقیقہ ہے یہ بچّے داموں پر پانی بھرتے ہیں اور کہیں مشکیں مقرر ہوتی ہیں کہیں گھر کے برتن معین یہ شخص جس نے نابالغ بہشتی سے پانی لیا اگر وہ اس کے یہاں نہیں بھرتا تو اسے مطلقاً جائز نہیں اور اگر بھرتا ہے مگر یہ مشک جسے وہ بھر رہا تھا اور اُس کے ڈول سے پانی اس نے لیا دوسرے کے یہاں لے جائے گا تو نا جائز ہے اور اگر اسی کے یہاں لے جانے کو ہے مگر قرارداد برتنوں کا بھرنا ہے اور وہ پورے بھر دئے جائیں گے تو ناجائز ہے کہ یہ پانی اُس سے زائد ہے یونہی اگر مشکوں کا قرارداد ہے اور یہ مشک بھی اُسے پوری لی تو ناجائز ہے ہاں اگر یہ مشک اتنی خالی لی تو ایسا ہوا کہ اتنا پانی گھر پر نہ پہنچایا یہیں لے لیا یا برتنوں کا قرارداد ہے اور اتنا خالی رکھنے کو کہہ دیا یا جس دوسرے کے یہاں یہ مشک لے جاتا ہے اُس سے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ — الباب الاول من کتاب الشرب — نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۹۲

[2] ردالمحتار — فصل فی الشرب — مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۱

اس قدر پانی کی اجازت لے لی اور اُس نے مشک یا برتن اتنے خالی رکھوائے تو جائز ہونا چاہئے کہ اگرچہ پانی ابھی سقا ہی کی مِلک تھا جب برتنوں میں ڈالے گا اُس وقت اس کی بیع ہوگی اور جس کے یہاں بھرا گیا اُس کی مِلک ہوگا یہ اس لئے کہ بہشتی اجیر مشترک ہیں نہ اُن کا وقت معین ہوتا ہے نہ اتنا پانی قابل تعین ہے اور اپنے ڈول سے بھرتے ہیں اور جب تک مشک کہیں ڈال نہ دیں پانی اپنا ہی جانتے ہیں اُس میں جو چاہیں تصرف کرتے ہیں لہٰذا اُس وقت تک پانی انہی کا ہوتا ہے مگر مقصود اس مول لینے والا کا قبضہ ہے اور اس کی اجازت سے جو تصرف ہو وہ اسی کا قبضہ ہے اگر دس مشکیں اس کے یہاں بھری ہوتی ہیں اور وہ کہے کہ اُن میں سے دو کا چھڑکاؤ یہیں سڑک پر کر دو ضرور بیع صحیح ہو جائے گی اسی طرح اگر اُس میں سے ایک لوٹا یا جس قدر چاہا زید کو دلوا دیا، ھذا ما ظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

تنبیہ معتوہ بوہرا جس کی عقل ٹھیک نہ ہو تدبیر مختل ہو کبھی عاقلوں کی سی بات کرے کبھی پاگلوں کی مگر مجنون کی طرح لوگوں کو محض بے وجہ مارتا گالیاں دیتا اینٹیں پھینکتا نہ ہو وہ تمام احکام میں صبی عاقل کی مثل ہے تو یہ سب احکام بھی اُس میں یُوں ہی جاری ہوں گے۔

اقول مگر غنی ماں باپ کا اُس کے بھرے ہُوئے سے انتفاع امام محمد سے دربارۂ صبی مردی اور اُس کا مبنیٰ عرف وعادت اور معتوہ میں اس کی عادت ثابت نہیں اور منع میں بوجہ ندرت عدم لزوم حرج نہیں تو یہاں ظاہر قول اول ہی مختار ہونا چاہئے واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم۔

فائدہ یہاں تک وُہ پانی تھے جن میں اُن کا غیر نہ ملا آگے خلط غیر کی صورتیں ہیں۔

(۴۹ تا ۶۵) کتب کثیرہ معتمدہ میں تصریح ہے کہ اگر نابالغ نے حوض میں سے ایک کوزہ بھرا اور اس میں سے کچھ پانی پھر اُس حوض میں ڈال دیا اب اُس کا استعمال کرنا کسی کو حلال نہ رہا۔

فی ش عن ط عن الحموی عن الدرایۃ عن الذخیرۃ والمنیۃ وفی غمز العیون عن شرح المجمع لابن الملک عن الذخیرۃ وفی الاشباہ من احکام الصبیان وفی الحدیقۃ الندیۃ عن الاشباہ فی النوع العشرین من اٰفات اللسان وفی غیرھا من الکتب الحسان عبد او صبی او امۃ ملأ الکوز من ماء الحوض واراق

ش میں ط سے حموی سے درایہ سے ذخیرہ سے اور منیہ سے ہے اور غمز العیون میں شرح مجمع سے (یہ ابن ملک کی کتاب ہے) ذخیرہ سے ہے، اور اشباہ میں (احکام الصبیان میں) اور حدیقہ ندیہ میں اشباہ (آفات اللسان کی بیسویں نوع میں) اور دوسری کتب میں ہے کسی غلام بچے یا باندی نے حوض کے پانی سے لوٹا بھرا پھر اس میں سے کچھ اُسی کے اندر انڈیل دیا تو اب کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس حوض

بعضہ فیہ لایحل لاحد ان یشرب من ذٰلک الحوض لان الماء الذی فی الکوز یصیر ملکا للاٰخذ فاذا اختلط بالماء المباح ولا یمکن التمییز لایحل شربہ[1]۔

سے پانی پئے کیونکہ حوض کا پانی لینے والے کی ملک ہوجاتا ہے تو جب یہ ملکِ مباح سے مل گیا اور اس میں تمیز ممکن نہیں تو اس کا پینا حلال نہ ہوگا[2]۔ (ت)

علامہ طحطاوی وعلامہ شامی نے اسے نقل کرکے فرمایا اس حکم میں حرج عظیم ہے۔

اقول یہاں بہت استثنا و تنبیہات ہیں:

اول مراد آبِ مباح غیر مملوک ہے تو حکم نہ ہر حوض کو شامل نہ حوض سے خاص بلکہ کنوؤں کو بالعموم حاوی ہے کہ کنواں اگرچہ مملوک ہو اس کا پانی مملوک نہیں کما تقدم تحقیقہ (جیسا کہ اسکی تحقیق گزر چکی ہے۔ت) اور وہ حوض جس کا پانی مملوک ہے اُس کا مالک اگر عاقل بالغ ہے تو بچہ ہزار بار اس میں سے پانی بھر کر اس میں پلٹ دے کچھ حرج نہ آئے گا کہ مال جس کا تناول اس کے مالک نے مباح کیا ہو بعد اخذ تصرف بھی ملکِ مالک سے خارج نہیں ہوتا یہاں تک کہ دعوت کا کھانا کھاتے وقت بھی میزبان ہی کی ملک پر کھایا جاتا ہے تو بچہ اُس پانی کا مالک ہی نہ ہوگا اصل مالک کی ملک پر رہے گا اور ڈال دینے سے اُسی کی ملک میں جائیگا۔

دوم ہماری تحقیقاتِ بالا سے واضح ہوا کہ ہر مباح بھی مطلقاً آخذ کی ملک نہیں ہوجاتا تو پانی کو مباح و مملوک کو شامل لے کر وہی سترہ صورتیں یہاں بھی پیدا ہوں گی جو نابالغ کے بھرے ہوئے پانی میں گزریں نو صورتوں میں وہ پانی اُس بھرنے والے کی ملک نہ ہوگا بلکہ اصل مالکِ آب یا مستاجر یا مولٰی کی ملک ہوگا وہ اگر عاقل یا

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۲

[2] حکم کی شدت نے اس مسئلہ کو مشکل بنا دیا ہے کیونکہ عوام و خواص کے ابتلاء کی وجہ سے یہ حکم موجب حرج اور تنگی ہے جبکہ ابتلاء عوام داعی یُسر و آسانی ہے اللہ تعالٰی بے حساب رحمتیں نازل فرمائے فقہاء کرام پر جنہوں نے اللہ تعالٰی کی مخلوق پر شفقت فرمائی اور ایسے پیچیدہ اور مشکل مسائل کو حل فرمایا جس سے عوام الناس کیلئے آسانی اور سہولت کی راہ ہموار ہوتی چنانچہ امام احمد رضا بریلوی (مصنف) نے اس مسئلہ کی شدت کو محسوس فرمایا اور انہوں نے فقہاء احناف کے اقوال کی روشنی میں اسکا حل صفحہ ۵۳۲ پر خود بیان فرمایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے مسئلہ مذکورہ اگرچہ نجاست و طہارت کا نہیں بلکہ اسکا تعلق حظر و اباحت سے ہے، تاہم پاک پانی میں نجس پانی کے اختلاط کے مسئلہ میں فقہاء احناف کے بیان کردہ قواعد کی روشنی میں اسکو حل کیا جاسکتا ہے عراقی فقہاء نے پاک پانی میں نجس پانی گرنے سے متعلق فرمایا کہ بڑے حوض کے کثیر پانی میں جس جگہ نجس پانی گرا ہو اس جگہ کو چھوڑ کر باقی حوض سے وضو جائز ہے کیونکہ باقی جگہوں تک نجاست کا پہنچنا مشکوک ہے لہٰذا شک کی بنا پر باقی پانی کی طہارت زائل نہ ہوگی جبکہ جمہور فقہاء نے ایسی صورت میں تمام حوض حتی کہ جس جگہ نجاست گری ہے اس جگہ پر بھی وضو کو جائز فرمایا کیونکہ پانی طبعی طور پر سیال ہے اور ہواؤں وغیرہ کی تحریک کی وجہ سے پانی ایک جگہ ساکن نہیں رہتا لہٰذا حوض کے باقی حصوں میں نجاست پہنچنے نہ پہنچنے کے احتمال کی وجہ سے باقی بلکہ تمام پانی کو بالیقین نجس نہیں کہہ سکتے لہٰذا نجاست کا یقین زائل ہوجانے پر پانی کا اصل حکم یعنی طہارت باقی رہے گا اس طرح حوض کے ہر حصہ کے پانی کو پاک قرار دیا جائیگا، عراقی یا جمہور فقہاء کرام کے ضابطہ پر نابالغ بچے کی ملکیت پانی کو قیاس کرتے ہوئے مذکورہ مشکل مسئلہ کا حل واضح ہوجاتا ہے، عراقی ضابطہ کے پیشِ نظر جہاں نابالغ بچے کا پانی گرا اس جگہ کو چھوڑ کر باقی تمام پانی کا استعمال مباح ہوگا جبکہ جمہور فقہاء کے ضابطہ کے تحت نابالغ کے پانی گرنے کی جگہ سمیت تمام پانی مباح ہوگا مصنف کی اصل عبارت میں تفصیل موجود ہے۔ عبدالستار سعیدی

بالغ نہیں تو البتہ یہی وقت عود کرے گی ورنہ اُس عاقل بالغ کی اجازت پر توقف رہے گا۔

سوم صبی کی خصوصیت نہیں معتوہ بھی اسی کے حکم میں ہے کما تقدم۔

چہارم جس طرح کلامِ علما میں پینے کا ذکر مثال ہے مراد کسی قسم کا استعمال ہے اسی طرح کچھ یہی شرط نہیں کہ حوض یا کنوئیں سے پانی لے کر ہی ان میں ڈالے یا جس حوض یا چاہ سے لیا اس میں واپس دے یا وہ نابالغ ہی اپنے ہاتھ سے ڈالے بلکہ مقصود اُسی قدر ہے کہ مالِ مباح میں نابالغ کی مِلک کا اس طرح مل جانا کہ جُدا نہ ہوسکے تو اگر صبی کی مِلک کا پانی اُس کے گھر سے لا کر کسی شخص اگرچہ خواہ اُس کے ولی نے کسی کنوئیں یا مباح حوض میں ڈال دیا اس کا استعمال تابقائے آبِ مذکور ناجائز ہوگیا۔

پنجم ظاہر ہے کہ یہ عدمِ جواز اوروں کے حق میں بوجہ اختلاطِ ملکِ صبی ہے خود صبی استعمال کرسکتا ہے کہ وہ نہیں مگر اُس کی مِلک یا مباح۔

ششم اُس کے ماں باپ بھی بشرطِ حاجت بالاتفاق اور بلاحاجت روایت امام محمد پہ استعمال کرسکتے ہیں تو لا یحل لاحد (کسی کے لیے جائز نہیں۔ ت) عام مخصوص ہے۔

ہفتم اگر وہ کنواں یا حوض ترک کردیں اور صبی بلوغ کو پہنچے اور اُس وقت اس پانی کو مباح کردے تو اب کوئی مانع نہیں۔

ہشتم اگر وہ صبی انتقال کرجائے اُس کے سب ورثہ عاقل بالغ ہوں تو اب ان کی اجازت پر وقت نہ رہے گی اور اگر ایک ہی وارث ہے تو اسے خود حلال خالص ہے کسی کی اجازت کی بھی حاجت نہیں۔

نہم اگر وہ پانی کہ صبی کی ملک سے اُس میں مخلوط ہوا باقی نہ رہے تو اب سب کو مباح ہوجائیگا کہ مانع زائل ہوگیا۔

دہم مسئلہ سابقہ یعنی نابالغ کے بھرے ہُوئے پانی میں جو ایک صورتِ جواز اُس سے اگر ماذون ہو ورنہ اُس کے ولی سے خرید لینے کی تھی یہاں جاری نہیں ہوسکتی کہ مِلکِ صبی کا پانی جب اُس آبِ مباح میں مل گیا قابلِ بیع نہ رہا کہ مقدور التسلیم نہیں۔

یازدہم آبِ مباح کی ضرورت بھی اُس حالت میں ہے کہ بچّہ کا اُس میں سے بھر کر اُس میں ڈال دینا لیں کہ مباح پر مِلک یُوں ہی ہوگی ورنہ مِلکِ نابالغ کا پانی اگر کسی کے مملوک پانی میں مل جائے گا تو اُس کا استعمال بھی حرام ہوجائے گا حتی کہ اُس مالکِ آب کو۔

دوازدہم ایک یا دونوں طرف کچھ پانی کی خصوصیت نہیں بلکہ کسی کے مملوک پانی میں بچے کی مِلک کا عرق یا دودھ یا کسی کے مملوک عرق یا دُودھ میں بچّے کی مِلک کا پانی یا چاول میں چاول گیہوں میں گیہوں مل جائیں

جب بھی یہی حکم ہے کہ اس میں تصرف خود مالک کو بھی حرام ہو گیا تو مسئلہ کی تصویر یُوں ہونی چاہئے کہ اگر کسی شے مباح یا مملوک میں کسی غیر مکلف کی مِلک اس طرح خلط ہوجائے کہ تمیز ناممکن ہو اگرچہ یُوںہی کہ مثلاً مباح غیر مملوک پانی سے صبی یا معتوہ حر غیر اجیر نے بھرا اور اگر وُہ کنواں ہے تو اُس سے بھر کر باہر نکال لیا اور اگر اجیر ہے تو نہ وقت معین نہ وہ مباح معین نہ یہ مستاجر کے لیے لینے کا مقرر نہ اُس کے ظرف میں لیا پھر ان صورتوں میں اُس کا کوئی حصہ اُس میں کسی نے ڈال دیا یا پڑ گیا تو جب تک اُس غیر مکلف کی مِلک اُس مباح یا مملوک میں باقی ہے اور وہ غیر مکلف ہے اور مِلک اُس سے منتقل نہ ہو گئی اُس وقت اُس غیر مکلف یا بحال حاجت خواہ ایک روایت پر پانی میں مطلقاً اُس کے ماں باپ کے سوا کسی کو اُس میں تصرف حلال نہیں۔

سیزدہم حدیث العبد والامۃ ردہ ش بان العبد لایملک وان ملک فیکون لمالکہ لانہ مالک اکسابہ[1]

سیزدہم: غلام اور باندی کے مسئلہ کو "ش" نے یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ غلام پانی کا مالک نہیں بنے گا اور اگر مالک ہوگا بھی تو وُہ پانی اُس کے مالک کی ملکیت میں آجائے گا کیونکہ اس کی تمام کمائی کا مالک اُس کا مالک ہی ہے۔ (ت)

اقول ماکانوالیذ ھلوا عن مثل ھذا وانما المقصد ابانۃ الفرق بین الحر العاقل البالغ وبین الصبی والمعتوہ و الرقیق فان الاول اذا ملاٗ ملک فاذا صب اباح وھؤلاء لایملکون الاباحۃ فلا یحل بصبھم ولیس المراد تأبید التحریم بل الٰی ان تلحق الاجازۃ ممن ھی لہ ففی الصبی او المعتوہ حتی یبلغ او یعقل فیجیزہ وفی الرقیق حتی یجیز المالک المکلف الحاضر حالا او مآلا او یبلغ الغائب او یبلغ الصبی او یفیق المعتوہ فیجیزوا۔

میں کہتا ہُوں فقہا سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ اتنی معمولی سی بات اُن کے ذہن میں نہ آئی ہو، دراصل ان کا مقصود آزاد عاقل بالغ اور بچہ، بیوقوف اور غلام کے درمیان فرق کو ظاہر کرنا ہے، کیونکہ آزاد شخص جب پانی بھرے گا تو مالک ہو جائیگا اور جب بہائے گا تو مباح کردے گا، اور یہ لوگ اباحت کا حق نہیں رکھتے ہیں، لہذا پانی ان کے انڈیل دینے سے مباح نہ ہوگا اور مراد یہ نہیں کہ حرمت ہمیشہ رہے گی، بلکہ یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ اس کا مالک اجازت نہ دے دے، چنانچہ بچہ اور بیوقوف کی صورت میں بلوغ یا عقل کی درستی کے بعد اجازت دینے سے اس کا پینا حلال ہو جائے گا اور غلام کی صورت میں اس کے آقا کی اجازت سے جو مکلف حاضر ہو

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۲

فی الحال یا فی المآل، یا غائب پہنچ جائے یا بچہ بالغ ہوجائے یا بے وقوف عاقل ہوجائے، اور وہ اجازت دے دیں۔ (ت)

چاردہم عد ش من اشکالاتہ انہ لم یبین متی یحل الشرب منہ[1] اھ واشرت الی جوابہ بقولی ما بقی فیہ ذٰلک الماء لان المنع لاجلہ فاذا ذھب ذھب۔

چہاردہم: ش نے اس پر یہ اشکال محسوس کیا ہے کہ انھوں نے یہ بیان نہیں کیا کہ اس کا پینا کب حلال ہوگا اھ میں نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تک اس میں یہ پانی باقی ہے کیونکہ حرمت اسی کی وجہ سے ہے جب یہ ختم ہوجائیگا تو حرمت بھی ختم ہوجائے گی۔ (ت)

پانزدہم قال وھل ثم فرق بین الحوض الجاری او ما فی حکمہ وبین غیرہ[2] اھ

پندرھواں، کیا حوض جاری اور جو اس کے حکم میں ہے اس میں اور دوسرے پانیوں میں اس سلسلہ میں فرق ہے؟ (ت)

اقول تعبیرھم بالحوض ظاھر[3] فی رکودہ فان الجاری یسمی نھر الاحوضا والاطلاق یشمل الصغیر والکبیر وھو الوجہ فان الماء الجاری یذھب ذٰلک الماء یقینا فیزول السبب ولا کذٰلک الراکد۔

میں کہتا ہوں فقہا کا حوض سے تعبیر کرنا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کی مراد ٹھہرا ہوا پانی ہے کیونکہ جاری پانی کو نہر کہا جاتا ہے حوض نہیں کہتے ہیں اور اطلاق چھوٹے بڑے دونوں کو شامل ہے اور یہی معقول وجہ ہے کیونکہ جاری پانی اس پانی کو جو پھینکا گیا ہے بہالے جائے گا، تو سببِ حرمت زائل ہوجائیگا اور ٹھہرے ہوئے پانی کی یہ صورت نہیں۔ (ت)

شانزدہم قال وینبغی ان یعتبر غلبۃ الظن بانہ لم یبق مما اریق فیہ شیئ منہ بسبب الجریان اوالنزح والا یلزم ھجر الحوض وعدم الانتفاع بہ اصلاً[4] اھ

سولھواں: فرمایا غلبۂ ظن کا اعتبار بھی کیا جانا چاہئے یعنی یہ کہ پانی کے جاری رہنے یا اُس میں سے پانی کے نکالے جانے کے باعث جو پانی کہ اس میں ڈالا گیا تھا اُس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا ورنہ تو پھر حوض کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہنا پڑیگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۲
[2] " " " " "
[3] ;" " " " "

اقول لاینبغی الشك فی الجواز بعد النزح لما سیأتی انما الشأن فی جواز النزح وکیف یحل مع ان فیه اضاعة ملك الصبی ان صب فی الارض او الانتفاع به ان سقی به نحو زرع او بستان وکذلك الاجراء وان ابیح ذلك الا ان فلم لا یباح الشرب والاستعمال من رأس اذ لیس فیه فوق هذا باس نعم ان جری بمطر او سیل فذلك حل من دون اثم۔

میں کہتا ہوں، جب اس حوض کا پانی نکل جائے تو پھر جواز میں کوئی شک نہیں لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ آیا اُس تمام پانی کا نکال دینا جائز ہے؟ اس میں اشکال یہ ہے کہ نکال کر اگر یوں ہی بہا دیا جائے تو بچہ کا مال ضائع ہو جائیگا اور کسی باغ یا کھیت وغیرہ کو لگا دیا جائے تو اُس سے نفع حاصل کرنا لازم آئیگا، اسی طرح جاری کرکے بہا دینا بھی درست نہیں اور اگر اس سے یہ تمام کام کرنا جائز ہیں تو شروع ہی سے اس کا پینا اور اس کو استعمال کرنا کیوں جائز نہیں، اُس میں اس سے زیادہ کیا حرج تھا؟ ہاں یہ صورت ہوسکتی ہے کہ بارش یا سیلاب کی وجہ سے حوض کا پانی بہہ نکلا تو وہ بلا حرج حلال ہو جائیگا۔ (ت)

ہفدہم قال ویمکن ان یعتبر بالنجاسة فیحل الشرب من نحو البئر بالنزح ومن غیرها بالجریان بحیث لوکان نجاسة لحکم بطهارتها فلیتأمل[1] اھ

سترھواں: فرمایا یہ ممکن ہے کہ نجاست کا اعتبار کیا جائے، تو کنویں سے پانی نکال کر پینا جائز ہوگا اور کنویں کے علاوہ دوسری چیزوں سے اُس پانی کے جاری ہونے کی وجہ سے پینا جائز ہو جائیگا، گویا اگر اس میں نجاست بھی ہوتی تو اس کی طہارت کا حکم دیا جاتا، فلیتأمل اھ (ت)

اقول عرفت مافیه والنزح فی النجاسة معدول به عن سنن القیاس فکیف یعتبر به وکأنه رحمه الله تعالٰی الی هذه الابحاث اشار بقوله فلیتأمل۔

میں کہتا ہوں، اس پر جو اعتراض ہے وہ معلوم ہو چکا ہے، اور کل پانی کا نجاست کی صورت میں نکالنا برخلاف قیاس ہے تو اس پر آگے قیاس کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور غالباً انہوں نے ان ابحاث کی طرف فلیتأمل سے اشارہ کیا ہے (ت)

ہیجدہم سب سے زیادہ اہم اس کا علاج ہے کہ یہ پانی قابلِ استعمال کیونکر ہو سید طحطاوی نے تو اتنا فرمایا کہ اس میں حرج عظیم ہے سید شامی نے جو علاج بتائے دفع اثم کو کافی نہیں ہوتا،

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۲

واشار سیدی العارف باللہ عبد الغنی النابلسی قدس سرہ فی الحدیقۃ الی ان تفریعہ باذن الولی حیث قال فی النوع العشرین من اٰفات اللسان بعد ما نقل المسألۃ عن الاشباہ وعللھا بما قدمنا مانصہ وظاھرہ الا ان یاذن الولی قال ونظیرہ عدم حل الشرب من کیزان الصبیان الا باذن الولی وکذلک فی اکل ما معھم اذا اعطوہ لاحد اھ[1]

عارف باللہ سید عبد الغنی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا حل یہ ہے کہ اگر ولی اجازت دے تو جائز ہے یہ بات انہوں نے آفات اللسان کی بیسویں نوع میں اس مسئلہ کو اشباہ سے نقل کرنے اور اس کی علت بیان کرنے کے بعد کہی ہے جس کی عبارت ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ "مگر یہ کہ ولی اجازت دے دے" اور اس کی مثال یہ ہے کہ بچوں کے کوزوں سے پانی پینا ولی کی اجازت ہی سے جائز ہے، اور اسی طرح دوسری کھانے والی اشیاء کا حال ہے بچے جب وہ کسی کو دیں۔ (ت)

اقول رحم اللہ سیدی ورحمنا بہ انما الولایۃ نظریۃ ولیس للولی اتلاف مالہ ولا ان یاذن بہ غیرہ کیف وقد تقرر ان التصرفات ثلثۃ نفع محض کقبول الھبۃ فیستبد بہ الصبی العاقل ودائر بین النفع والضرر کالبیع والشراء فیحتاج الی اذن الولی وضرر محض کالطلاق والعتاق والھبۃ فلا وجہ لصحتہ ولا باذن الولی وھذا من الثالث ووجہ ھذا السھو منہ رحمہ اللہ تعالٰی قول الماتن فی الطریقۃ المحمدیۃ حیث ذکر السؤال المنھی عنہ ثم قال (حرمۃ السؤال لاتقتصر علی المال بل تعم الاستخدام خصوصا اذا کان صبیا او مملوکا للغیر اما صبی نفسہ

میں کہتا ہوں اللہ عبد الغنی پر رحم کرے اور ہم پر بھی ولی کی ولایت صرف نظری (بچہ کی بھلائی کے لیے) ہے ولی بچہ کا مال تلف نہیں کرسکتا ہے اور نہ دوسروں کو دے سکتا ہے، یہ بات طے شدہ ہے کہ تصرفات تین قسم کے ہیں نفع محض جیسے بچہ کا ہبہ کا قبول کرنا، عاقل بچہ بذات خود ہبہ قبول کرسکتا ہے اور ایک وہ جس میں نفع کا بھی احتمال ہے اور نقصان کا بھی۔ جیسے خرید و فروخت اس میں ولی کی اجازت ضروری ہوگی اور سراسر نقصان والی بات جیسے طلاق، آزاد کرنا اور ہبہ کرنا، تو اس کی صحت کی کوئی صورت نہیں، ولی کی اجازت سے بھی نہیں، اور یہ تیسری قسم ہی میں شامل ہے۔ ان کو یہ سہو اس لیے لاحق ہوا کہ ماتن نے طریقہ محمدیہ میں منہی عنہ کے سوال کو ذکر کیا ہے پھر یہ لفظ کہے ہیں "حرمۃ السؤال لاتقتصر علی المال" الا سوال جو بے ضرورت شرعیہ حرام ہے یہ صرف مال

[1] حدیقہ ندیہ النوع العشرون من اٰفات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۶۹

فیجوز) للاب والام والجد والجدة (استخدامه ان کان) المستخدم (فقیرا لاقدرة له علی شراء خادم او استیجارہ (اواراد تھذیبه وتادیبه[1] بخلاف[عہ] استخدام مملوکه واجیرہ وزوجته فی مصالح البیت وتلمیذہ) فی تعلیم قراٰن او علم او صنعة (باذنه) یعنی برضاہ (ان کان بالغا او باذن ولیه ان کان صبیا) فان الصبی محجور علیه من التصرف فی ماله فی منافع نفسه الا باذن الولی اھ[2] ملتقطا مزیدا من شرحه رحمه الله تعالٰی فالاذن الذی ذکرہ الماتن فی استخدامه عداہ الی ماله و شتان ماھما فان فی الاول نفعه من تادیبه وتھذیبه مع ضرر استعماله فکان من القسم الثانی فجاز باذن الولی بخلاف الثالث والذی افاد من حل الشرب من کوز الصبی واکل ما معه باذن الولی۔ (ت)

مانگنے پر ہی موقوف نہیں بلکہ اجنبی سے کسی خدمت کا کہنا بھی حرام سوال میں داخل ہے خصوصاً دوسرے کے نابالغ بچے یا غلام سے۔ اگر کسی کا اپنا بچہ ہے تو باپ، ماں، دادا اور دادی کے لیے (اس سے خدمت لینا جائز ہے، اگر) خدمت لینے والا (فقیر ہو) خادم نہ خرید سکتا ہو یا کسی کو ملازم نہ رکھ سکتا ہو (یا بچہ کی تہذیب و تربیت کا ارادہ ہو مگر اس شرط میں غلام، مزدور، بیوی سے گھر کا کام کاج کرانا شامل نہیں کہ ان سے بغیر احتیاج کے گھر کا کام لینا جائز ہے اور شاگرد سے خدمت لینا درست ہے مثلاً طالبعلم سے قرآن سکھانے یا کوئی علم سکھانے یا کسی حرفت کے سکھانے کا کام لیا جائے (اسکی مرضی سے اگر وہ بالغ ہے، ورنہ اس کے ولی کی رضا سے اگر وہ بچہ ہے) کیونکہ بچہ اپنی منفعت کے لیے بھی اپنے مال میں ولی کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا ہے اھ ملتقطاً، اور شرح سے اضافہ ہے تو وہ اجازت جس کا ذکر ماتن نے کیا ہے اسکے استخدام میں تو شارح نے اس کو مال تک بڑھا دیا ہے اور دونوں میں بہت فرق ہے، کیونکہ پہلی صورت میں اس کا نفع ہے کہ اس کی تادیب و تہذیب ہے جبکہ اس سے کام کرانے میں ضرر بھی ہے، تو یہ دوسری قسم میں داخل ہوا، اس لیے ولی کی اجازت سے جائز ہوگا، جبکہ تیسرا ایسا نہیں ہے، اور جس کا انہوں نے فائدہ دیا ہے وہ بچہ کے کوزہ سے پانی پینے کا جواز ہے یا جو چیز بچہ کے پاس ہے اس کے کھانے کا جواز ہے ولی کی اجازت سے۔ (ت)

عہ ناظراً الی قوله اذا کان صبیا او مملوکا للغیر ۱۲ منه غفرله۔ (م)

اس کے قول اذا کان صبیاً او مملوکا للغیر کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ (ت)

---

[1] حدیقہ ندیہ النوع الشرین من آفات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۶۷

[2] حدیقہ ندیہ النوع العشرون من آفات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۶۸

فاقول محله[1] اذا کان الماء والطعام للولی اعطاھما الصغیر علی وجه الاباحة دون الھبة فحینئذ یکون للولی ان یأذن لمن شاء لبقائھما علی ملکه بخلاف ما اذا کان الشیئ مملوکا للصغیر فلا معنی اذا لاذن الولی باستھلاکه من دون عوض وقد تقدمت مسألة الذخیرة والمنیة ومعراج الدرایة فی ماء جاء به الصبی من الوادی لا یجوز لابویه الشرب منه الا فقیرین[1]۔

تو میں کہتا ہُوں اگر پانی اور کھانا ولی کا ہے اور بطورِ اباحت (نہ بطورِ ہبہ) اُس نے بچہ کو دے رکھا ہے تو ایسی صورت میں ولی کسی کو بھی اجازت دے سکتا ہے، کیونکہ یہ دو چیزیں اب بھی ولی کی ملکیت میں باقی ہیں یہ اُس صورت سے مختلف ہے جبکہ یہ اشیاء بچہ کی ملکیت میں ہوں تو ایسی صورت میں ولی کی اجازت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں ولی کی اجازت سے صغیر کے مال کو بغیر عوض ضائع کرنا لازم آئیگا اور جائز نہیں اور ذخیرہ، منیہ اور معراج الدرایہ کا مسئلہ گزر چکا ہے کہ بچہ وادی سے جو پانی لائے اس کو والدین کے لیے پینا جائز نہیں سوائے اس صورت کے کہ وہ فقیر ہوں۔ (ت)

غرض مسئلہ مشکل ہے اور اس میں ضرور حرج ہے اور حرج مدفوع بالنص ہے۔

وانا اقول وباللہ التوفیق پانی کہ ملکِ صبی ہوا نجس نہیں کہ اُس کے گرنے سے اور پانی ناپاک ہو جائے حرمت اس وجہ سے ہے کہ مباح ومحظور مختلط ہو گئے ہیں یہاں تک کہ اگر ممکن ہو کہ مباح استعمال کیا جائے اور اس میں کوئی حصہ محظور کا نہ آنے پائے تو بلاشبہ جواز ہوگا اور ہم نے رحب الساحہ جواب سوال سوم میں بیان کیا ہے کہ مشایخ عراق کے نزدیک حوض کبیر میں نجاست غیر مرئیہ کے موقع وقوع سے وضو جائز نہیں کہ پانی ٹھہرا ہوا ہے منتقل نہ ہو گی اور مشایخ بلخ وبخارا اور ماوراء النہر کے نزدیک سب جگہ سے جائز کہ پانی بالطبع سیال ہے ہواؤں وغیرہا کی تحریک سے اُسے ایک جگہ نہ رہنے دے گا تو جہاں کہیں وضو کیا جائے وہاں نجاست ہونے کا یقین نہیں اگرچہ خاص موقع وقوع سے ہو تو پانی کہ بالیقین طاہر تھا شک سے نجس نہ ہوگا اب یہاں اگر قول عراقیاں لیا جائے جب تو خاص اُسی جگہ کا پانی ممنوع الاستعمال ہوگا جہاں نابالغ کی مِلک کا پانی گرا ہے باقی اپنی اباحت پر باقی ہے لما علمت انه لا تعدیة فیه فکان کغیر مرئیة فی حوض کبیر (جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس میں تجاوز نہیں تو ایسا ہی ہے جیسا حوضِ کبیر میں نجاست غیر مرئیہ ہو۔ ت) اور اگر قولِ جمہور لیا جائے اور وہی صحیح ہے تو بوجہ احتمال انتقال اختلاط مِلکِ صبی کا یقین کسی موضع معین میں نہیں بلکہ موضع مجہول ومبہم میں ہے اور ایسے یقین پر جب اُس شے کے بقا وزوال میں شک طاری ہو یقین زائل اور حکم اصل حاصل ہوتا ہے جیسے دائیں چلانے میں بیل ضرور پیشاب کرتے اور اناج کا ایک حصہ یقیناً ناپاک ہوتا ہے مگر متعین نہ رہا

---

[1] ردالمحتار بالمعنی باب الشرب البابی مصر ۵/۳۱۲

تو بعد تقسیم یا اُس میں سے کچھ ہبہ یا صدقہ کرنے سے سب پاک ہو جائیگا کہ ہر ایک کہے گا ممکن کہ ناپاک دانے دوسرے حصے میں رہے یا گئے ہوں، یُوں ہی چادر پر ناپاکی یقینی ہے اور جگہ معلوم نہیں یا یاد نہ رہی اور تحری کسی طرف نہیں پڑتی کہیں سے پاک کرلی جائے پاک ہو جائے گی کہ اب اس تیقن مبہم کی بقا میں شک ہو گیا اور سب سے زائد وہ مسئلہ ہے کہ محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سیر کبیر میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک قلعہ فتح کیا اتنا معلوم ہے کہ اس میں ایک ذمی ہے مگر اُسے پہچانتے نہیں اُن کفار کا قتل حرام ہے ہاں اگر اُن میں سے بعض نکل جائیں یا کوئی قتل کر دے تو اب باقیوں کا قتل جائز ہو گیا کہ وہ یقین مجہول اس شک سے زائل ہو گیا۔

وقد حققہ العلامۃ ابراھیم الحلبی فی الغنیۃ فافاد واجاد؛ علیہ رحمۃ الجواد؛ فراجعہ فانہ من اھم مایستفاد؛ ویکفینا منہ ھنا قولہ تنجس طرف من الثوب فنسیہ فغسل طرفا منہ بتحر او بلا تحر طھر لان بغسل بعضہ مع ان الاصل طھارۃ الثوب وقع الشک فی قیام النجاسۃ لاحتمال کون المغسول محلھا فلایقضی بالنجاسۃ بالشک کذا اوردہ الاسبیجابی فی شرح الجامع الکبیر قال وسمعت الشیخ الامام تاج الدین احمد بن عبد العزیز یقولہ ویقیسہ علی مسألۃ فی السیر الکبیر ھی اذا فتحنا حصنا وفیھم ذمی لایعرف لایجوز قتلھم لقیام المانع بیقین فلو قتل البعض او اخرج حل قتل الباقی للشک فی قیام المحرم کذا ھنا۔[1]

اس کی تحقیق ابراہیم حلبی نے غنیہ میں بہت اعلٰی اور مفید طریق پر کی ہے جس کو دیکھنا ہو وہاں ملاحظہ کرے، یہاں اس کی صرف یہ عبارت نقل کرنا کافی ہوگی" اگر کپڑے کا ایک کنارہ ناپاک ہو گیا مگر بُھول گیا کہ کون سا کنارہ ہے تو تحری کر کے یا بلا تحری ایک کنارہ دھولیا تو کپڑا پاک ہو جائے گا" کیونکہ کپڑے میں اصل طہارت ہے اور جب ایک کنارہ دھولیا تو اب نجاست کے ہونے میں شک ہو گیا، کیونکہ جو حصہ دھویا گیا ہے اس میں امکان ہے کہ وہی ہو جو نجس تھا، تو شک کی بنیاد پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جائیگا، اسبیجابی نے شرح جامع کبیر میں ایسا ہی لکھا ہے، فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ تاج الدین احمد بن عبد العزیز کو فرماتے ہوئے سنا وہ اس کو سیر کبیر کے اس مسئلہ پر قیاس کرتے تھے کہ اگر ہم نے ایک قلعہ فتح کیا اور اس میں ایک ذمی ہے مگر معلوم نہیں کہ کون ہے، تو اس قلعہ کے لوگوں کا قتل جائز نہیں، کیونکہ یقین کرنے کا مانع موجود ہے، اور اگر بعض کو قتل کر دیا گیا یا نکال دیا گیا تو باقی کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ مُحرِّم کی موجودگی میں شک ہے۔ (ت)

---

[1] غنیۃ المستملی فروع من النجاستہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۰۴

جب یہ قاعدہ نفیسہ معلوم ہولیا یہاں بھی اُس کا اجرا کریں جتنا پانی[1] اُس نابالغ نے ڈالا ہے اسی قدر یا اُس سے زائد اُس حوض یا کنوئیں سے نکال کر اُس نابالغ کو دے دیں یہ دینا یقیناً جائز ہوگا کہ اگر اِس میں مِلک صبی ہے تو صبی ہی کے پاس جاتی ہے بخلاف بہادینے یا ڈول کھینچ کر پھینک دینے کے کہ وہ مِلک صبی کا ضائع کرنا ہے اور یہ جائز نہیں اب کہ اُس قدر یا زائد پانی اُس صبی کو پہنچ گیا اُس کے ڈالے ہوئے پانی کا باقی رہنا مشکوک ہوگیا تو وہ یقین کہ موضع مجہول کے لیے تھا زائل ہوگیا اور حوض و چاہ کا باقی پانی جائز الاستعمال ہوگیا۔

ثم اقول اس پر واضح دلیل مثلیات مشترکہ[2] مثلاً گیہوں وغیرہ میں وارث کبیر کا اپنا حصہ وارث نابالغ کے حصے سے جدا کرلینے کا جواز ہے اور اس کی یہ تقسیم جائز و مقبول رہے گی اگر نابالغ کا حصہ اُس کے لیے سلامت رہے تلف نہ ہوجائے جامع الفصولین میں فتاوٰی اور جامع الصغار میں ذخیرہ سے ہے:

کیلی اووزنی بین حاضروغائب او بین بالغ وصبی اخذ الحاضر اوالبالغ نصیبه فانما تنفذ قسمته بلاخصم لوسلم نصیب الغائب والصبی حتی لوھلك مابقی قبل ان یصل الی الغائب اوالصبی ھلك علیھما۔[3]	کوئی مکیل یا موزوں شے حاضر و غائب کے درمیان یا بالغ اور بچّہ کے درمیان مشترک ہے تو حاضر یا بالغ نے اپنا حصّہ لے لیا اور اس کی تقسیم بلاخصم نافذ ہوجائے گی بشرطیکہ غائب اور بچّہ کا حصہ باقی رہا اور اگر غائب اور بچہ تک پہنچنے سے قبل ہی وہ حصہ ہلاک ہوگیا تو ان کا حصہ ہی ہلاک ہوگا۔ (ت)

---

[1] اگر کہیے مائے مباح سے جو لے گا مالک ہوگا تو یہ پانی کہ کوئی شخص کنوئیں یا مباح حوض سے بھر کر نابالغ کو دے گا اپنی ملک سے دے گا اور ایک شے پر دو ملکیں جمع نہیں ہوسکتیں تو یہ پانی مِلک صبی نہ تھا پھر اس کے نکلنے سے مِلک صبی کا نکل جانا کیونکر محتمل ہوا۔

اقول جبکہ اس پانی میں مِلک صبی مخلوط ہے تو اب مائے مباح نہیں مائے محظور ہے بھرنے والا اس کا مالک نہ ہوگا کہ جو بھرا محتمل ہے کہ وہی مائے مملوک صبی ہو یا مائے مباح کا حصہ اول پر بھرنے والا اُس کا مالک نہیں ہوسکتا اور دوم ہے تو ہوگا اور مِلک شک و احتمال سے ثابت نہیں ہوسکتی لہذا وہ احتمال قائم رہا کہ یہ وہی پانی ہے جو مِلک صبی تھا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

[2] اقول بلکہ اگر خود نابالغ نے دوبارہ اُتنا یا اُس سے زائد پانی اُس میں سے بھر لیا تو اب بھی رفع مانع ہوجانا چاہیے کہ اگرچہ نابالغ کے لیے پانی ممنوع نہیں جیسا کہ تنبیہ پنجم میں گزرا اور وہ جو دوبارہ بھرے گا ضرور اس کا مالک ہوگا مگر یہ اُس احتمال کا مانع نہیں کہ اس بار وہی پانی آیا جو اس نے پہلے ڈال دیا تھا اور یہی احتمال رفع منع کو بس ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

[3] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل القسمۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۲۴۰

ظاہر ہے کہ یہاں بھی ملک صبی ایسی ہی مختلط تھی کہ جُدا کرنا ممکن نہ تھا اور بالغ کو اس میں تصرف نا روا تھا بقدر حصۂ صبی اُس میں سے الگ کر دینا حصۂ صبی کا جدا ہو جانا اور بالغ کے لیے جواز تصرف کا سبب ہوا۔

اقول ولاشك ان الماء مثلى بمعنى ان اجزاءه لاتتفاوت وبه جزم كثيرون كما فی الخيرية من احياء الموات فی الولوالجية وكثير من الكتب لوصب ماء رجل كان فی الحب يقال له املأ الماء فان صاحب الحب مالك للماء وهو من ذوات الامثال فيضمن مثله[1] اه وان كان قيميا لانه لايكال ولايوزن كما فی الخيرية من البيوع عن جامع الفصولين عن فوائد صاحب المحيط وفتاوى رشيد الدين الماء قيمی عند ابی حنيفة وابی يوسف رضی الله تعالٰی عنهما وفيه عن مختلفات القاضی ابی القاسم العامری عن ابی يوسف عن ابی حنيفة الماء لايكال ولايوزن قال الطحاوی معناه لايباع بعضه ببعض وعن محمد رحمه الله تعالٰی الماء مكيل[2] اه وبالجملة لاشك انه يقبل الافراز كالحب بل ابلغ فربما تتفاوت قليلا حبات طعام واحد بخلاف قطرات ماء واحد۔

اقول اور اس میں شک نہیں کہ پانی مثلی ہے یعنی اس لیے کہ اُس کے اجزاء میں تفاوت نہیں، اور بہت سے مشائخ نے اسی پر جزم کیا ہے، جیسا کہ خیریہ (احیاء الموات) میں اور ولوالجیہ میں ہے اور بہت سی کتب میں ہے، اگر کسی شخص نے مٹکے کا پانی گرادیا تو اس سے کہا جائے گا کہ مٹکا بھرے کیونکہ مٹکے کا مالک پانی کا بھی مالک تھا، اور پانی مثلی اشیاء میں سے ہے تو وہ اس کے مثل کا ضامن ہوگا اھ اگرچہ وُہ قیمت والی چیز ہے اس لیے کہ وہ نہ مکیل ہے اور نہ موزون ہے جیسا کہ خیریہ کی بیوع میں جامع الفصولین سے فوائد صاحب المحیط سے اور فتاوٰی رشید الدین میں ہے کہ پانی ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک قیمت والی چیز ہے اور اس میں مختلفات ابی القاسم العامری سے ابو یوسف سے ابوحنیفہ سے ہے کہ پانی نہ کیلی ہے نہ وزنی ہے۔ طحاوی نے فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ پانی کا بعض، بعض سے بیچا نہیں جاتا ہے اور محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ پانی کیلی ہے اھ خلاصہ یہ کہ پانی کو الگ کیا جا سکتا ہے جیسے مٹکے میں، بلکہ زیادہ ہے کیونکہ بسا اوقات کھانے کی ایک ہی چیز کے دانوں میں فرق ہوتا ہے لیکن پانی کے قطرات میں نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ فصل فی الشرب بیروت ۲/۱۸۶
[2] " " کتاب البیوع " ۱/۲۲۸

ثم اقول یہ طریقہ اثم سے بچنے کو ہے اور اگر بغیر اس کے کوئی شخص نادانستہ یا دیدہ و دانستہ براہِ جہالت خواہ بے پرواہی احکام شریعت اُس میں سے اُتنا پانی یا اُس سے زاید بھر کر لے گیا تو اگرچہ وہ گنہگار رہو باقی پانی جائز الاستعمال ہوگیا کہ اُتنا نکل جانے سے حوض وچاہ میں اُس کی بقا پر یقین نہ رہا کما قال محمد لا یجوز قتلھم فلو قتل البعض حل قتل الباقی ۱؎ (جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں ان کا قتل جائز نہیں اگر بعض قتل ہوجائیں تو باقی کا قتل جائز ہوگا۔ ت)

ف۱ ف۲

تنبیہ اقول یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جریان نہ ضرور نہ کافی اگر صبی کا پانی اتنا قلیل تھا کہ چھلکنے میں نکل سکتا ہے تو جریان کی حاجت نہیں۔ اور اگر اتنا کثیر تھا کہ جتنے خروج پر جریان صادق آتا ہے اس میں نہ نکلے گا تو یہ جریان کافی نہیں جب تک اُس قدر نکل نہ جائے۔

ف۳

اقول وبہ فارق النجاسۃ لان زوال وصفھا و حصول ضدھا بالجریان لمعنی فیہ وھو انہ لا یقبل النجاسۃ بحکم النص وما قام بہ طھر بعضہ بعضا ولا یلزم منہ حل الانتفاع بملك الصبی فلابد من خروج قدر المصبوب، ھذا ما ظھر لی وقد انکشفت بہ الغمۃ علی احسن وجہ مطلوب، والحمد للہ سبحنہ کاشف الکروب، والصلوۃ والسلام علی اکرم محبوب، وعلی الہ وصحبہ ھداۃ القلوب، اٰمین۔

میں کہتا ہوں اور اسی وجہ سے نجاست سے فرق ہوگیا، کیونکہ نجاست کے وصف کا زائل ہونا اور جاری ہونے کی وجہ سے اس کی ضد کا حاصل ہونا ایک معنی سے ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ وصف یعنی جریان نجاست کو قبول نہیں کرتا ہے، کیونکہ نص میں یہی ہے، اور جو اس کے ساتھ قائم ہے اس کے بعض نے بعض کو پاک کر دیا ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ بچہ کی ملک سے نفع حاصل کرنا جائز ہو، تو جتنا بہا ہے اُس کی مقدار میں نکلنا ضروری ہے، یہ بحث وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی، اور اس سے عمدہ طور پر پریشانیاں دُور ہوگئیں۔ اللہ تعالٰی کیلئے حمد ہے جو مصیبتوں کو دُور کرنے والا ہے اور اس کے محبوب ترین پر اور اس کی آل و صحابہ پر صلوۃ و سلام۔ آمین (ت)

الحمد للہ نمبر ۳۲ سے یہاں تک نابالغ کے پانی کا بیان جس تفصیل و تحقیق سے ہوا کتابوں میں اُس پر چند سطروں سے زائد نہ ملے گا۔ ممکن ہے کہ اسے رسالہ مستقلہ کیجیے اور عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی نام رکھیے، وللہ الحمد۔ رسالہ ضمنیہ عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی تمام ہوا۔

ف

(۶۶) جس پانی میں ماءِ مستعمل کے واضح قطرے گرے خصوصاً جبکہ اس کی دھار پہنچی جب تک مطہر پانی سے کم رہے ہاں بوجہ خلاف بچنا مناسب تر ہے جبکہ وہ چھینٹیں وضو وغسل کرتے میں نہ پڑی ہوں۔

وذلك انہ روی الافساد مطلقا وان قل الاما ترشش فی الاناء عند التطھر فھو عفو

یہ اس لئے کہ مستعمل پانی کے بارے میں ایک روایت ہے کہ مستعمل مطلقاً خواہ قلیل ہو، پانی کو فاسد کر دیتا ہے

۱؎ غنیۃ المستملی فروع من النجاسۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۰۴

دفعاللحرج ولاعبرۃ لمن اطلق وقد نص فی البدائع انه فاسد[1] وروی الا فساد بالکثیر ثم الکثرۃ باستبانۃ مواقع القطر فی الماء الطھور ام ان یسیل فیہ سیلانا قولان ففی الجامع الصغیر للامام قاضی خان انتضاح الغسالۃ فی الماء اذا قل لایفسد الماء یروی ذلک عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما ولان فیہ ضرورۃ فیعفی القلیل و تکلموا فی القلیل عن محمد ماکان مثل رؤس الابر فھو قلیل وعن الکرخی انکان یستبین مواقع القطر فی الماء فکثیر وان کان لایستبین کالطل فقلیل[2] اھ نقلہ فی زھر الروض و فی الخلاصۃ جنب اغتسل فانتضح من غسلہ شیئ فی انائہ لم یفسد علیہ الماء اما اذا کان یسیل فیہ سیلانا افسدہ وکذا حوض الحمام علی ھذا وعلی قول محمد لایفسدہ مالم یغلب علیہ یعنی لایخرجہ من الطھوریۃ[3] اھ ثم عللہ بعضھم بان الماء مفروض راکدا قلیلا فلا ینتقل الماء المستعمل الواقع فیہ من موقعہ الیہ اشار فی وجیز الکردری اذیقول التوضی من سردابہ لایجوز لانہ

مگر طہارت کے وقت جو چھینٹے پانی والے برتن میں پڑیں تو وہ معاف ہیں تاکہ حرج لازم نہ آئے، ان چھینٹوں کے بارے میں اطلاق کا اعتبار نہیں ہوگا حالانکہ بدائع میں اس کو فاسد کہا ہے اور ایک روایت میں کثیر کو فاسد کرنے والا کہا گیا، پھر کثیر کی تعریف میں دو قول ہیں، یا تو پاک پانی میں وہ نمایاں طور پر معلوم ہو یا مستعمل پاک پانی میں بہہ کر داخل ہو، پھر امام قاضی خان کی شرح جامع صغیر میں ہے کہ دھوؤن اگر کم مقدار میں پانی میں گرا تو پانی کو فاسد نہیں کرے گا یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نیز ضرورت کی بنا پر قلیل معاف ہوگا۔ اب انہوں نے قلیل کے بارے میں بحث کی ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ اگر مستعمل پانی کے چھینٹے سوئی کے سوراخ کے برابر ہوں تو قلیل ہے اور امام کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر پانی میں گرنے کی جگہ نمایاں معلوم ہو تو کثیر ہے ورنہ قلیل ہے جیسے شبنم کے قطرے، اس مضمون کو زہر الروض میں نقل کیا ہے، اور خلاصہ میں ہے کہ اگر جنبی شخص نے غسل کرتے وقت اپنے برتن میں چھینٹے پڑ گئے تو اس سے پانی نجس نہ ہوگا۔ اگر غسالہ بہہ کر برتن میں پڑا تو پھر برتن کا پانی ناپاک ہو جائیگا۔ حمام کے حوض کا بھی یہ حکم ہے۔ اور امام محمد کے قول کے مطابق اس صورت میں ناپاک نہ ہوگا تاوقتیکہ مغلوب نہ ہو جائے

---

[1] بدائع الصنائع طہارۃ حقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

[2] جامع صغیر للقاضی خان

[3] خلاصۃ الفتاوٰی مع الہندیۃ الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۸

ینکر الاستعمال اھ۱؎ یعنی اس کو طہوریت سے نہیں نکالے گا اھ پھر بعض نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ جو پانی فرض کیا گیا ہے وہ ٹھہرا ہوا قلیل ہے تو مستعمل پانی جو اس میں گرا ہے اپنے گرنے کی جگہ سے اس کی طرف منتقل نہ ہوگا۔ امام کردری کی وجیز میں اسی صورت کی طرف اشارہ کیا ہے، جب انھوں نے یہ کہا کہ چھوٹے حوض میں وضوء کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ پانی دوبارہ استعمال میں آتا ہے اھ (ت)

اقول ویلزمھم التجویز اذا حرک الماء عند کل غرفۃ او اغترف کل مرۃ من غیر موقع الغسالۃ و آخرون بان الماء المستعمل من جنس المطلق فلا یستھلک فیہ فیؤثر فی کلہ نقلتہ بخلاف اللبن او بول الشاۃ علی قول محمد بطہارتہ ھکذا اختلفوا و الصحیح المعتمد فی المذھب الاعتبار بالغلبۃ فلا یخرج عن الطھوریۃ مادام اکثر من المستعمل ھو الذی اعتمدہ الائمۃ وصححہ الائمۃ۔

میں کہتا ہوں انکو یہ قول کرنا لازم ہوگا کہ اگر ہر چلو پر پانی کو حرکت دے یا ہر دفعہ غسالہ کی بجائے دوسری جگہ سے چلو لے تو وضو جائز ہونا چاہئے۔ بعض نے کہا کہ مستعمل پانی مطلق پانی کا ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس میں فنا نہیں ہوگا اور اس کے کل میں اثر کرے گا کیونکہ وہ کم ہے بخلاف دودھ یا بکری کے پیشاب کے بقول امام محمد، کیونکہ وہ اس کی طہارت کے قائل ہیں اس طرح مستعمل پانی کے بارے میں یہ اختلاف ہے لیکن صحیح اور مذہب قابلِ اعتماد یہ ہے کہ اس میں غلبہ کا اعتبار ہے لہٰذا جب تک مطلق پانی غالب اور زیادہ ہے تو مستعمل پانی کے ملنے سے ناپاک نہ ہوگا اور قابلِ طہارت رہے گا، یہی اُمت کا معمول اور ائمہ کرام کا صحیح کردہ مسلک ہے۔ (ت)

یہ ۶۶ وُہ پانی تھے جن میں شیئ غیر کا اصلاً خلط نہ تھا یا تھا تو آب غیر کا نہ غیر آب کا۔ اب وہ پانی ہیں جن میں غیر آب کا خلط ہے۔

(۶۷ و ۶۸) وہ پانی جس میں آبِ دہن یا آبِ بینی یعنی تھوک یا کھنکار یا ناک کی رزش پڑ جائے اس سے وضو جائز مگر مکروہ ہے۔ فتاوٰی امام قاضی میں ہے:

الماء اذا اختلط بالمخاط او بالبزاق جاز بہ التوضؤ و یکرہ۲؎۔

اگر پانی میں تھوک یا ناک کا پانی گرے تو اس سے وضو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ (ت)

(۶۹) وُہ پانی جس میں مٹی، ریتا، کیچڑ کسی قدر مل جائے جب تک اس کی روانی باقی ہو اعضا پر پانی کی

۱؎ فتاوٰی بزازیۃ نوع فی الحیاض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۴

۲؎ فتاوٰی قاضی خان فصل فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

طرح ہے۔

(۷۰) یونہی اٹلے کا پانی اگرچہ کتنا ہی گدلا ہو اگرچہ رنگ کے ساتھ مزہ بھی بدلا ہو اگر ریتے مٹی کے سوا کچھ بھی بہا کر لایا ہو جب تک نجاست سے رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدلے۔

(۷۱) یونہی وہ ندیاں جو برسات میں گدلی ہوجاتی ہیں۔ امام ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں:

لو تغیر الماء المطلق بالطین او بالتراب یجوز التوضؤ بہ[1]۔

اگر مطلق پانی کیچڑ یا مٹی سے تبدیل ہوگیا تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

لاباس بالوضوء بماء السیل مختلطا بالطین ان کانت رقۃ الماء غالبۃ فان کان الطین غالبا فلا[2]۔

سیلاب کا پانی جس میں کیچڑ کی آمیزش ہو اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ اس میں پانی کی رقت غالب ہو اور اگر کیچڑ غالب ہو تو جائز نہیں۔ (ت)

جوہرہ نیرہ میں ہے:

خصہ بالذکر لانہ یاتی بغثاء واشجار واوراق[3]۔

بطور خاص اس کو ذکر کیا کیونکہ سیلاب کے پانی میں میل کچیل، درخت اور پتّے وغیرہ بھی بہہ کر آتے ہیں (ت)

وجیز کردری میں ہے:

ماء السیل لو رقیقا یسیل علی العضو یجوز التوضی بہ[4]۔

سیلاب کا پانی اگر اتنا رقیق ہو کہ اعضاء پر بہتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

یجوز الطہارۃ بماء خالطہ شیئ طاھر فغیر احد اوصافہ کماء المد والماء الذی اختلط بہ الزعفران بشرط ان

اس پانی سے طہارت جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور اس کے اوصاف میں سے کسی ایک وصف کو بدل دیا ہو جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی

---

[1] بدائع الصنائع — الماء المقید — سعید کمپنی کراچی — ۱/۱۵
[2] فتح القدیر — باب الماء الذی یجوز الخ — سکھر — ۱/۶۵
[3] جوہرۃ نیرۃ — کتاب الطہارۃ — امدادیہ ملتان — ۱/۱۴
[4] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ — نوع المستعمل الخ — پشاور — ۴/۱۰

یکون الغلبة للماء من حیث الاجزاء ولم یزل عنہ اسم الماء وان یکون رقیقا بعد فحکمہ حکم الماء المطلق[1]

جس میں زعفران مل گئی ہو، بشرطیکہ اجزا کے اعتبار سے غلبہ پانی کو ہی ہو اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہوا ہو اور یہ کہ رقیق ہو، تو اس کا حکم مطلق پانی کا ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

المد السیل وانما خصہ بالذکر لانہ یجیٔ بغثاء ونحوہ الا ان قولہ غیر احد اوصافہ و قد سبقہ الی ھذہ العبارۃ القدوری فی مختصرہ یفید ان الجواز مقید بما اذا غیر وصفا واحدا لا غیر و حینئذ لایحتاج الی ان یقول بشرط ان یکون الغلبۃ للماء من حیث الاجزاء ولم یزل عنہ اسم الماء وان یکون رقیقا بعد مع ان قولہ بشرط ان تکون الغلبۃ للماء من حیث الاجزاء مغن عن الشق کما ھو ظاھر لان المخالط المذکور اذا لم یغیر سوی وصف واحد لایکون بحیث یغلب الماء من حیث الاجزاء لیقع الاحتراز عنہ ویجعل شرطا اھ[2]

"المد" سیلاب کو کہتے ہیں اور اس کو بطور خاص ذکر کرنا اس لیے ہے کیونکہ سیلاب کا پانی کوڑا کرکٹ بھی ساتھ لاتا ہے مگر یہ کہ ان کا قول "اس کے اوصاف میں سے کسی ایک کو بدل دیا" اور ان سے پہلے قدوری بھی اپنی مختصر میں یہ عبارت لاچکے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے جواز اس صورت سے مقید ہے کہ جب صرف ایک وصف بدل جائے اس وقت یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ "شرط یہ ہے کہ غلبہ پانی کو ہو اجزاء کے اعتبار سے" اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہو، اور یہ کہ رقیق ہو، باوجودیکہ ان کا قول بشرطیکہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے پانی کو ہو، یہ دوسرے سے بے نیاز کرنے والا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، اس لیے کہ ملنے والی مذکورہ شے پانی کا اگر صرف ایک ہی وصف بدلے تو وہ پانی کے اجزاء پر غالب نہ ہوگی تاکہ اس سے احتراز ہو اور اس کو شرط کیا جائے اھ۔ (ت)

اقول اولاً سیاتی الکلام ان شاء اللہ تعالٰی علی مقتضی التعبیر باحد وحسبك ان الزعفران یغیر اوصاف الماء الثلثۃ وکذا السیل ربما یتغیر لہ وصفان

میں کہتا ہوں اوّل 'احد' سے تعبیر کرنے پر کلام آگے آئیگا، اور پھر یہ دلیل کافی ہے کہ زعفران جو پانی کے تینوں اوصاف تبدیل کر دیتی ہے، اور اسی طرح سیلاب کہ اس سے کبھی دو وصف بدل جاتے ہیں

---

[1] منیۃ المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ قادریہ، لاہور ص ۶۳

[2] حلیہ

بل الکل وثانیا[۱] الماء قد یخالطه شیئ لا یخالفه الا فی وصف واحد فلا یغیر الا ایاه وان زاد علی الماء اجزاء والوضوء به باطل وفاقا فلیس فی التعبیر باحد غنی عن شرط غلبة الماء من حیث الاجزاء کما ذهب الیه وهله رحمه الله تعالٰی وثالثا[۲] قد لا یغلب الشیئ علی الماء اجزاء ویزیل اسمه عنه کما یأتی فی الزعفران والزاج والعفص والنبیذ فلا یغنی الشرط الاول عن الثانی ورابعا لا یخفی ان الثانی[۳] مغن عن الثالث لان بزوال الرقة لا یسمی ماء قال فی الفتح ماخالط جامدا فسلب رقته لیس بماء مقید بل لیس بماء اصلا کما یشیر الیه قول المصنف فی المختلط بالاشنان الا ان یغلب فیصیر کالسویق لزوال اسم الماء عنه[۱] اھ فالعجب تعرضه بحکم الاغناء حیث لم یکن وترکه حیث کان ثم راجعت الغنیة فرأیته عکس فاصاب وافاد ان الثالث تفسیر قال و اشتراط عدم زوال اسم الماء یغنی عن اشتراط الرقة فان الغلیظ قد زال عنه اسم الماء بل زوال الرقة یصلح ان یکون تفسیرا لزوال اسم الماء[۲]

اور کبھی تمام اوصاف بھی تبدیل ہوجاتے ہیں۔

دوم: پانی میں کبھی ایسی چیز مل جاتی ہے جو صرف ایک وصف میں اُس کے مخالف ہوتی ہے اور اسی ایک وصف کو بدلتی ہے خواہ اجزاء کے اعتبار سے وُہ پانی سے زائد ہی ہو، ایسے پانی سے بالاتفاق وضو باطل ہے، لہذا "ایک وصف بدلنے" کا ذکر اس قید سے بے نیاز نہیں کرتا ہے کہ پانی کا اجزاء کے اعتبار سے غلبہ ہو، جیسا کہ وہلہ رحمہ اللہ نے اس کو ذکر کیا۔

سوم: بعض چیزیں اجزاء کے اعتبار سے پانی پر غالب نہیں آتیں اور اس سے پانی کا نام سلب ہوجاتا ہے جیسے زعفران، پھٹکڑی، مازو اور نبیذ میں ہوتا ہے تو پہلی شرط دوسری سے بے نیاز نہیں کرے گی۔

چہارم: مخفی نہ رہے کہ دوسرا تیسرے سے بے نیاز کرنے والا ہے کیونکہ جب رقت زائل ہوگئی تو اب اس کو پانی نہیں کہا جائیگا، فتح میں فرمایا پانی کسی جامد سے ملا اور اس کی رقت ختم ہوگئی تو یہ مقید پانی نہیں بلکہ سرے سے پانی ہی نہیں جیسے کہ مصنف نے مختلط بالاشنان میں اشارہ کیا ہے، مگر یہ کہ اتنا غالب ہوجائے کہ ستوؤں کی مثل بن جائے کہ اب اس پر پانی کا نام

---

[۱] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء سکھر ۱/۶۵

[۲] غنیۃ المستملی المیاہ سہیل اکیڈمی، لاہور ص ۹۰

نہیں بولا جائے گا اھ تو تعجب اس پر ہے کہ جہاں اِغناء نہ تھا وہاں وہ اِغناء کا ذکر کر رہے ہیں اور جہاں تھا وہاں چھوڑ دیا ہے، پھر میں نے خود غنیہ کو دیکھا تو وہاں اُلٹ نکلا، تو انہوں نے مفید اور درست بات کہی کیونکہ وہ فرماتے ہیں تغییر التفسیر ہے، اور پانی کا نام زائل نہ ہونے کی شرط رقت کی شرط لگانے سے بے نیاز کرتی ہے، کیونکہ گاڑھے سے پانی کا نام ختم ہوگیا، بلکہ زوالِ رقت میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ پانی کے نام کے زوال کی تفسیر بن سکے۔ (ت)

(۲۷) وہ پانی کہ کاہی کی کثرت سے جس کی بُو وغیرہ میں تغیر آگیا، جوہرہ نیرہ میں ہے:

ولو تغیر الماء بالطحلب کان حکمہ حکم الماء المطلق[1]۔

اگر پانی کاہی (پانی میں سبز دھاریاں ہوتی ہیں) سے متغیر ہوجائے تو اس کے لیے مطلق پانی کا حکم ہے۔ (ت)

(۳۷) کچی کُنیاں کا پانی جس میں بھر اسٹر کر بدبو آجاتی بلکہ رنگ و مزہ سب متغیر ہوجاتا ہے۔

(۴۷) وہ تالاب جس میں سن گلائی گئی اور اس کے سبب اس کے تینوں وصف بدل گئے۔ فتاوٰی شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی میں ہے:

سئل عن الوضوء والاغتسال بماء تغیر لونہ وطعمہ وریحہ بحبل السعف علیہ لاخراج الماء منہ فھل یجوز ام لا اجاب یجوز عند جمہور اصحابنا[2] اھ ملتقطا۔

اُن سے اُس پانی سے وضو اور غسل کی بابت دریافت کیا گیا کہ جس کا رنگ، مزا اور خوشبو اُس رسّی کے باعث بدل گئے جس پر کہ اُس رسّی کو لٹکایا گیا تھا، تاکہ اُس سے پانی نکالا جائے، تو کیا جائز ہے یا نہیں؟ تو جواب دیا کہ ہمارے جمہور اصحاب کے نزدیک جائز ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

(۵۷) کُونڈے میں آٹے کا لگاؤ ہو اُس میں پانی رکھنے سے مزے وغیرہ میں تغیر آجاتا ہے اس پانی سے وضو روا ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

قد اغتسل صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم یوم الفتح من قصعۃ فیھا اثر العجین رواہ النسائی والماء بذلک یتغیر ولم یعتبر للمغلوبیۃ[3]۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایسے پیالے میں وضو فرمایا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کا اثر تھا اس کو نسائی نے روایت کیا، اس سے پانی میں تغیر آتا ہے اور مغلوبیت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہ فرمایا۔ (ت)

---

[1] جوہرۃ نیرۃ طہارت امدادیہ ملتان ۱/۱۴

[2] فتاوی غزی تمرتاشی

[3] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء سکھر ۱/۶۴

(۷۶) حوض کے کنارے درخت ہیں موسمِ خزاں میں پتّے کثرت سے گرے کہ حوض کا پانی دیکھنے میں سبز معلوم ہوتا ہے مگر ہاتھ میں لینے سے صاف نظر آتا ہے اُس سے وضو بالاتفاق جائز ہے۔

(۷۷) پتّے اتنے گرے کہ واقعی پانی سبز ہوگیا چلّو میں بھی سبز معلوم ہوتا ہے صحیح مذہب میں اب بھی قابلِ وضو ہے جب تک گاڑھا ہوکر اپنی رقت سے نہ اُتر جائے۔

اقول ہاں مگر اس حالت میں اُس سے احتراز بہتر ہے کہ ایک جماعتِ علما اُس سے وضو صحیح نہ ہونے کی قائل ہے۔ امام صدر الشریعۃ نے شرح وقایہ میں فرمایا:

اما الماء الذی تغیر بکثرۃ الاوراق الواقعۃ فیہ حتی اذا رفع فی الکف یظھر فیہ لون الاوراق فلایجوز بہ الوضوء لانہ کماء الباقلی[1]

وُہ پانی جو پتّوں کے زیادہ گرنے کی وجہ سے بدل گیا، اتنا کہ ہاتھ میں اٹھایا جائے تو پتّوں کا رنگ آئے تو اُس سے وضو جائز نہیں جیسے کہ باقلی (لوبیا) کے پانی سے وضو جائز نہیں۔ (ت)

فتاوٰی غزی میں ہے:

وبعضھم ذھب الی عدم الجواز بالماء الذی غیرتہ کثرۃ الاوراق بحیث یظھر لونھا فی کف عند رفعہ کما جزم بہ فی الکنز وغیرہ اھ[2]

اور بعض فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ اُس پانی سے وضو جائز نہیں جس کو پتّوں کی کثرت نے بدل دیا ہو تو ہاتھ میں اٹھانے سے اس میں پتّوں کا رنگ نظر آتا ہو، جیسے کنز وغیرہ میں اس پر جزم کیا ہے اھ (ت)

اقول انما نص الکنز لا بما تغیر بکثرۃ الاوراق اھ[3] ولیس فیہ ذکر ظھور اللون بالرفع فی الکف وانما ضمیر تغیر للماء والماء عبارۃ عن العین وتغیر عینہ بذھاب رقتہ لاجرم ان قال فی البحر محمول علی ما اذا زال عنہ اسم الماء بان

میں کہتا ہوں کنز کا نص تو یہ ہے کہ نہ اُس پانی سے جو پتّوں کی کثرت سے متغیر ہوگیا ہو اھ اور اس میں یہ ذکر نہیں کہ ہاتھ میں اٹھانے سے پتّوں کا رنگ اس میں ظاہر ہوتا ہو، اور تغیر کی ضمیر پانی کی طرف لوٹتی ہے، اور پانی ایک عین ہے اور اُس کے عین کا تغیر اس وقت ہوگا جب اس کی رقت

---

[1] شرح وقایۃ | مایجوز بہ الوضوء | المکتبۃ الرشیدیہ دہلی | ۱/۸۶

[2] فتاوٰی غزی

[3] کنز الدقائق | میاہ الوضوء | سعید کمپنی کراچی | ص ۱۱

صار تخيناً[1] ورحم الله العلامة الحلبی اذ اوضح المرام وازاح الاوھام بقولہ فی متنہ الملتقی لابماء خرج عن طبعہ بکثرۃ الاوراق اھ[2] قال فی مجمع الانھر طبعہ ھو الرقۃ والسیلان[3] اھ

ختم ہو جائے، اس لیے بحر میں فرمایا یہ اس پر محمول ہے جبکہ اس پر پانی کا اطلاق ختم ہوگیا ہو، مثلاً یہ کہ وہ گاڑھا ہوگیا اھ اللہ تعالٰی حلبی پر رحم فرمائے کہ انہوں نے شبہات کو دُور فرما کر وضاحت مقصود کردی، وہ ملتقی کے متن میں فرماتے ہیں "نہ اس پانی سے جو پتوں کی کثرت کی وجہ سے پانی کی طبیعت سے خارج ہوگیا ہو" اھ مجمع الانھر میں فرمایا پانی کی طبیعت رقت اور سیلان ہے اھ۔ (ت)

اقول ولم یکن بعدہ محل لان یعللہ بتغیراوصافہ جمیعا ویقول وان جوزہ الاساتذۃ اما ما نقل عن الفرائد عن اخی چلپی انہ لایمکن الحمل الا علی اختلاف الروایتین ثم قال لکن یمکن الحمل علی ما بین انفا[4] اھ

میں کہتا ہوں اس کے بعد اس کا موقع نہ تھا کہ اس کی علت یہ بیان کریں کہ اس کے تمام اوصاف بدل جائیں اور یہ فرمائیں کہ "اگرچہ اس کو اساتذہ نے جائز قرار دیا ہے" اور اخی چلپی سے فرائد سے جو منقول ہے کہ "اس کو صرف اختلاف روایتین پر ہی محمول کیا جاسکتا ہے" پھر فرمایا اس کا حمل اس پر ممکن ہے جس کو انہوں نے ابھی بیان کیا ہے اھ (ت)

فاقول اولا ما بین صریح منطوق المتن فتعبیرہ بالحمل ثم تضعیفہ بیمکن لا محل لھما وثانیا لا محل لھذا الحمل فی کلام صدر الشریعۃ وما یأتی من کلام المیدانی فلا محید عن الاختلاف ومن المسامحۃ تعبیرہ باختلاف الروایتین فان قول المشائخ لایقال لہ روایۃ۔

میں کہتا ہوں اولاً جو انہوں نے بیان کیا ہے وہ متن کی صریح عبارت ہے تو اس کو حمل سے تعبیر کرنا پھر اس کی تضعیف یمکن کے لفظ سے، ان دونوں باتوں کا یہ محل نہیں۔

دوم، اس حمل کا صدر الشریعۃ کے کلام میں کوئی محل نہیں، اور اسی طرح میدانی کے کلام میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں، تو اختلاف سے تو کوئی مفر نہیں، اور اس کو اختلاف روایتین سے تعبیر کرنا اس میں مسامحۃ ہے کہ قولِ مشائخ کو روایت نہیں کہا جاتا ہے۔ (ت)

---

[1] بحر الرائق | میاہ الوضوء | سعید کمپنی کراچی | ۱/۶۸

[2] الملتقی الابحر شرح مجمع الانھر | الطہارۃ بالماء المطلق | عامرہ مصر | ۱/۲۸

[3] ایضاً

[4] عقد الفرائد

غنیہ میں ہے :

اذا تغیر لون الماء او ریحہ او طعمہ بطول المکث او بسقوط الاوراق تجوز بہ الطہارۃ الا اذا غلب لون الاوراق فیصیر مقیدا[1]۔

جب پانی کا رنگ، بُو یا مزہ تبدیل ہوجائے زیادہ ٹھہرا رہنے کی وجہ سے، یا اس میں پتوں کے گرنے کی وجہ سے، تو اس سے طہارت جائز ہے ہاں اگر پتوں کا رنگ غالب ہوگیا تو اب یہ پانی مقید ہوگیا۔ (ت)

حلیہ میں ہے :

اخذہ مما فی الذخیرۃ وتتمۃ الفتاوی الصغری سئل الفقیہ احمد بن ابراھیم المیدانی عن الماء الذی تغیر لونہ لکثرۃ الاوراق الواقعۃ فیہ حتی یظھر لون الاوراق فی الکف اذا رفع الماء منہ ھل یجوز التوضی بہ قال لا ولکن یجوز شربہ وغسل الاشیاء بہ اما شربہ وغسل الاشیاء فلانہ طاھر واما عدم جواز التوضی بہ فلانہ لما غلب علیہ لون الاوراق صار مقیدا کماء الباقلاء وغیرہ لکن نص فی تحفۃ الفقہاء علی انہ عند الضرورۃ یجوز التوضی بماء تغیر بامتزاج غیرہ من حیث اللون والطعم بان وقع الاوراق والثمار فی الحیاض حتی تغیر لانہ تتعذر صیانۃ الحیاض عنہا[2]۔

اس کو ذخیرہ اور فتاوٰی صغرٰی کے تتمہ سے لیا ہے، فقیہ احمد بن ابراہیم المیدانی سے اُس پانی کی بابت دریافت کیا گیا جس کا رنگ پتوں کی کثرت کی وجہ سے متغیر ہوگیا ہو یہاں تک کہ جب پانی کو ہاتھ میں اٹھایا جائے تو اس میں پتوں کا رنگ ظاہر ہوتا ہو، آیا اس پانی سے وضو جائز ہے ؟ تو فرمایا "نہیں" لیکن اس کو پی سکتے ہیں اور اس سے دوسری اشیا کو دھو سکتے ہیں، اس کا پینا اور دوسری اشیا کا دھونا اس لئے جائز ہے کہ یہ پانی پاک ہے اور وضو اس لیے جائز نہیں کہ اس پر پتوں کا رنگ غالب ہوچکا ہے اور یہ مقید پانی ہوگیا ہے جیسے باقلی (لوبیا) وغیرہ کا پانی۔ مگر تحفۃ الفقہاء میں صراحت ہے کہ ایسے پانی سے جس میں کسی چیز کے مل جانے کی وجہ سے رنگ اور مزہ تبدیل ہوگیا ہو ضرورت کے وقت وضو جائز ہے جیسے حوضوں میں پھل اور پتّے گرتے رہتے ہیں اور پانی متغیر ہوجاتا ہے کہ ان چیزوں سے حوضوں کا بچانا متعذر ہے اھ (ت)

اقول فاذن یکون ھذا قولا ثالثا

میں کہتا ہوں اس صورت میں یہ تیسرا قول

---

[1] غنیۃ المستملی مکتبہ قادریہ لاہور ص ۶۴

[2] حلیہ

انہ انما یجوز الوضوء بہ عند الضرورۃ و الا
لا وتبعہ فی مجمع الانھر ولیس ھکذا وانما
نص البدائع شرح التحفۃ وھو عین نصھا و
لو تغیر الماء المطلق بالطین او بالتراب او
بالجص او بالنورۃ او بوقوع الاوراق او الثمار
فیہ او بطول المکث یجوز التوضؤ بہ لانہ
لم یزل عنہ اسم الماء وبقی معناہ ایضا مع
ما فیہ من الضرورۃ الظاھرۃ لتعذر صون
الماء عن ذلک اھ[1] فلم یقیدہ بالضرورۃ ولم
یقصر وجھہ علیھا بل عللہ بانہ ماء مطلق
باق علی اطلاقہ وایدہ بانہ ساقط الحکم
للضرورۃ وفرق بین بین بناء الحکم علی الضرورۃ
بحیث یتقید بھا وبین اسقاط حکم رأسا
لضرورۃ لازمۃ وھذا من ذاک الاتری انہ
نظمہ مع المخلوط بالتراب ونحوہ فی
سلک واحد وھل یسوغ لاحد ان یقول
انما یجوز الوضوء بماء کدر اذا لم یجد
غیرہ والا لم یصح ثم لا نظیر لھذا فی
المذھب ان یجوز الوضوء بماء عند الضرورۃ
لا فی السعۃ اما نبیذ التمر فانما الحکم
فیہ علی خلاف المعتمد المفتی بہ لاجل
ورود النص فعدل بہ عن سنن القیاس
عند عدم الماء المطلق کما نصوا علیہ و

ہوگا یعنی یہ کہ بوقتِ ضرورت اس سے وضو جائز ہے
ورنہ نہیں، اور مجمع الانہر میں اس کی متابعت کی،
اور بات ایسی نہیں ہے اور بدائع شرح تحفہ کا نص
بعینہٖ یہی ہے اور وہ یہ ہے کہ "اگر مطلق پانی کیچڑ، مٹی،
گچ یا نورہ سے بدل گیا یا اس میں پتے اور پھل گرے
اور بدل گیا یا زیادہ عرصہ تک کھڑا رہنے کی وجہ سے
بدل گیا تو اس سے وضو جائز ہے کیونکہ اس سے
پانی کا نام زائل نہیں ہوا، اور اس کے معنی بھی باقی
ہیں، اور بظاہر اس میں ضرورت بھی ہے کیونکہ پانی کو
ان اشیاء سے بچانا متعذر ہے اھ تو اس کو ضرورت
سے مقید نہیں کیا اور اس کی وجہ اس پر مقصور نہ کی
بلکہ اس کی تعلیل اس طرح کی کہ وہ مطلق پانی ہے اور
اپنے اطلاق پر باقی ہے اور اس کی تائید میں فرمایا
کہ اس کا حکم بوجہ ضرورت ساقط ہوگیا، اور اس
میں کہ حکم ضرورت کی وجہ سے لگایا جائے اور وہ ضرورت
سے متقید ہوجائے اور اس میں کہ حکم ضرورت لازمہ کی
وجہ سے بالکل ساقط کیا جائے، بڑا فرق ہے، اور یہ
اُسی قبیل سے ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ انہوں نے
اس کو مخلوط بالتراب اور اس کی شکل کے ساتھ
ملایا ہے، اور ان دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے،
اور کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ گدلے پانی کے ساتھ وضو
جائز ہے بشرطیکہ دُوسرا موجود نہ ہو ورنہ نہیں، پھر
اس پر مذاہب میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں کہ

---

[1] بدائع الصنائع   الماء المقید   سعید کمپنی کراچی   ۱/۱۵

سیاق ولا مساغ لھذا اھھنا وباللّٰہ التوفیق ثم اورد علیہ فی الحلیۃ نفسھا بما حاصلہ ان لا معنی للتفرقۃ بین السعۃ والضرورۃ فان الشرع لم ینقل المکلف عن الماء المطلق عند عدم القدرۃ علیہ الی الماء المقید فی حالۃ دون حالۃ بل نقلہ عند العجز عنہ الی التیمم فی سائر الحالات اعنی سواء کان یجد مع ذلک الماء المقید اولم یجدہ ایضا فان کان ھذا ماء مطلقا جاز الوضوء مطلقا والا لم یجز مطلقا اھ[1] بمحصلہ **اقول** ھذا ایراد علی ما فھمہ رحمہ اللّٰہ تعالٰی من کلام التحفۃ لا علیہ کما علمت وللّٰہ الحمد۔

کسی پانی سے ضرورت کے وقت تو وضو جائز ہو اور بلاضرورت جائز نہ ہو، اور جہاں تک نبیذ تمر کا معاملہ ہے سو اس میں جو حکم ہے وہ معتمد مفتی بہ کے خلاف ہے، کیونکہ نص وارد ہے لہذا وہاں قیاس سے عدول کیا گیا ہے جبکہ مطلق پانی نہ ہو، جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، اور یہ عنقریب آئے گا، اور یہ چیز یہاں نہیں چل سکتی ہے، پھر انھوں نے خود حلیہ میں اعتراض کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ گنجائش اور ضرورت کی صورتوں میں فرق کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ شریعت نے مکلف کو مطلق پانی سے قدرت نہ ہونے کی صورت میں مقید پانی کی طرف منتقل نہیں کیا ہے کسی خاص حالت میں، بلکہ ایسی صورت میں اس کو تیمم کرنے کا حکم دیا ہے تمام حالات میں، خواہ اس کو مقید پانی مل رہا ہو یا نہ مل رہا ہو، تو اگر یہ مطلق پانی ہے تو وضو مطلقاً جائز ہے ورنہ مطلقاً وضو جائز نہیں اھ میں کہتا ہوں یہ اعتراض اُس مفہوم پر ہے جو انہوں نے تحفہ سے سمجھا خود تحفہ پر نہیں ہے جیسا کہ آپ نے جان لیا وللّٰہ الحمد۔ (ت)

(۷۸) پھلوں کے گرنے

(۷۹) تالاب میں سنگھاڑے کی بیل سڑ جانے سے پانی کے سب اوصاف بدل جائیں جب بھی حرج نہیں جب تک رقیق وسیال رہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(یجوز بماء خالطہ طاھر جامد) مطلقا (کفاکھۃ وورق شجر) وان غیر کل اوصافہ (فی الاصح ان بقیت رقتہ) ای واسمہ اھ[2] **اقول** احتاج الی زیادۃ واسمہ لکلامہ

(وضو ایسے پانی سے جائز ہے جس میں کوئی جامد پاک چیز مل گئی ہو) مطلقاً (جیسے خشک میوہ اور درخت کے پتے) خواہ اس کے تمام اوصاف کو بدل دیا ہو (اصح یہی ہے بشرطیکہ اس کی رقت باقی رہی ہو) یعنی

---

[1] بدائع الصنائع — الماء المقید — سعید کمپنی کراچی — ۱/۱۵

[2] الدرالمختار — باب المیاہ — مجتبائی دہلی — ۱/۳۵

فی کل طاھر جامد ومنه مایزیل الاسم مع بقاء الرقة کما یأتی فی الزعفران ونحوه فلا یجوز الوضوء به مع بقاء رقته ونحن فی غنی من ھذا القید ھنا فانه ھنا لایتبدل الاسم مادامت الرقة فلذا لم نعرج علیه۔

اس کا نام بھی اھ میں کہتا ہوں ہر طاہر جامد کے ساتھ نام کے باقی رہنے کی قید ضروری ہے، اسی میں وہ بھی ہے جس کا نام تو ختم ہوگیا مگر رقت باقی رہی ہو جیسا کہ زعفران وغیرہ میں آئے گا تو رقت کے باقی رہتے ہُوئے بھی وضو جائز نہ ہوگا، اور ہمیں یہ قید لگانے کی ضرورت نہیں کہ یہاں نام اس وقت تک تبدیل ہوتا ہی نہیں جب تک کہ رقت باقی رہتی ہے، اسی لیے ہم نے یہ قید نہیں لگائی۔ (ت)

غرر و درر میں ہے :

وان غیر اوصافه فی الاصح[1] (اصح یہ ہے کہ اگرچہ وُہ پانی کے اوصاف کو بدل دے۔ ت)

عبدالحلیم میں ہے :

ھو الاصح بل الصحیح کما قال فی المنبع[2] (یہی اصح ہے بلکہ صحیح ہے، جیسا کہ منبع میں فرمایا۔ ت)

سراج الوہاج وعلمگیریہ وجوہرہ نیرہ و فتاوی غزی میں ہے :

فان تغیرت اوصافه الثلثة بوقوع اوراق الاشجار فیه وقت الخریف فانه یجوز به الوضوء عند عامة اصحابنا رحمھم اللہ تعالٰی[3]۔

اگر اس کے تینوں اوصاف موسم خزاں کے پتوں کے گرنے کی وجہ سے تبدیل ہوگئے، تو ہمارے اصحاب کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے رحمہم اللہ تعالٰی۔ (ت)

مجتبٰی، شرح قدوری پھر فتاوی غزی میں ہے :

لوغیر الاوصاف الثلثة بالاوراق ولم یسلب اسم الماء عنه ولا معناہ فانه یجوز التوضوء به[4]۔

اگر پانی کے تینوں اوصاف پتّوں کے گرنے کی وجہ سے متغیر ہوگئے اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہوا اور نہ اس کے معنی سلب ہُوئے تو اس سے وضوء جائز ہے۔ (ت)

---

[1] درر غرر ملّا خسرو فرض الغسل مطبعہ کاملیۃ بیروت ۱/۲۱
[2] درر غرر عبدالحلیم فرض الوضو مطبعہ عثمانیہ بیروت ۱/۱۷
[3] ہندیۃ فیما لایجوز بہ الوضو پشاور ۱/۲۱ [4] فتاوی غزی

نہایہ امام سغناقی پھر عنایہ وحلیہ وغنیہ وبحر ونہر ومسکین و رد المحتار کتب کثیرہ میں ہے:

المنقول عن الاساتذہ انہ یجوز حتی لوان اوراق الاشجار وقت الخریف تقع فی الحیاض فیتغیر ماؤھا من حیث اللون و الطعم والرائحۃ ثم انھم یتوضؤن منھا غیر نکیر[1]

اساتذہ سے یہ منقول ہے کہ جائز ہے، یہاں تک موسم خزاں میں درختوں کے پتّے حوضوں میں گرنے کی وجہ سے پانی کا رنگ، مزہ، بُو بدل جاتا ہے پھر بھی وہ ایسے پانی سے وضو کر لیتے تھے، اور اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔

ردالمحتار میں زیر قول مذکور وان غیر کل اوصافہ فی الاصح فرمایا:

مقابلہ ما قیل انہ ان ظہر لون الاوراق فی الکف لایتوضؤ بہ لکن یشرب والتقیید بالکف اشارۃ الی کثرۃ التغیر لان الماء قد یری فی محلہ متغیرا لونہ لکن لو رفع منہ شخص فی کفہ لا یراہ متغیرا تأمل اھ[2]۔

اس کے مقابل یہ قول ہے کہ اگر پتّوں کا رنگ چُلو کے پانی میں ظاہر ہو جائے تو اس سے وضو جائز نہیں، لیکن یہ پانی پیا جا سکتا ہے، اور ہتھیلی کی قید لگانا یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ تغیر بہت زیادہ واقع ہُوا ہے، کیونکہ پانی اپنے محل میں کبھی متغیر نظر آتا ہے لیکن اگر اُسے چُلّو میں اٹھایا جائے تو متغیر نظر نہیں آتا ہے تأمل اھ۔ (ت)

اقول لا ادری لم امر بالتأمل وھو امر صحیح مشاھد ھذا وزعم یوسف چلپی فی ذخیرۃ العقبٰی الاصح ماذکرہ الشارح یرید صدر الشریعۃ لانہ بغلبۃ لون الاوراق صار مقیدا اھ[3]۔

میں کہتا ہُوں کہ معلوم نہیں، انہوں نے تأمل کا حکم کیوں دیا، یہ ایک صحیح بات ہے جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں، اور یوسف چلپی نے ذخیرۃ العقبٰی میں فرمایا کہ اصح وُہ ہے جس کو شارح نے ذکر کیا، ان کی مراد صدر الشریعۃ ہیں، کیونکہ وہ پتّوں کے رنگ کے غلبہ کی وجہ سے مقید پانی ہوگیا ہے۔ (ت)

اقول ھو رحمہ اللہ تعالٰی لیس من اھل الترجیح ولم یسندہ لمعتمد فلا یعارض

میں کہتا ہُوں وُہ (رحمہ اللہ) اصحاب ترجیح سے نہیں ہیں اور انہوں نے کسی قابل اعتماد شخصیت کی طرف نسبت

---

[1] ردالمحتار — باب المیاہ — مصطفی البابی مصر — ۱/۱۳۷

[2] ایضاً

[3] ذخیرۃ العقبٰی — المبحث فی الموجبات للغسل — مطبع الاسلامیہ لاہور — ۱/۱۴۵

ما علیہ الجمھور ونصوا انہ الاصح ونص الامام النسفی فی المستصفی عن شیخہ شمس الائمۃ الکردری انہا الروایۃ الصحیحۃ کما سیأتی فی ۹۷ امّا ما استدل بہ فمصادرۃ علی المطلوب وکفی ردا علیہ قول المحقق فی الفتح تقع الاوراق فی الحیاض زمن الخریف فیمر الرفیقان ویقول احدھما للاٰخر ھنا ماء تعال نشرب نتوضأ فیطلقہ مع تغیر اوصافہ بانتقاعہا فظہر لنا من اللسان ان المخالط المغلوب لایسلب الاطلاق اھ[1] وقال المحقق فی الحلیۃ لعل ما نقل من وضوء الاساتذۃ من الماء المذکور کان فیہ ادنی تغیر فی صفاتہ الثلثۃ[عہ] بحیث لم یزل عنہ اسم الماء المطلق اذ لیس کل تغیر فی مجموع الصفات الثلاث یوجب جعل ذلک الماء مقیدا بل ھذا ھو الظاھر من حالھم اذ لا یظن بھم الوضوء بالماء المقید اھ[2]

بھی نہیں کی تو یہ جمہور کے قول سے متعارض نہ ہوگا، جمہور نے تصریح کی ہے کہ یہی اصح ہے، اور امام نسفی نے مستصفی میں اپنے شیخ شمس الائمہ کردری سے نقل کیا کہ یہی صحیح روایت ہے، جیسا کہ عنقریب ۹۷ میں آئیگا اور جس سے انہوں نے استدلال کیا ہے تو وہ مصادرہ علی المطلوب ہے اور محقق نے اس کی تردید فتح میں کر دی ہے کہ موسم خزاں میں پتّے حوضوں میں گرتے ہیں اب وہاں سے دو دوست گزرتے ہیں ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ آؤ یہاں پانی موجود ہے اسے پیتے ہیں اور اس سے وضو کرتے ہیں تو وہ اس پر پانی کا اطلاق کرتا ہے حالانکہ اُس کے اوصاف متغیر ہو چکے ہیں تو معلوم ہوا کہ عام محاورہ میں اس سے پانی کا نام سلب نہیں ہوتا ہے اھ محقق نے حلیہ میں فرمایا اساتذہ کا جو اس پانی سے وضو کر لینا مذکور ہے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس پانی کے اوصاف میں زیادہ تغیر واقع نہ ہوا ہوگا اتنا کہ اُس سے مطلق پانی کا نام ہی مسلوب ہو جائے کیونکہ اوصافِ ثلٰثہ کا ہر تغیر پانی کو مقید نہیں بناتا ہے بلکہ اُن کے حال سے یہی ظاہر ہے، کیونکہ یہ گمان نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ مقید پانی سے وضو کر لیا کرتے تھے۔ (ت)

اقول ان ارادان کثرۃ تغیر الاوصاف

میں کہتا ہوں اگر ان کی مراد یہ ہے کہ پانی کے

عہ کذا ھو فی نسختی الحلیۃ باثبات التاء فی الثلثۃ ۱۲ منہ غفر لہ۔

میرے پاس موجود حلیہ کے نسخہ میں اسی طرح ثلٰثہ میں تاء کو ثابت رکھا گیا ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء سکھر ۱/۶۴

[2] حلیہ

بوقوع الاوراق یجعل الماء مقیدا مع بقاء رقتہ فغیر مسلم ولا واقع فبوقوع الاوراق مع بقاء الرقۃ لایزول اسم الماء ابدا وان تغیرت الاوصاف مھما تغیرت وان اراد بالتغیر الکثیر زوال الرقۃ فلاحاجۃ الی الترجی بل ھو المراد قطعا قال فی العنایۃ بعد نقل النھایۃ وکذا اشار فی شرح الطحاوی الیہ لکن شرطہ ان یکون باقیا علی رقتہ اما اذا غلب علیہ غیرہ وصار بہ ثخینا فلایجوز اھ[1] ثم قال فی الحلیۃ کما ان الظاھر ان محل جواب المیدانی المذکور ما بلغ بہ بما وقع فیہ من الاوراق الی حد التقیید فان تغیر لون الماء بکثرۃ الاوراق الواقعۃ فیہ یوجب تغیر الطعم بل والرائحۃ ایضا لکانت الاوراق ذات رائحۃ اھ[2]۔

اوصاف میں پتّوں کے وقوع سے زیادہ تغیر پیدا ہونے سے پانی مقید ہوجاتا ہے باوجودیکہ اُس کی رقت باقی رہتی ہے، تو یہ بات نہ تو مسلّم ہے اور نہ ایسا واقع ہے، کیونکہ پتّوں کے گرنے سے جبکہ رقت باقی ہو ہمیشہ پانی کا نام تبدیل نہیں ہوتا ہے اگرچہ اوصاف تبدیل ہوتے رہیں۔ اور اگر ان کی مراد کثرتِ تغیر سے یہ ہے کہ رقت زائل ہوجائے، تو ترجی (لفظ لعل) کی حاجت نہیں، بلکہ قطعیت کے ساتھ یہی کہنا ہوگا، عنایۃ میں نہایۃ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ طحاوی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی رقت باقی ہو، اور اگر پانی پر کوئی دوسری چیز غالب ہوگئی اور اُس کی وجہ سے وہ گاڑھا ہوگیا تو اُس سے وضو جائز نہیں پھر حلیہ میں فرمایا جیسا کہ یہ ظاہر ہے کہ میدانی کا مذکور جواب پتّوں کی اُس مقدار سے متعلق ہے جس کی وجہ سے پانی مقید ہوجائے، کیونکہ پتّوں کی کثرت کے باعث جب پانی کا رنگ تبدیل ہوتا ہے تو ساتھ ہی مزہ بلکہ بُو بھی تبدیل ہوجاتی ہے بشرطیکہ پتّوں میں کوئی خاص بُو موجود ہو۔ (ت)

اقول[1] فکان ماذا فقد ذکرتم ان لیس کل تغیر فی الصفات الثلاث جمیعا یوجب جعل الماء مقیدا ولا تقیید ھھنا الا زوال الرقۃ والامام المیدانی انما بنی الجواب علی ظھور لون الاوراق فی الکف وبھذا

میں کہتا ہوں اس سے کیا ثابت ہوا؟ آپ نے خود بھی ذکر کیا ہے کہ اوصاف ثلثہ کا ہر تغیر پانی کو مقید نہیں بنادیتا ہے، اور یہاں کوئی تقیید زوالِ رقت کے سوا نہیں ہے اور میدانی کے جواب کی بنیاد یہ ہے کہ پتّوں کا رنگ چُلّو میں ظاہر ہوجائے، اور

---

[1] عنایۃ مع الفتح الماء الذی یجوز بہ الوضوء سکھر ۱/۶۳

[2] حلیہ

القدر جعله مقیدا وبه صرح صدر الشریعة و معلوم انه لایستلزم الثخانة فافی ینفع التاویل، وعلی الله ثم علی رسوله التعویل، جل جلالہ وعلیه الصلاۃ والسلام بالتبجیل۔

اس مقدار سے انہوں نے پانی کو مقید بنا دیا، اور اسی کی تصریح صدر الشریعۃ نے کی ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس سے اس کا گاڑھا ہونا لازم نہیں، تو تاویل کا کچھ فائدہ نہیں ....(ت)

(۸۰ و ۸۱) شنجرف یا کسم زردی کاٹنے کے لیے پانی میں بھگو دیتے ہیں جب زردی کٹ آئی پانی پھینک دیتے ہیں یہ پانی اگرچہ اس کی رنگت وغیرہ بدل گئی قابلِ وضو ہے جبکہ گاڑھا نہ ہوگیا ہو، خانیہ میں ہے:

التوضؤ بزردج العصفر یجوز ان کان رقیقا والماء غالب[1] اھ۔

پیلے رنگ کے زردج کے پانی سے وضو جائز ہے اگر پتلا ہوا اور پانی غالب ہو اھ (ت)

اقول والحاصل واحد فکانه اضیف الیه بالعطف علیه تعلیلا له۔

میں کہتا ہوں حاصل ایک ہی ہے، تو غالباً یہ چیز بطور عطف اس کے ساتھ اس کی تعلیل کے لئے ملائی گئی ہے۔ (ت)

بزازیہ میں ہے:

ماء الزردج والصابون والعصفر لو رقیقا لیسیل علی العضو یجوز[2]

زردج، صابون اور عُصفر کا پانی اگر اتنا پتلا ہو کہ عضو پر بہہ سکے تو اُس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

وھو الصحیح کذا اختارہ الناطفی والامام السرخسی رحمهما الله تعالٰی[3]۔

اور یہی صحیح ہے، اسی کو ناطفی اور امام سرخسی رحمہما اللہ نے پسند کیا ہے۔ (ت)

مُغرب میں ہے:

ماء الزردج ھو ماء یخرج من العصفر المنقوع فیطرح ولا یصبغ به[4]۔

زردج کا پانی وہ ہے جو نچوڑے ہوئے عصفر سے نکلتا ہے پھر اس کو پھینک دیتے ہیں اور یہ رنگنے کے کام نہیں آتا ہے۔ (ت)

---

[1] قاضی خان فیما لایجوز به التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹
[2] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ الماء المقید وغیرہ پشاور ۴/۱۰
[3] الہدایۃ الماء الذی یجوز به الوضوء مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۸
[4] جوہرۃ نیرۃ کتاب الطہارۃ امدادیہ ملتان ۱/۱۴

اسی طرح جوہرہ وغنیہ وحلیہ وعنایہ میں ہے۔

اقول انما الزردج معرب زردہ وھی الصفرۃ التی تخرج من العصفر فی الماء المنقوع فیہ فیسمی ذلک الماء ماء الزردج لاان مایخرج من العصفر یسمی ماء الزردج ھذا ھو الوجہ عندی فی اللفظ وتبعوا فیہ المطرزی وکانہ لم یتقنہ لخلو کتب اللغۃ عنہ حتی القاموس المدعی الاحاطۃ وتاج العروس المستدرک علیہ بکثیر ولا الکلمۃ من لسان العرب واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں "زردج" زردہ کا معرب ہے، یہ وہ زردی ہے جو عُصفر سے نکل کر اس پانی میں آجاتی ہے جس میں اسے ڈبویا گیا ہو اس کو ماءِ زردج کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ خود عصفر سے جو پانی نکلتا ہے اس کو ماءِ زردج کہا جاتا ہو، میرے نزدیک اس لفظ کا صحیح مفہوم یہی ہے، جبکہ دوسرے حضرات نے اس میں مطرزی کی پیروی کی ہے، غالبًا مطرزی نے اس کو اچھی طرح نہیں سمجھا، کیونکہ لغت کی کتب میں یہ موجود نہیں، یہاں تک کہ قاموس جس کا دعوٰی ہے کہ اس نے تمام کلمات کا احاطہ کیا ہے اس سے خالی ہے، اور پھر تاج العروس جس میں اس سے بھی زیادہ کلمات کا احاطہ ہے اس میں بھی یہ موجود نہیں، اور نہ ہی یہ کلمہ لسان العرب میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۸۲ و ۸۳) جس پانی میں گچ یا چُونا مل جائے لقولہ لم یزل عنہ اسم الماء وبقی معناہ ایضا (کیونکہ نام بھی سلب نہیں ہوا اور معنی بھی باقی ہے۔ ت)

(۸۴) چُونے کا پانی، گٹی بجھنے کے بعد تہ نشین ہوتی اور اوپر نتھرا پانی رہ جاتا ہے جس میں قدرے سپیدی متفرق طور پر رہتی ہے اسے چُونے کا پانی کہتے ہیں قابلِ وضو ہے اذلم یزل اسم الماء ولا طبعہ (کیونکہ نام بھی سلب نہیں ہوا اور طبیعت بھی زائل نہیں ہُوئی۔ ت)

(۸۵) ریشم پکانے کے لیے کیسوں کو پانی میں جوش دیتے ہیں اور اُن میں ریشم کے کیڑے ہوتے ہیں اُس پانی سے وضو جائز ہے کیڑے تر ہوں یا خشک جب تک اس کثرت سے نہ ہوں کہ اُن کے اجزا پانی پر غالب آجائیں۔ جواہر الفتاوی باب ثانی فتاوی امام جمال الدین بزدوی میں ہے:

الفیلق اذا طرح فی الماء الذی اغلی بالنار لسد الابریسم وفی الفیلق دودمیتۃ یابسۃ اوغیر یابسۃ بقیت فی الماء یکون طاھرا لانہ لیس لہ دم سائل وان غلب

کیسوں کو جب آگ پر جوش دیے ہُوئے پانی میں ڈالا جائے تاکہ ابریشم کا تار حاصل کیا جاسکے، اور ان کیسوں میں مُردہ کیڑے بھی موجود ہوں، خواہ خشک حالت میں یا غیر خشک حالت میں تو یہ پانی جس میں

اجزاؤھا علی الماء یمنع التوضی بہ کما لو غلب شیئ اخر۔[1]

یہ کیاں ڈالی گئی ہوں پاک رہے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کیڑوں میں سیال خون نہیں ہوتا ہے، اور اگر ان کیڑوں کے اجزاء پانی پر غالب ہوجائیں تو دوسری اشیاء کی طرح اس سے وضوء جائز نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فی الوھبانیۃ دود القز وماؤہ وبذرہ وخرؤہ طاھر کدودۃ متولدۃ من نجاسۃ۔[2]

وہبانیہ میں فرمایا ریشم کا کیڑا، اس کا پانی، اس کا انڈا اور اس کی بیٹ اُسی طرح پاک ہے جس طرح نجاست سے پیدا ہونے والے دوسرے کیڑوں کا حکم ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں شرح وہبانیہ للعلامہ عبدالبر سے ہے:

یحتمل ان المراد ما یوجد فیما یھلک منہ قبل ادراکہ وھو شبیہ باللبن او الذی یغلی فیہ عند حلہ حریرا۔[3]

ہوسکتا ہے کہ پانی سے مراد وہ پانی ہو جو ان کیڑوں میں پایا جاتا ہے جو کیڑوں کے پکنے سے پہلے ہی ہلاک ہوجاتے ہیں، یہ پانی دودھ کے مشابہ ہوتا ہے، یا وہ پانی ہوسکتا ہے جس میں انکو ریشم نکالتے وقت اُبالا جائے۔ (ت)

فا

(۸۶) پانی میں مینڈک یا کوئی آبی جانور یا وہ غیر آبی جس میں خون سائل نہ ہو جیسے زنبور، کژدم، مکھی وغیرہا مرجائے اُس سے وضو جائز ہے اگرچہ ریزہ ریزہ ہوکر اس کے اجزاء پانی میں ایسے مل جائیں کہ جُدا نہ ہوسکیں بشرطیکہ پانی اپنی رقت پر رہے، ہاں اس حالت میں اس کا پینا یا شوربا کرنا حرام ہوگا جبکہ وہ جانور حرام ہو اور اگر ٹڈی یا غیر طافی مچھلی ہے تو یہ بھی جائز۔ درمختار میں ہے:

لو تفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لاشربہ لحرمۃ لحمہ۔[4] قال ش عن البحر لانہ صارت اجزاؤہ فی الماء فیکرہ الشرب تحریما اھ۔[5]

اور اگر پانی میں مینڈک کی قسم کی کوئی چیز پُھول پھٹ جائے تو اُس سے وضو جائز ہے پینا جائز نہیں کہ اس کا گوشت حرام ہے، "ش" نے بحر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا اس لئے کہ اس کے اجزاء پانی میں شامل ہوگئے تو اس کا پینا مکروہ تحریمی ہوگا۔ (ت)

---

[1] جواہر الفتاوی

[2] درمختار	باب المیاہ	مجتبائی دہلی	۱/۳۵
[3] ردالمحتار	"	مصطفی البابی مصر	۱/۱۳۵
[4] درمختار	"	مجتبائی دہلی	۱/۳۵
[5] ردالمحتار	"	مصطفی البابی مصر	۱/۱۳۶

اقول کل مالادم فیہ حرام غیر الجراد والسمك الغیر الطافی واذا اختلطت اجزاؤہ بالماء فازدرادھا فی شربہ متیقن فای وجہ للنزول من الحرمۃ الی کراھۃ التحریم وراجعت البحر فوجدت نصہ ھکذا روی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی اذا تفتت الضفدع فی الماء کرھت شربہ لا للنجاسۃ بل لحرمۃ لحمہ وقد صارت اجزاؤہ فی الماء وھذا تصریح بان کراھۃ شربہ تحریمیۃ وبہ صرح فی التجنیس فقال یحرم شربہ۔

میں کہتا ہُوں ہر وہ جانور جس میں خون نہ ہو وہ حرام ہے سوائے ٹڈی اور اُس مچھلی کے جو مُردہ حالت میں سطحِ سمندر پر تیرتی ہُوئی نہ پائی گئی ہو، اور جب اس کے اجزا پانی میں مل جائیں تو ان کا پیتے وقت پانی میں شامل ہونا یقینی امر ہے تو پھر حرمت سے گھٹ کر کراہت تحریم کا حکم کیوں لگایا گیا؟ میں نے بحر کو دیکھا تو اس میں یہ تھا" امام محمد سے مروی ہے جب مینڈک پانی میں پُھول پھٹ جائے تو میں اس پانی کے پینے کی کراہت کا قول کروں گا اس کی نجاست کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے گوشت کی حرمت کی وجہ سے اور اس حرام گوشت کے اجزاء پانی میں بھی شامل ہو گئے ہیں، یہ اس امر کی صراحت ہے کہ اس کے پینے کی کراہت تحریمی ہے اور اسی کی تصریح تجنیس میں ہے، فرمایا کہ اس کا پینا حرام ہے۔ (ت)

اقول الکراھۃ فی عرف القدماء اعم من الحرمۃ یقولون اکرہ کذا والمعنی احرمہ راجع کتابی فصل القضاء فی رسم الافتاء فمعنی قول البحر ان الکراھۃ فی کلام الامام للتحریم الاتری الی قولہ وبہ صرح فی التجنیس وانما صرح بانہ حرام۔

میں کہتا ہُوں کراہت کا لفظ متقدمین کے عرف میں حُرمت کو بھی عام ہے وہ فرماتے ہیں میں اس کو مکروہ سمجھتا ہُوں اور مراد یہ ہوتی ہے کہ میں اس کو حرام سمجھتا ہُوں۔ دیکھئے میری کتاب "فصل القضاء فی رسم الافتاء" تو بحر کی مراد یہ ہے کہ امام کے کلام میں کراہت سے مراد تحریم ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا وبہ صرح فی التجنیس اور اس میں ان کی تصریح یہ ہے کہ حرام ہے۔ (ت)

(۸۷) چاول کھچڑی دال دھو کر ڈالے جاتے ہیں ان کے دھونے سے جو پانی بچا قابلِ وضو ہے جبکہ بے وضو ہاتھ سے نہ دھوئے ہوں اگرچہ اس کے رنگ میں ضرور تغیر آجاتا ہے بلکہ اگرچہ مزہ و بُو بھی بدل جائیں۔

اقول وھذا عندی وفاقا حتی ممن یجعل ماء الحمص والباقلاء المنقوعین

میں کہتا ہوں یہ میرے نزدیک متفقہ طور پر ہے، یہاں تک کہ جو حضرات چنوں اور باقلی (لوبیا)

---

[1] بحر الرائق موت مالادم لہ سعید کمپنی کراچی ۱/۸۹

36

فیہ مقید الان بمجرد الغسل لایسری الیہ مایسری بالنقع والتغیر الذی یحدث بہ لیس للحب بل لما علیہ من نحو الغبار واللہ تعالٰی اعلم۔

کے صاف کئے ہُوئے پانی کو مقید قرار دیتے ہیں وہ بھی اسی کے قائل ہیں، کیونکہ صرف دھونے سے پانی میں وُہ اثر پیدا نہیں ہوتا ہے جو صاف کرنے سے ہوتا ہے، اور جو تغیر پانی میں پیدا ہوتا ہے وہ دانہ کے باعث نہیں ہے بلکہ اس کے اوپر غبار کی وجہ سے ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۸۸) جس پانی میں چنے بھگوئے کتنی ہی دیر بھیگے رہیں تحقیق یہ ہے کہ اُس سے وضو جائز ہے مگر یہ کہ ناج کے اجزا اُس میں مل کر اُسے گاڑھا کردیں کہ اپنی رقت وسیلان پر باقی نہ رہے۔

(۸۹) یُوں ہی جس میں باقلا بھگوئیں[ع] یونہی ہر ناج۔ مختصر امام ابوالحسن قدوری میں تھا:

لا (ای لایجوز الوضوء) بماء غلب علیہ غیرہ فاخرجہ عن طبع الماء کماء الباقلا والمرق[1]۔

نہیں (یعنی وضو جائز نہیں) اُس پانی سے جس پر اُس کے غیر کا غلبہ ہوگیا ہو اور اس وجہ سے پانی کو اس کی طبیعت سے خارج کردیا ہو، جیسے باقلی کا پانی اور شوربہ۔ (ت)

اس پر ہدایہ میں فرمایا:

المراد بماء الباقلاء وغیرہ ماتغیر بالطبخ فان تغیر بدون الطبخ یجوز التوضی بہ[2] اھ واقرہ علیہ فی الفتح والعنایۃ وتبعہ فی الجوھرۃ فقال قولہ وماء الباقلاء المراد المطبوخ بحیث اذا برد ثخن وان لم یطبخ فھو من قبیل وتجوز الطہارۃ بماء خالطہ شیئ طاھر[3] اھ

باقلاء کے پانی سے مراد وُہ پانی ہے جو پکائے جانے کی وجہ سے متغیر ہوگیا ہو اور اگر بلا پکائے متغیر ہوگیا ہو تو اُس سے وضو جائز ہوگا اھ اور اس کو اس پر برقرار رکھا فتح اور عنایہ میں اور جوہرہ میں اس کی متابعت کی اور فرمایا، ان کا قول "اور باقلی کا پانی" اس سے مراد پکا ہُوا پانی ہے جو ٹھنڈا کئے جانے پر گاڑھا ہوجاتا ہے، اور اگر اس کو پکایا نہ گیا ہو تو یہ اس پانی کی طرح ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

[ع] یہ بھی ایک معروف غلہ ہے اگرچہ یہاں اس کا رواج نہیں اس کی پھلیاں پکاتے ہیں سالن کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ (م)

---

[1] قدوری کتاب الطہارت مطبع مجیدی کانپور ص ۶
[2] الہدایۃ " مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۸
[3] جوہرۃ نیرۃ " امدادیہ ملتان ۱/۱۴

اقول رحم الله الشیخ الامام و رحمنا به کلام[عہ] ابی الحسن فیما اذا اخرجه عن طبع الماء بان اختلطت فیه اجزاؤہ فثخن ولم یبق رقیقا فحینئذ لا یجوز التوضی به وان لم یطبخ وقد قال فی الوقایة لا بماء زال طبعه بغلبة غیرہ اجزاء او بالطبخ کماء الباقلی والمرق فقال الامام الشارح المراد به ان یخرجه عن طبع الماء وهو الرقة والسیلان و ماء الباقلی نظیر ما غلب علیه غیرہ اجزاء والمرق نظیر ما غلب علیه بالطبخ[1] اھ وفی الاصلاح والایضاح لا بماء زال طبعه وهو الرقة والسیلان بغلبة غیرہ اجزاء کماء الباقلا[2] اھ نعم الظاهر ما عن الذخیرة والتتمة عن السیدانی وتبعه صدر الشریعة من قیاس ماتون بوقوع الاوراق علی ماء الباقلی ان المراد ما نقع فیه فغیرہ وصفا لا ذاتا وهو خلاف المعتمد ففی الخانیة یجوز التوضؤ بماء القی فیه حمص او باقلاء لیبتل وتغیر لونه وطعمه

میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی شیخ الامام پر اور ہم پر رحم فرمائے، ابو الحسن کی گفتگو اس صورت سے متعلق ہے جب کہ پانی کو اس کی طبیعت سے نکال دے مثلاً یہ کہ اس میں اس کے اجزاء مل جائیں اور وہ گاڑھا ہو جائے اور اس کی رقّت باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں اس سے وضو جائز نہ ہوگا خواہ پکایا نہ گیا ہو، اور وقایہ میں فرمایا "نہ کہ اُس پانی سے جو دُوسری شَے کے غلبہ کی وجہ سے اپنی طبیعت سے خارج ہوگیا ہو یا پکائے جانے کی وجہ سے طبیعت ماء سے خارج ہوگیا ہو، جیسے باقلی (لوبیا) کا پانی یا شوربہ۔ امام شارح نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو پانی کی طبیعت سے خارج کر دے اور پانی کی طبیعت رقّت اور سیلان ہے اور باقلی (لوبیا) کا پانی اُس پانی کی نظیر ہے جس پر دوسرے اجزاء غالب آگئے ہوں اور شوربہ اُس پانی کی مثال ہے جس کو پکایا گیا ہو تو اس پر دوسری شَے غالب آجائے اھ اور اصلاح اور ایضاح میں ہے کہ نہ اُس پانی سے کہ جس کی طبیعت زائل ہوگئی ہو یعنی رقّت اور سیلان، اور یہ دوسری

عہ الحمد لله فتح المولی سبحنه و تعالی بما یصحح الکلام ویوضح المرام و یزیل الاوهام کما یاتیک فی سادس ضوابط الفصل الثالث ان شاء الله تعالی ۱۲ منه غفرله وحفظ ربه

اللہ تعالٰی کے لیے حمد ہے اللہ پاک نے وہ کھول دیا ہے جس کے ذریعے کلام صحیح ہوتا ہے، مقصود واضح ہوتا ہے اور وہم ختم ہوتے ہیں جیسا کہ فصلِ ثالث کے چھٹے ضابطہ میں آئے گا۔ (ت)

---

[1] شرح وقایة کتاب الطہارت رشدیہ دہلی ۱/۸۵

[2] اصلاح والایضاح

ولکن لم تذھب رقتہ اھ[1] و فی الفتح فی الینابیع لونقع الحمص والباقلاء وتغیر لونہ وطعمہ وریحہ یجوز التوضی بہ اھ[2] ومثلہ عنھا فی فتاوی الغزی ومثلہ فی المنیۃ وعزاہ فی الحلیۃ للملتقط وتجنیس الملتقط والظھیریۃ۔

اشیاء کے اجزاء کے غلبہ کی وجہ سے ہوا ہو جیسے باقلی (لوبیا) کا پانی اھ ہاں ذخیرہ اور تتمہ کی گزشتہ عبارت جو میدانی سے منقول ہے اور جس کی متابعت صدر الشریعۃ نے کی ہے، جس پانی میں پتّے گرے ہوں اور اس کا رنگ بدل گیا ہو اس کو باقلی کے پانی پر قیاس کیا، اور کہا کہ اس سے مراد وہ پانی ہے جس میں کسی چیز کو صاف کیا گیا ہو، جس سے پانی کا وصف بدل گیا ہو نہ کہ ذات بدل ہو، اور یہ معتمد کے خلاف ہے۔ خانیہ میں ہے کہ اس پانی سے وضوء جائز ہے جس میں چنے ڈال دئے گئے ہوں یا باقلی (لوبیا) ڈال دیا ہو تاکہ تر ہوجائے اور اس سے اس کا رنگ اور مزا بدل گیا ہو لیکن اس کی رقت ختم نہ ہوئی ہو اھ اور فتح میں ہے ینابیع میں ہے کہ اگر چنوں اور باقلی کو پانی میں صاف کیا جس سے پانی کا رنگ، مزا اور بُو بدل گئی تو اُس سے وضو جائز ہے اور اسی کی مثل اس سے فتاوٰی غزی میں ہے اور اسی کی مثل منیہ میں ہے اور حلیہ میں اس کو ملتقط اور تجنیس ملتقط اور ظہیریہ کی طرف منسوب کیا۔ (ت)

فائدہ: اقول یہاں سے ظاہر ہوا کہ گھوڑے کے دانے سے جو پانی توبڑے میں بچ رہے قابلِ وضو ہے جبکہ رقیق سائل ہو اور اسے بے وضو یا تر نہ لگا ہو کہ مذہب صحیح میں گھوڑے کا جھوٹا قابلِ وضو ہے۔ درمختار میں ہے:

وسؤر ماکول لحم ومنہ الفرس فی الاصح طاھر طھور بلا کراھۃ[3]۔

وہ جانور جن کا گوشت حلال ہے ان کا جھوٹا پاک ہے اور اس سے بلا کراہت طہارت حاصل ہوتی ہے اور گھوڑا بھی انہی میں سے ہے اصح قول کے مطابق۔ (ت)

(۹۰) یہ ہوا اور ۲

(۹۱) گائے بھینس بکری وغیرہ حلال جانوروں کا جھُوٹا جبکہ اُس وقت اُن کے منہ کی نجاست نہ معلوم ہو اگرچہ نر ہو اور بعض نے کہا نر کا جھوٹا ناپاک ہے کہ اُس کی عادت ہوتی ہے کہ جب مادہ پیشاب کرے اپنا منہ وہاں لگا کر سُونگھتا ہے نیز زمین پر اگر اس کا پیشاب پڑا پائے تو اُسے مگر صحیح طہارت ہے۔ درمختار

---

[1] قاضی خان | فیما لایجوز بہ التوضی | نولکشور لکھنؤ | ۱/۹

[2] فتح القدیر | " | سکھر | ۱/۶۵

[3] درمختار | فصل فی البئر | مجتبائی دہلی | ۱/۴۰

میں ہے:

سؤر حمار اھلی و لوذکر فی الاصح مشکوک فی طھوریتہ لاطھارتہ[1]

پالتو گدھے کے جُھوٹے کی طہوریت مشکوک ہے طہارت مشکوک نہیں اصح قول کے مطابق۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فی الاصح قالہ قاضیخان ومقابلہ القول بنجاستہ لانہ ینجس فمہ بشم البول قال فی البدائع وھو غیر سدید لانہ امر موھوم لا یغلب وجودہ فلا یؤثر فی ازالۃ الثابت بحر[2] اھ

اس کا قول "فی الاصح" یہ قاضی خان کا قول ہے. اور اس کے مقابل اس کی نجاست کا قول ہے اس لیے کہ اس کا منہ پیشاب کو سُونگھنے کی وجہ سے نجس ہوجاتا ہے، بدائع میں فرمایا یہ درست نہیں کیونکہ یہ بات محض وہم ہے، عام طور پر ایسا نہیں ہوتا ہے تو جو ثابت ہے اس کے ازالہ میں موثر نہ ہوگا بحر اھ۔ (ت)

اقول ان کان المناط الندرۃ یظھر تنجیس سؤر التیس فان شمہ بول العنز انکان نادرا فانہ یتکرر منہ کل یوم مرارا اندیدلی ذکرہ والمذی والبول نابعان فیمصہ بل الوجہ عندی واللہ تعالٰی اعلم ان الجفاف سبب الطھارۃ فی ابدان الحیوانات کما فی الارض وقد حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی باب الانجاس من فتاوٰنا واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہُوں اگر مناط (علت) نادر ہونا ہے تو بکرے کے جُھوٹے کا نجس ہونا بھی ظاہر ہوگا، کیونکہ وہ بکری کے پیشاب کو تو کم ہی سُونگھتا ہے مگر یہ عمل دن میں کئی بار اس سے سرزد ہوتا ہے کہ وہ اپنا ذکر لٹکاتا ہے اور مذی اور پیشاب دونوں اس سے نکلتے ہیں، تو وہ بکرا اس ذکر کو چوستا ہے بلکہ اس کی وجہ میرے نزدیک (واللہ اعلم) یہ ہے کہ خشک ہونا حیوانات کے بدن میں سبب طہارت ہے جیسا کہ زمین کا حال ہے اور ہم نے بتوفیق اللہ اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی کے باب الانجاس میں کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اقول ہاں اگر دیکھیں کہ بیل وغیرہ نے مادہ کا پیشاب سُونگھا یا بکرے نے اپنا آلہ تناسل نکال کر چُوسا اور اُس وقت مذی اور بول نکل رہے تھے اور قبل اس کے کہ اس کا منہ پاک ہوجائے پانی میں ڈال دیا تو

---

[1] درمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰
[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۵

اب بیشک پانی ناپاک ہوجائیگا[1] اور اگر چار برتنوں میں منہ ڈالا تو پہلے تین ناپاک ہیں چوتھا پاک و قابلِ وضو۔ اسے نمبر ۲۲ کے ساتھ لکھنا تھا مگر ارادۂ الٰہیہ یونہی واقع ہوا و لہ الحمد علی ما صنع، وعلی ما اعطی وعلی ما منع، وصلی اللہ تعالی وبارک وسلم علی الشفیع المشفع، و اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمع۔

(۹۲) پانی میں کولتار پڑگیا جس سے اس میں سخت بدبو آگئی مگر گاڑھا نہ ہوگیا اس سے وضو جائز ہے۔

فتاوٰی زینیہ میں ہے:

سئل عن الماء المتغیر ریحہ بالقطران ھل یجوز الوضوء منہ ام لا اجاب نعم یجوز[1] اھ والقطران بالفتح وبالکسر کظربان عصارۃ الابھل والارز[2] قاموس والارز ثمر الصنوبر قالہ ابو حنیفۃ[3] تاج العروس ومثلہ فی بلادنا ما ذکرت۔

سوال کیا گیا کہ وہ پانی جس کی بُو کولتار کی وجہ سے متغیر ہوگئی ہو، کیا اس سے وضو جائز ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہاں، اور قطران بالفتح اور بالکسر ظربان کی طرح ابہل اور ارز کا نچوڑ ہے قاموس، اور ارز صنوبر کے درخت کا پھل ہوتا ہے، یہ ابو حنیفہ کا قول ہے تاج العروس۔ اس قسم کا ہمارے ملک میں ہوتا ہے جیسا میں نے ذکر کیا۔ (ت)

اقول مگر بوجہ خبث رائحہ مکروہ ہونا چاہیے خصوصاً اگر اس کی بدبُو نماز میں باقی رہی کہ باعث کراہت تحریمی ہوگی۔

(۹۳) پانی میں روٹی بھگوئی اس کے تو اجزاء جلد منتشر ہوجاتے ہیں مگر جب تک پانی کو ستو کی طرح گاڑھا نہ کردیں رقیق وسیال رہے قابلِ وضو ہے اگرچہ رنگ، مزہ، بُو سب بدل جائیں، خانیہ میں ہے:

لو بل الخبز بالماء وبقی رقیقا جاز بہ الوضوء[4]۔ اگر روٹی کو پانی میں بھگویا اور وہ پانی پتلا رہا تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

(۹۴) یونہی جس میں آم بھگوئے۔

(۹۵) اقول اسی طرح گوشت کا دھوون اگرچہ پانی میں ایک گونہ سُرخی آجائے کہ صحیح مذہب میں

---

[1] فتاوٰی زینیۃ علی حاشیہ فتاوٰی غیاثیۃ — کتاب الطہارۃ — مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ — ص ۳
[2] قاموس المحیط — باب الراء فصل القاف — مصر — ۲/۱۳۲
[3] لسان العرب — بیروت — ۵/۳۰۶
[4] قاضی خان — فیما لایجوز بہ التوضی — نولکشور لکھنؤ — ۱/۹

گوشت کا خون بھی پاک ہے نہ کہ وہ سُرخی کہ بعض جگہ اُس کی سطح پر ہوتی اور پانی میں دُھل جاتی ہے۔ ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے :

الدم الخارج من اللحم المھزول عند القطع ان منه فطاھر وکذا دم مطلق اللحم[1]۔

دبلے گوشت سے نکلنے والا خون کاٹتے وقت، اگر اس سے نکلے تو پاک ہے اور اسی طرح مطلق گوشت کے خُون کا حکم ہے۔ (ت)

(۹۶) صابون

(۹۷) اُشنان کہ ایک گھاس ہے اُسے حُرض بھی کہتے ہیں۔

(۹۸) ریحان جسے آس بھی کہتے ہیں۔

(۹۹) بابونہ

(۱۰۰) خطمی

(۱۰۱) بیری کے پتے کہ یہ چیزیں میل کاٹنے اور زیادتِ نظافت کو آبِ غسل میں شامل کی جاتی ہیں اس سے غسل و وضو جائز ہے اگرچہ اوصاف میں تغیر آجائے جب تک رقت باقی رہے مختصر امام ابوالحسن میں ہے :

یجوز الطھارۃ بماء خالطه شیئ طاھر فغیر احد اوصافه کماء المد والماء الذی اختلط به اللبن اوالزعفران او الصابون او الاشنان[2]۔

اُس پانی سے طہارت جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل کر اُس کے کسی وصف کو بدل دے جیسے سیلاب کا پانی اور وُہ پانی جس میں دودھ، زعفران، صابون یا اُشنان ملی ہو۔ (ت)

اس پر جوہرہ نیرہ میں ہے :

فان غیر وصفین فعلی اشارۃ الشیخ لایجوز الوضوء ولکن الصحیح انه یجوز کذا فی المستصفی[3]۔

تو اگر وُہ اس کے دو اوصاف کو بدل دے تو شیخ کے اشارہ کے مطابق اس سے وضوء جائز نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ جائز ہے کذا فی المستصفی۔ (ت)

حلیہ میں ہے :

التقیید باحد الاوصاف الثلثۃ فیه

تین میں سے ایک وصف کے ساتھ مقید کرنے

---

[1] بزازیۃ مع الھندیۃ — السابع فی النجس — پشاور — ۴/۲۱

[2] قدوری — الطہارت — مجیدی کانپور — ص ۶

[3] جوہرۃ نیرۃ — " — امدادیہ ملتان — ۱/۱۴

نظر فقد نقل الشیخ حافظ الدین فی المستصفی عن شیخه العلامۃ الکردری ان الروایۃ الصحیحۃ خلافہ[1]

میں نظر ہے۔ کیونکہ شیخ حافظ الدین نے مستصفٰی میں اپنے شیخ علامہ کردری سے نقل کیا ہے کہ صحیح روایت اس کے برخلاف ہے۔ (ت)

مجتبٰی شرح قدوری میں ہے:

قول المصنف فغیرا احد اوصافہ لایفید التقیید بہ حتی لو تغیرت الاوصاف الثلثۃ بالاشنان او الصابون او الزعفران ولم یسلب اسم الماء عنہ ولا معناہ فانہ یجوز التوضؤ بہ[2]

مصنف کا قول "فغیرا احد اوصافہ" اس کے ساتھ تقیید مفید نہیں ہے یہاں تک کہ اگر تینوں اوصاف اُشنان، صابون یا زعفران سے بدل گئے اور اُس سے نہ تو پانی کا نام سلب ہوا اور نہ معنی سلب ہُوئے تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

ماء صابون وحرض ان بقیت رقتہ ولطافتہ جاز التوضؤ بہ[3]

صابون اور حرض (اُشنان جس سے کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے ہیں) کے پانی کی رقت ولطافت اگر باقی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

(۱۰۲ تا ۱۰۷) یہی چھ چیزیں اگر پانی میں ڈال کر جوش دی جائیں جب بھی وضو جائز ہے جب تک رقت باقی ہے، ہدایہ میں ہے:

ان تغیر بالطبخ بعد ما خلط بہ غیرہ لایجوز التوضی بہ الا اذا طبخ فیہ ما یقصد بہ المبالغۃ فی النظافۃ کالاشنان ونحوہ لان المیت قد یغسل بالماء الذی اغلی بالسدر بذلک وردت السنۃ الا ان یغلب ذلک علی الماء فیصیر کالسویق

اگر پانی دوسری چیز کی ملاوٹ کے بعد پکانے سے متغیر ہوگیا تو اس سے وضوء جائز نہیں، ہاں اگر اس میں ایسی چیز ڈال کر پکائی گئی جس سے نظافت میں زیادتی مطلوب ہو جیسے اُشنان وغیرہ کیونکہ مُردہ کو کبھی بیری (کے پتّے) ڈال کر اُبلے ہُوئے پانی سے غُسل دیا جاتا ہے، اور یہ حدیث میں بھی مذکور ہے،

---

[1] حلیۃ
[2] البنایۃ شرح ہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ملک سنز فیصل آباد ۱/۱۸۹
[3] فتاوٰی قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

المخلوط لزوال اسم الماء عنه[1]۔ ہاں اگر اس قسم کی چیزیں پانی پر غالب آجائیں اور وہ پانی ستوؤں کی طرح ہوجائے تو وضوء جائز نہیں کہ اب اس پر پانی کا اطلاق نہ ہوگا۔ (ت)

فتاوٰی شیخ الاسلام غزی میں ہے:

ماء الصابون لو رقیقا یسیل علی العضو یجوز الوضوء بہ وکذا لو اغلی بالاشنان وان ثخن لا کما فی البزازیۃ[2]۔

صابون کا رقیق پانی جو اعضاء پر بہے اس سے وضو جائز ہے، اسی طرح اگر پانی میں اُشنان ڈال کر جوش دیا گیا تو وضوء جائز ہے اگر وہ گاڑھا ہوجائے تو وضو جائز نہیں کما فی البزازیہ۔ (ت)

خانیہ میں بعد عبارت مذکورہ آنفا ہے:

وکذا لو طبخ بالماء ما یقصد بہ المبالغۃ فی التنظیف کالسدر والحرض وان تغیر لونہ ولکن لم تذھب رقتہ یجوز وان صار ثخینا مثل السویق لا[3]۔

اور اسی طرح اگر پانی میں ایسی چیز کو جوش دیا گیا جس سے نظافت میں مبالغہ مقصود ہو جیسے بیری (کے پتے) اور حرض، خواہ اس کا رنگ بدل جائے لیکن اس کی رقت ختم نہ ہو تو اس سے وضوء جائز ہے اور اگر ستوؤں کی طرح گاڑھا ہوجائے تو جائز نہیں۔ (ت)

منیہ وغنیہ میں ہے:

(ذکر فی المحیط لو توضأ بماء اغلی باشنان او بأس جاز الوضوء بہ مالم یغلب علیہ) بان اخرجہ عن رقتہ[4]۔

(محیط میں ذکر کیا کہ اگر کسی نے ایسے پانی سے وضوء کیا جس کو اُشنان یا آس (ایک درخت جو ریحان کے نام سے مشہور ہے) میں جوش دیا گیا تو اس سے وضوء جائز ہے بشرطیکہ وہ پانی پر غالب نہ ہو کہ اس کو اس کی رقت سے نکال دے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

فی الذخیرۃ وتتمۃ الفتاوی الصغری نقلا

ذخیرہ اور تتمہ فتاوٰی صغری میں ابو یوسف سے

---

[1] الہدایۃ کتاب الطہارۃ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۸

[2] فتاوٰی غزی

[3] فتاوٰی قاضی خان فیما لا یجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[4] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

عن ابی یوسف رحمه الله تعالی اذا طبخ الآس
او البابونج فی الماء فان غلب علی الماء حتی
یقال ماء البابونج والآس لایجوز التوضی
به انتهی وعزی الی الاجناس بما نصه قال
محمد رحمه الله تعالٰی فی الماء الذی یطبخ
فیه الریحان او الاشنان اذا لم یتغیر لونه حتی
یحمر بالاشنان او یسود بالریحان وکان
الغالب علیه الماء فلا باس بالوضوء به فمحمد
یراعی لون الماء وابو یوسف غلبة الاجزاء
ثم فی التتمة والذخیرة والحاصل من
مذهب ابی یوسف ان کل ماء خلط بشیئ
یناسب الماء فیما یقصد من استعمال الماء
وهو التطهیر فالتوضی به جائز بشرط ان
لایغلب ذلك المخلوط علی الماء حتی لاتزول
به الصفة الاصلیة وهی الرقة وذلك مثل
الصابون او الاشنان وان کان ذلك المخلوط
لایناسب الماء فیما یقصد من استعمال الماء
ففی بعض الروایات اشترط لمنع جواز
التوضی غلبة ذلك الشیئ الماء وفی بعض
الروایات لم یشترط ومحمد اعتبر فی
جنس هذه المسألة غلبة المخلوط الماء
لمنع جواز التوضی ولکن فی بعضها اشار الی
الغلبة من حیث اللون وفی بعضها اشار الی
الغلبة من حیث الاجزاء بحیث تسلب صفة
الرقة من الماء ویبدلها بضدها

منقول ہے جب آس یا بابونہ کو پانی میں ابالا جائے اور وہ پانی پر غالب آجائے
یہاں تک کہ بابونہ یا آس (ایک درخت جو ریحان کے
نام سے مشہور ہے) کا پانی کہلانے لگے تو اس سے
وضوء جائز نہیں انتہی، اور اجناس کی طرف منسوب
کیا گیا ہے کہ امام محمد نے اُس پانی کی بابت فرمایا جس
میں ریحان (پھول) یا اُشنان کو جوش دیا گیا ہو
اور اس کا رنگ تبدیل نہ ہوا ہو، یعنی نہ تو اشنان
کی وجہ سے سرخ ہوا ہو اور نہ ریحان کی وجہ سے سیاہ
ہوا ہو اور اس پر پانی ہی کا غلبہ ہو تو اس سے وضوء
کرنے میں حرج نہیں، تو امام محمد پانی کے رنگ کا
اعتبار کرتے ہیں اور ابو یوسف غلبۂ اجزاء کا اعتبار
کرتے ہیں، پھر تتمہ اور ذخیرہ میں ہے کہ ابو یوسف کے
مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو پانی سے مناسبت
رکھتی ہو اور پانی کے استعمال سے جو مقصود ہے اس کے مطابق ہو
اگر وہ پانی میں مل جائے تو وہ مطہر ہے اس سے وضوء
جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ مخلوط شئے پانی پر غالب ہو
تاکہ پانی کی صفت اصلیہ یعنی رقّت زائل نہ ہو۔ اس
کی مثال صابون اور اُشنان ہے اور اگر یہ مخلوط پانی
سے مناسبت نہ رکھتی ہو اور پانی کے استعمال سے
جو مقصود ہے اس سے مطابقت نہ رکھتی ہو تو بعض
روایات کے مطابق اس سے وضوء کا عدم جواز اس شرط
کے ساتھ مشروط ہوگا کہ یہ شیئ پانی پر غالب آجائے
اور بعض روایات میں کوئی شرط نہیں، اور امام محمد
اس طرح کے مسئلہ میں پانی پر مخلوط شیئ کے غلبہ کا اعتبار
کرتے ہوئے اس سے وضوء جائز قرار نہیں دیتے

وھی الثخونة انتھی[1] لیکن بعض روایات میں اس طرف اشارہ ہے کہ غلبہ سے مراد رنگ میں غلبہ ہے اور بعض میں اشارہ غلبہ من حیث الاجزاء مراد ہے کہ پانی کی صفت رقت سلب ہوجائے اور اس کے بدلے میں گاڑھاپن اس میں پیدا ہوجائے انتہٰی۔ (ت)

نیز حلیہ میں ایک کلام بدائع نقل کرکے فرمایا:

ذکرفیھا وفی التحفة ومحیط رضی الدین وفتاوٰی قاضی خان وغیرھا اذاکان المخالط ممایطبخ الماء بہ اویخلط لزیادة التطھیر لایمنع التوضی بہ ولوتغیرلون الماء وطعمہ وذلک کالصابون والاشنان والسدر الا اذاصار غلیظا بحیث لایجری علی العضو فانہ حینئذ لایجوز لانہ زال عنہ اسم الماء اھ[2]

اس میں اور تحفہ اور محیط رضی الدین اور فتاوٰی قاضیخان وغیرہ میں ذکر کیا کہ پانی میں مخلوط شَے اگر اس قسم کی ہے کہ اس کو پانی میں پکانے یا خلط کرنے سے مقصود تطہیر میں زیادتی ہوتی ہے تو اس سے وضوء جائز ہے اگرچہ پانی کا رنگ اور مزہ تبدیل ہوگیا ہو، جیسے صابن، اشنان اور بیری (کے پتے)، ہاں اگر پانی اتنا گاڑھا ہوگیا کہ اس کا سیلان ختم ہوگیا اور وہ عضو پر بہنے کے لائق بھی نہ رہا، تو اس صورت میں اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ اب اس سے پانی کا نام ہی سلب ہوگیا ہے اھ۔ (ت)

اقول واضفت الخطمی اخذا مما قالوہ فی الجنائز یغسل رأسہ ولحیتہ بالخطمی ان وجد والا فبالصابون ونحوہ[3] تنویر وفی التبیین اغتسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغسل رأسہ بالخطمی وھو جنب واکتفی بہ ولم یصب علیہ الماء[4]

میں کہتا ہوں میں نے مذکورہ اشیاء میں خطمی کا اضافہ کیا ہے، یہ فقہاء کے اُن اقوال کی روشنی میں ہے، جو اُنہوں نے جنائز میں ذکر کیے ہیں فرماتے ہیں میّت کے سر اور داڑھی کو خطمی سے دھویا جائے اگر میسر ہو، ورنہ صابن وغیرہ سے دھوئیں اور یہ تنویر میں ہے اور تبیین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور جنابت کی حالت میں اپنے سر کو خطمی سے دھویا اور اسی پر اکتفاء کیا اور اس پر مزید پانی نہ بہایا۔ (ت)

---

[1] حلیہ

[2] حلیہ

[3] درمختار صلوٰة الجنائز مجتبائی دہلی ۱/۱۲۰

[4] تبیین الحقائق کتاب الطہارت بولاق مصر ۱/۲۱

(۱۰۸ و ۱۰۹) اقول دوا یا غذا پانی میں پکانے کو ڈالی اور آنچ کی مگر وہ شے ابھی کچی ہے اور پانی گاڑھا نہ ہوگیا تو اس سے وضو جائز ہے،

لانہ لم یوجد الطبخ ولا زوال الطبع فلا الاسم قال ش عن القاموس الطبخ ھو الانضاج استواء اھ[1] علیہ[1] وقال فی الغنیۃ القاعدۃ فی المخالطۃ بالطبخ ان ینضج المطبوخ فی الماء[2]۔

کیونکہ اس میں نہ تو پکانا پایا گیا ہے اور نہ ہی طبیعت مار زائل ہوئی تو اسم بھی زائل نہ ہوا، "ش" نے قاموس سے نقل کرتے ہوئے فرمایا طبخ کے معنی استواء پکانے کے ہیں اھ اور غنیہ میں فرمایا مخالطۃ بالطبخ میں قاعدہ یہ ہے کہ مطبوخ پانی میں پک جائے۔ (ت)

(۱۱۰) اقول یونہی چائے دم کرنے کو گرم پانی میں ڈالی یا جوش ہی میں شریک کی اور جلد نکال لی کہ اثر نہ کرنے پائی اس قابل نہ ہوا کہ اُسے چائے کہہ سکیں اگرچہ ہلکی سے ہلکی، تو اُس سے بھی وضو میں حرج نہیں لبقاء الاسم والطبع وایضا عدم الانضاج والطبخ (کیونکہ پانی کا نام اور طبیعت باقی ہے اور پکنا پکانا بھی نہیں پایا گیا۔ ت) یہاں پانی کی رنگت پر نظر ہوگی اور صورت سابقہ میں اُس کی رقت اور شے جوشاندہ کی حالت پر۔

(۱۱۱ تا ۱۱۴) عرق گاؤزبان یا اُترے ہوئے گلاب کیوڑا بید مشک جن میں خوشبو نہ رہی اور اتنے ہلکے ہیں کہ کوئی مزہ بھی محسوس نہیں ہوتا پانی میں کسی قدر مل جائیں جب تک پانی سے مقدار میں کم ہوں گی مثلاً لبالب گھڑے میں وہی گھڑا گلے تک بھرا تو اُس سے وضو ہوسکتا ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

انکان مائعا موافقا للماء فی الاوصاف الثلثۃ کالماء الذی یؤخذ بالتقطیر من لسان الثور وماء الورد الذی انقطعت رائحتہ[2] علیہ

اگر کوئی مائع پانی کے ساتھ اوصاف ثلثہ میں مطابقت رکھتا ہے اور رقیق ہے جیسے وہ پانی جو عمل تقطیر کے ذریعہ گاؤ زبان سے حاصل کیا جائے اور گلاب کا

علیہ[1] سیأتی ما فیہ فی الفصل الثالث بیان الطبخ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

اس میں ایک اعتراض ہے جو فصل ثالث میں طبخ کے بیان میں آئے گا۔ (ت)

علیہ[2] وزدت انقطاع الطعم لما ستعلم ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اور میں نے انقطاع طعم کا اضافہ کیا ہے اسکی وجہ ان شاء اللہ تعالٰی آپ جان لیں گے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۵

[2] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

اذا اختلط بالمطلق فالعبرۃ للاجزاء فان کان الماء المطلق اکثر جاز الوضوء بالکل و ان کان مغلوبا لایجوز وان استویا لم یذکر فی ظاھر الروایۃ وفی البدائع قالوا حکمہ حکم الماء المغلوب احتیاطا[1] اھ وعبارۃ الدرر والمستخرج من النبات بالتقطیر تعتبر فیہ الغلبۃ بالاجزاء[2] اھ

پانی جس کی خوشبو جاتی رہی ہو جب وہ مطلق پانی کے ساتھ ملایا جائے تو اعتبار اجزاء کا ہوگا تو اگر مطلق پانی زیادہ ہو تو سب سے وضوء جائز ہے اور اگر مغلوب ہو تو جائز نہیں اور اگر دونوں برابر ہوں تو ظاہر روایت میں اس کا حکم مذکور نہیں اور بدائع میں ہے کہ فقہاء نے فرمایا کہ اس کا حکم بھی احتیاطاً وہی ہے جو مغلوب پانی کا ہے اھ اور درر میں ہے کہ جڑی بوٹیوں کا پانی جو تقطیر سے نکالا جائے اس میں اجزاء کے غلبہ کا اعتبار ہوگا۔ (ت)

اقول واطلاقہ[ف1] ینافی ضابطتہ التی تبع فیہا الامام الزیلعی فان من المستقطر مایخالف الماء فی وصف او وصفین او الثلثۃ کما لایخفی۔

میں کہتا ہوں ان کا اس کو مطلق رکھنا ان کے اس ضابطہ کے منافی ہے جس میں انہوں نے امام زیلعی کی متابعت کی ہے، کیونکہ عمل تقطیر سے جو پانی حاصل ہوتا ہے وہ عام پانی سے ایک وصف یا دو یا تینوں میں مختلف ہوتا ہے کما لایخفی۔ (ت)

(۱۱۵) یونہی ہر عرق کہ پانی سے رنگ و مزہ و بُو کسی میں ممتاز نہ ہو جیسے عطاروں کے یہاں کے اکثر عرق۔

ثم اقول کمی بیشی میں اعتبار مقدار کا ہے اور ان میں بہت چیزیں پانی سے ہلکی ہوتی ہیں تو اگر وزن میں کمی لی جائے بارہا مقدار میں بیشی ہوجائے گی لہذا ہم نے لبالب گھڑے اور گلے تک بھرے سے تمثیل دی

وبہ ظہر[ف2] مافی عبارۃ المنحۃ حیث فسر العبرۃ للاجزاء بقولہ ای القدر والوزن[3] اھ وفی عبارۃ ابی السعود اذ قال الغلبۃ من حیث الوزن[4] وقد نص[ف3] محمد ان الماء کیلی

اور اسی سے وہ ظاہر ہوا جو منحہ کی عبارت میں ہے، جہاں انہوں نے اجزاء کی تعبیر مقدار اور وزن سے کی ہے، اور جو ابو السعود کی عبارت میں ہے اس لئے کہ غلبہ وزن کے اعتبار سے ہے اور امام محمد نے

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۹
[2] درر علی الغرر فرض الغسل کاملیہ بیروت ۱/ ۲۳
[3] منحۃ الخالق علی البحر الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۹
[4] فتح المعین " " ۱/ ۶۳

واجمع ائمتنا انہ لیس وزنیا وقال العینی ثم ابن الشلبی لوکان الماء رطلین والمستعمل رطلا فحکمہ حکم المطلق وبالعکس کالمقید[1] اھ ولکن العجب من العلامۃ الشرنبلالی قال فی نور الایضاح وشرحہ الغلبۃ فی مائع لا وصف لہ یخالف الماء تکون بالوزن فان اختلط رطلان من المستعمل او ماء الورد الذی انقطعت رائحتہ برطل من الماء المطلق لایجوز بہ الوضوء وبعکسہ جاز[2] اھ فذکر الوزن وعاد الی الکیل۔

تصریح کی ہے کہ پانی کیلی چیز ہے اور ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ پانی وزنی چیز نہیں، اور عینی نیز ابن الشلبی نے فرمایا کہ اگر پانی دو رطل ہے اور مستعمل ایک رطل ہے تو اس کا حکم مطلق پانی کا ہے اور اگر بالعکس ہو تو اس کا حکم مقید کا سا ہے اھ لیکن علامہ شرنبلالی پر تعجب ہے انہوں نے نور الایضاح اور اس کی شرح میں فرمایا کہ سیال چیز جس کا کوئی وصف ایسا نہ ہو جو پانی کے مخالف ہو، تو غلبہ وزن کے اعتبار سے ہوگا تو اگر دو رطل مستعمل پانی یا گلاب کا پانی جس کی خوشبو ختم ہو چکی ہو ایک رطل مطلق پانی میں ملے گا تو اس سے وضوء جائز نہ ہوگا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو وضو جائز ہے اھ تو ذکر وزن کا کیا اور لوٹ کر کیل کی طرف آئے۔ (ت)

نوع آخر اس نوع میں وہ اشیاء مذکور ہوں گی جن کی بعض صورتوں میں حکم منقول کتب کچھ ہے اور

عہ **تنبیہ ضروری**: واضح ہو کہ مائے مقید میں ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول صرف دو قول ہیں:

اول قولِ امام ابو یوسف جنہوں نے تبدلِ اوصافِ آب کا اعتبار ہی نہ فرمایا صرف غلبۂ اجزاء اُن معانی پر کہ فصل ثالث میں بیان ہوں گے معتبر رکھا اور یہی صحیح و معتمد و مختار جمہور ہے۔

دوم قولِ امام محمد جس میں تبدل اوصاف پر بھی لحاظ فرمایا یہاں ہم کو ضابطۂ امام زیلعی رحمہ اللہ تعالٰی پر کلام کرنا منظور ہے انہوں نے بھی لحاظِ اوصاف کیا ہے تو قولِ امام ابی یوسف کا خلاف تو ابتداہی سے ہُوا قولِ امام محمد پر جو احکام کتب میں منقول ہیں اُن سے ضابطۂ زیلعیہ کا موازنہ کرنا ہے کہ اتنی جگہ اس کے موافق پڑا اور ان مواضع میں اس کے بھی خلاف رہا تو اقوالِ ائمہ مذہب سے یکسر خارج ہُوا ان مباحث میں اتفاق اختلاف سے یہی مراد ہے کہ مذہب امام محمد پر احکام منقولہ اور مقتضائے زیلعیہ کا توافق یا تخالف ورنہ اصل (باقی برصفحہ آیندہ)

---

[1] الشلبی علی التبیین الطہارت بولاق مصر ۱/۲۰

[2] مراقی الفلاح " " ص ۱۷

ضابطۂ امام زیلعی جس کا بیان بعونہٖ تعالٰی فصل چہارم میں آتا ہے اس کا مقتضٰی کچھ۔ ان اشیاء کی جس صورت میں حکم منقول مقتضائے ضابطۂ جواز پر متفق ہیں وہ اس قسم اول میں مذکور ہوگی اور جس میں عدم جواز پر متفق ہیں وہ قسم دوم میں اور جہاں دونوں مختلف ہیں وُہ صورتیں قسم سوم کے لیے ہیں۔ یہ اشیاء دو صنف ہیں:

صنفِ اوّل خشک چیزیں۔

(۱۱۶) پانی میں چھوہارے ڈالے اور ابھی تھوڑی دیر گزری کہ نبیذ نہ ہوگیا اگرچہ خفیف سی شیرینی اس میں آگئی اس سے بالاتفاق وضو جائز ہے کتاب المفید والمزید پھر عینی شرح صحیح بخاری وتبیین وحلیہ[عہ] وہندیہ وغیرہا میں ہے:

الماء الذی القی فیہ تمیرات فصار حلوا ولم یزل عنہ اسم الماء وھو رقیق یجوز بہ الوضوء بلاخلاف بین اصحابنا اھ[1]

وہ پانی جو کھجوروں کے ڈالے جانے کی وجہ سے میٹھا ہوگیا مگر اس کو پانی ہی کہا جاتا ہو اور اس کی رقّت بھی زائل نہ ہوئی تو اُس سے وضو کے جواز میں ہمارے اصحاب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اھ (ت)

اقول اما فی البدائع لابد من معرفۃ نبیذ التمر الذی فیہ الخلاف وھو ان یلقی شیئ من التمر فی الماء فتخرج حلاوتہ الی الماء وھکذا ذکر ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی تفسیر نبیذ التمر الذی توضأ بہ

میں کہتا ہوں بدائع میں ہے کہ وہ نبیذ تمر جس میں اختلاف ہے اس کی معرفۃ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی جائیں تو ان کی مٹھاس پانی میں آجائے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبیذ تمر کی یہی تفسیر منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مذہب صحیح معتمد کہ مذہب امام ابو یوسف ہے وہ تو صور عدم جواز میں ان کے اتفاق سے بھی بعض جگہ خلاف پڑے گا جسے ہم آخر میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالٰی نیز ان نقول کے لانے میں بڑا فائدہ مذہب امام محمد پر اطلاع ہے کہ وہ بھی بجائے خود ایک باقوت قول ہے تو بنظرِ احتیاط اُس کا لحاظ مناسب و باللہ التوفیق ۱۲ منہ غفرلہ وحفظہ ربہ عزوجل (م)

[عہ] عزاہ للحلیۃ فی الھندیۃ ولم ارہ فیھا لا فی التیمم ولا فی المیاہ فلعلہ ساقط من نسختی واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

ہندیہ میں حلیہ کی طرف نسبت کی ہے اور مجھے اس میں یہ بات نہیں ملی نہ باب التیمم میں نہ باب المیاہ میں شاید یہ میرے نسخہ سے ساقط ہو واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ فیما لایجوز بہ التوضوء پشاور ۱/۲۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلۃ الجن فقال تمیرات القیتھا فی الماء[1] اھ فیحمل علی ماحلا وخرج عن الاطلاق کیف وفی صدر الحدیث عند ابن ابی شیبۃ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لہ ھل معک من وضوء قال قلت لا قال فما فی اداوتک قلت نبیذ تمر قال تمرۃ حلوۃ وماء طیب[2] فلولا انہ خرج من الاطلاق لما قال لا۔

نے اسی سے لیلۃ الجن میں وضوء فرمایا تھا، آپ نے فرمایا میں نے کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی تھیں اھ تو اس کو اس پانی پر محمول کیا جائے جس میں مٹھاس پیدا ہو گئی ہو اور مطلق پانی سے نکل گیا ہو، جیسا اس حدیث کی ابتدا میں بروایت ابن ابی شیبہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کیا تمہارے پاس وضو کا پانی ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارے توشہ دان میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا نبیذ تمر ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو میٹھی کھجوریں اور پاک پانی ہے، تو اگر وہ پانی مطلق ہوتا تو آپ جواب میں نہ نہ فرماتے۔ (ت)

اقول وبھذا یضعف ما اجاب بہ ابن حجر فی شرحی البخاری والمشکوۃ انہ محمول علی ماء القیت فیہ تمرات یابسۃ لم تغیر لہ وصفا قال العسقلانی وانما کانوا یصنعون ذلک لان غالب میاھھم لم تکن حلوۃ[3] اھ واستشعر المکی ان ھذا لایسمی نبیذا فقال وتسمیۃ ابن مسعود لہ نبیذا من مجاز الاول زاد او المراد بہ الوضع اللغوی وھو ماینبذ فیہ شیئ وان لم یغیرہ[4] اھ

میں کہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ دو شرحوں (شرح بخاری وشرح مشکوۃ) میں ابن حجر نے جو جواب دیا ہے وہ ضعیف ہے وہ جواب یہ ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس پانی سے مراد وہ پانی ہے جس میں خشک کھجوریں ڈال دی گئی ہوں جس نے پانی کا وصف نہ بدلا ہو، عسقلانی نے فرمایا اہلِ عرب ایسا اس لیے کرتے تھے کہ عام طور پر اُن کا پانی میٹھا نہیں ہوتا تھا اھ اور مکی نے فرمایا کہ اس کو نبیذ نہیں کہا جاتا ہے، اور فرمایا ابن مسعود نے اس کو مجازاً نبیذ کہا تھا اول نے مزید فرمایا کہ یا اس سے مراد اس کے لغوی وضعی معنی ہیں، یعنی وہ پانی جس میں کوئی چیز ڈال دی جائے خواہ وہ اس پانی کو متغیر نہ کرے اھ۔ (ت)

---

[1] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷
[2] مصنف ابن ابی شیبۃ وضوء بالنبیذ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۶
[3] فتح الباری لایجوز الوضوء بالنبیذ بیروت ۱/۳۰۵
[4] شرح المشکوۃ لملا علی قاری باب احکام المیاہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۶۰

اقول و کل ھذا کما تری خروج عن الظاھر غیر ان ملك العلماء قال بعد ما قدمنا عنه لان من عادۃ العرب انما تطرح التمر فی الماء الملح لیحلو[1] اھ۔

میں کہتا ہُوں یہ تمام تاویلات ظاہر کے برخلاف ہیں، تاہم ملک العلماء نے اس تمام گفتگو کے بعد جو ہم نے اوپر ذکر کی، فرمایا، عرب کی عادت تھی کہ وُہ کھاری پانی میں کھجوریں ڈالتے تھے تاکہ پانی میٹھا ہوجائے۔ (ت)

اقول فھذا میل الی ما قالاہ ولا اراہ یستقیم اذ لوکان کذا لبقی علی مائیتہ وکان مطلقا فجاز بہ الوضوء مطلقا وقد قال الشیخ الامام فی اخر الکلام الجواز فی نبیذ التمر ثبت معدولا بہ عن القیاس لان القیاس یابی الجواز الا بالماء المطلق وھذا لیس بماء مطلق بدلیل انہ لایجوز التوضؤ بہ مع القدرۃ علی الماء المطلق الا انا عرفنا الجواز بالنص[2] اھ ولذا احتجنا الی الجواب عن الحدیث بانہ منسوخ بایۃ التیمم ونوزع ولذا مال الاتقانی الی قول محمد انہ یجمع بینھما لیقع الطھر بالیقین۔

میں کہتا ہُوں یہ جواب بھی اُن دو حضرات کے قول کی طرف میلان ہے، مگر میرے نزدیک یہ جواب درست نہیں، کیونکہ اگر یہی بات ہوتی تو پانی کا نام باقی رہتا اور مطلق رہتا اور اس سے مطلقاً وضوء جائز ہوتا۔ شیخ نے آخر میں فرمایا نبیذ تمر سے وضوء کا جواز قیاس کے برخلاف ثابت ہے، کیونکہ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ وضو صرف مطلق پانی سے ہی جائز ہو، اور یہ مطلق پانی نہیں ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ماء مطلق پر قدرت ہوتے ہوئے اُس سے وضوء جائز نہیں، لیکن اس کا جواز از روئے نص ثابت ہے اھ اس لیے ہمیں ضرورت ہوئی کہ ہم حدیث کا جواب دیں، اور جواب یہ ہے کہ یہ آیت تیمم سے منسوخ ہے، اور اس لیے اتقانی امام محمد کے قول کی طرف مائل ہُوئے کہ وضوء اور تیمم دونوں کو جمع کیا جائے تاکہ طہارت بالیقین حاصل ہوجائے۔ (ت)

اقول وھو حسن جدا واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں یہ جواب بہت اچھا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۱۱۷) **اقول** یہاں سے ظاہر ہوا کہ اگر پانی میں شکّر یا بتاشے اتنے کم پڑے کہ شربت کی حد تک

---

[1] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

[2] ایضاً

نہ پہنچا اگرچہ ایک ہلکی سی مٹھاس آگئی تو اُس سے وضوء روا ہے۔

(۱۱۸) **اقول** یُوں ہی دوا پانی میں بھگوئی جب تک پانی میں اُس کا اثر نہ آجائے کہ اب اسے دوا کہیں پانی نہ کہیں اُس وقت تک اُس سے وضو جائز ہے اگرچہ پانی کے اوصاف بدل جائیں وکفی شاھدا علیہ مسألۃ الاوراق فی الحیاض (اس پر دلیل حوضوں میں پتّوں کا مسئلہ کافی ہے۔ ت)

(۱۱۹) کسم

(۱۲۰) کیسر

(۱۲۱) کسیس

(۱۲۲) مازو

یہ چیزیں اگر پانی میں اتنی کم حل ہُوئیں کہ پانی رنگنے یا لکھنے حرف کا نقش بننے کے قابل نہ ہوگیا تو اُس سے بالاتفاق وضوء جائز ہے۔

وذلک ان العبارات جاءت فیھا علی اربعۃ مسالک **الاوّل** یجوز مطلقا مالم تغلب علی الماء بالاجزاء قال فی الھدایۃ قال الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی لایجوز التوضی بماء الزعفران واشباھہ مما لیس من جنس الارض لانہ ماء مقید الاتری انہ یقال ماء الزعفران بخلاف اجزاء الارض لان الماء لایخلو عنھا عادۃ ولنا ان اسم الماء باق علی الاطلاق الاتری انہ لم یتجدد لہ اسم علیحدۃ واضافتہ الی الزعفران کاضافتہ الی البئر والعین ولان الخلط القلیل لامعتبر بہ لعدم امکان الاحتراز عنہ کما فی اجزاء الارض فیعتبر الغالب والغلبۃ بالاجزاء لابتغیر اللون ھو الصحیح اھ[1]

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عبارات اس سلسلہ میں چار مسالک پر مشتمل ہیں:

پہلا مسلک: وضوء مطلقاً جائز ہے تاوقتیکہ اُس کے اجزاء پانی پر غالب نہ ہوجائیں، ہدایہ میں ہے امام شافعی نے فرمایا زعفران اور اسی کی مثل دوسری اشیاء کے پانی سے وضوء جائز نہیں یعنی وہ اشیاء جو زمین کی جنس سے نہیں، کیونکہ یہ مقید پانی ہے۔ اس لئے کہتے ہیں زعفران کا پانی، اور زمین کے اجزاء کا معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ پانی عام طور پر ان اجزاء سے خالی نہیں ہوتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے کیونکہ اس کا کوئی نیا نام نہیں ہے، اور اس کی اضافت زعفران کی طرف ایسی ہی ہے جیسے پانی کی اضافت کنوئیں اور چشمے کی طرف ہوتی ہے اور تھوڑی ملاوٹ کا

---

[1] ہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

وفی الانقرویة یجوز التوضی بماء الزعفران عندنا وعند الشافعی لایجوز[1] اھ وفی الظھیریة ثم البحر وفی الخانیة اذا طرح الزاج فی الماء حتی اسود (زاد فی الخانیة لکن لم تذھب رقتہ) جاز بہ الوضوء[2] اھ ومثل الخانیة فی المنیة عن الملتقط وزاد وکذا العفص اھ قال فی الغنیة عـہ جاز مع تغیر لونہ وطعمہ وریحہ[3] اھ وفی الخانیة لا بماء ورد وزعفران اذا ذھبت رقتہ وصار ثخینا وان بقیت رقتہ ولطافتہ جاز[4] اھ وفی جواھر الاخلاطی اذا خالط شیئ من الطاھرات ولم یطبخ کالزعفران والزردج یجوز التوضی بہ[5] اھ ای وقید بقاء الرقة معلوم لاحاجة الی ابانتہ وفی مسکین علی الکنز لایجوز بما غلب علیہ

کوئی اعتبار نہیں کہ اُس سے بچنا ممکن نہیں، جیسا کہ زمین کے اجزاء میں ہوتا ہے، تو غالب کا اعتبار رہیگا اور غلبہ باعتبار اجزاء ہوتا ہے نہ کہ رنگ کے بدلنے سے، یہی صحیح ہے اھ اور فتاوٰی انقرویہ میں ہے کہ ہمارے نزدیک زعفران کے پانی سے وضوء جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں اھ، ظہیریہ، بحر اور خانیہ میں ہے کہ جب زردج پانی میں ڈالا گیا اور پانی سیاہ ہوگیا (خانیہ میں اضافہ بھی ہے مگر اسکی رقت زائل نہ ہوئی) تو اس سے وضوء جائز ہے اھ اور خانیہ کی طرح غنیہ میں ملتقط سے منقول ہے اس میں عفص کا اضافہ بھی ہے اھ غنیہ میں ہے اس کے مزے بُو اور رنگ کے بدل جانے کے باوجود وضوء جائز ہے اھ اور خانیہ میں ہے نہ کہ گلاب اور زعفران کے پانی سے جبکہ اس کی رقت ختم ہوجائے اور گاڑھا ہوجائے، اور اگر اس کی رقت ولطافت باقی رہے تو اس سے وضوء جائز ہے اھ جواہر اخلاطی میں ہے کہ جب کوئی پاک شیئ پانی میں مل جائے اور اس کو

عـہ وفی صغیرہ القلیل من الزعفران یغیر الاوصاف الثلثة مع کونہ رقیقا فیجوز الوضوء والغسل بہ ۱۲ منہ (م)

اور اسکی شرح صغیر میں ہے کہ تھوڑی زعفران پانی کے تینوں اوصاف کو بدل دے مگر پانی رقیق ہو تو اس سے وضوء اور غسل جائز ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] رسائل الارکان بالمعنی فصل فی المیاہ مطبع علوی ص ۲۴

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

[3] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

[4] فتاوٰی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۹

[5] جواہر الاخلاطی

غیر الماء مثل الزعفران اجزاء وھو احتراز عن الغلبۃ لونا وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی[1] اھ وفی وجیز الکردری ماء المزرج والصابون والعصفر والسیل لو رقیقا یسیل علی العضو یجوز التوضی بہ[2] اھ بل فی الغرر یجوز وان غیر اوصافہ جامد کزعفران وورق فی الاصح[3] وفی نور الایضاح لا یضر تغیر اوصافہ کلھا بجامد کزعفران[4] اھ فھذہ نصوص متظافرۃ اما ما فی الخانیۃ التوضؤ بماء الزعفران وزردج العصفر یجوز ان کان رقیقا والماء غالب فان غلبتہ الحمرۃ وصار متماسکا لا یجوز[5] اھ۔

پکایا نہ گیا ہو جیسے زعفران اور زردج، تو اس سے وضوء جائز ہے اور رقت کے بقاء کی قید سب کو معلوم ہے لہذا اظہار کی طرف کوئی محتاجی نہیں اور مسکین علی الکنز میں ہے کہ جب پانی پر کسی دوسری شَے کا غلبہ ہوجائے تو اس سے وضو جائز نہیں جیسے زعفران جبکہ یہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہو، اور اجزاء کی قید سے لون (رنگ) اس سے خارج ہوگیا اور یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اھ اور وجیز کردری میں ہے کہ زردج، صابون، عصفر اور سیلاب کا پانی اگر رقیق ہو اور یہ پانی عضو پر بہہ سکتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے اھ بلکہ غرر میں ہے کہ اگرچہ کوئی جامد چیز اس کے اوصاف کو بدل دے تو بھی وضو جائز ہے جیسے زعفران اور پتے، اصح قول کے مطابق۔ اور نور الایضاح میں ہے کہ کسی جامد چیز کا پانی کے اوصاف کو متغیر کردینا مضر نہیں، جیسے زعفران اھ تو یہ نصوص ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں، اور جو خانیہ میں ہے کہ زعفران، زردج، عصفر کے پانی سے وضوء جائز ہے بشرطیکہ رقیق ہو اور پانی کا غلبہ ہو پس اگر اس پر سرخی غالب ہوجائے اور گاڑھا ہوجائے تو وضوء جائز نہیں اھ (ت)

فاقول اولہ صریح فی اعتبار الرقۃ وفی اٰخرہ وان ذکر الحمرۃ فقد تدارکہ بقولہ وصار متماسکا فلم یکتف بغلبۃ اللون مالم یثخن ثم اکدہ بان قال

میں کہتا ہوں اس کی ابتداء رقت کے اعتبار میں صریح ہے اور اس کے آخر میں اگرچہ سرخی کا ذکر ہے لیکن اس کا تدارک اس لفظ سے کردیا کہ وہ گاڑھا ہوجائے، تو جب تک گاڑھا نہ ہو رنگ کے غلبہ کا

---

[1] فتح المعین کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۳
[2] فتاوٰی بزازیۃ علی الہندیۃ نوع المستعمل والمقید والمطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۰
[3] الغرر متن الدرر کتاب الطہارۃ مطبعۃ کاملیہ بیروت ۱/۲۱
[4] نور الایضاح کتاب الطہارت مطبعۃ علیمیہ لاہور ص ۳
[5] فتاوٰی قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی مطبعۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۹

متصلا به اما عند ابی یوسف رحمه اللہ تعالٰی تعتبر الغلبة من حیث الاجزاء لامن حیث اللون ھو الصحیح[1] اھ ومثل ھذا ما فی الخلاصة رجل توضأ بماء الزردج او العصفر او الصابون ان کان رقیقا یستبین الماء منه یجوز وان غلبت علیه الحمرة وصار نشاستج لایجوز[2] اھ فصرح بالبناء علی الثخونة وبقی ذکر الحمرة فی الکتابین کالمستدرک عہ۔

الثانی لایجوز مطلقا فی شرح الطحاوی ثم خزانة المفتین المقید مثل ماء الاشجار والثمار وماء الزعفران[3] اھ وفی المنیة لاتجوز بالماء المقید کماء الزعفران[4] اھ قال فی الحلیة محمول علی ما اذا کان الزعفران غالبا[5] اھ

اقول ھذا مبھم یحتمل الغلبة

اعتبار نہیں پھر اس کی تائید میں متصلاً فرمایا کہ ابو یوسف کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے غلبہ معتبر ہے رنگ کے اعتبار سے نہیں، یہی صحیح ہے اھ اور اسی کی مثل خلاصہ میں ہے کہ کسی شخص نے زردج، عصفر یا صابن کے پانی سے وضو کیا، اگر وہ رقیق ہو جس سے پانی واضح ہوتا ہو تو وضو جائز ہے اور اگر اس پر سُرخی غالب ہوگئی ہو اور نشاستہ بن گیا ہو تو وضو جائز نہیں اھ تو اس میں اس کی تصریح ہے کہ دارومدار گاڑھے پن پر ہے، اور دونوں کتابوں میں سرخی کا ذکر مستدرک کی طرح ہے۔ (ت)

دُوسرا مسلک: مطلقاً جائز نہیں، شرح طحاوی اور خزانۃ المفتین میں ہے مقید جس طرح درخت اور پھلوں کا پانی اور زعفران کا پانی اھ اور منیہ میں ہے کہ مقید پانی سے وضو جائز نہیں جیسے زعفران کا پانی اھ حلیہ میں کہا کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ زعفران غالب ہو اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں یہ مبہم ہے اس میں اجزاء کے

عہ ستأتی فائدة له آخر الضابطة السادسة من الفصل الثالث ولذا قال کالمستدرک ای فی النظر الظاہر ۱۲ منه غفرله (م)

تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ کے آخر میں اس کے لیے ایک فائدہ بیان کیا ہے اس لیے فرمایا کالمستدرک یعنی نظر ظاہر میں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فیما لایجوز به التوضی مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۹
[2] خلاصۃ الفتاوٰی بیان الماء المقید " " ۱/۸
[3] خزانۃ المفتین
[4] منیۃ المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۳
[5] حلیۃ

بالاجزاء وباللون وافصح فی الغنیۃ فقال المراد ماخثربہ وخرج عن الرقۃ او ما یستخرج منہ رطبا کما یستخرج من الورد اھ[1]

اعتبار سے بھی غلبہ کا احتمال ہے اور رنگ کے اعتبار سے بھی ہے، اور غنیہ میں وضاحت ہے، فرمایا اس سے مراد وہ پانی ہے جو گاڑھا ہوگیا ہو اور رقت ختم ہوگئی ہو، یا وُہ ہے جو اس سے تر نکلتا ہو جیسا کہ گلاب سے نکلتا ہے اھ (ت)

اقول فعلی الثانی یخرج من البین وعلی الاول یرجع الی الاول وھوالذی نص علیہ فی المنیۃ نفسہا من بعد اذ قال تجوز الطہارۃ بالماء الذی اختلط بہ الزعفران بشرط ان تکون الغلبۃ للماء من حیث الاجزاء ولم یزل عنہ اسم الماء اھ[2]۔

میں کہتا ہوں تو دوسری صورت میں یہ اختلافی صورت سے الگ ہوجائیگا، اور پہلی صورت میں پہلی کی طرف رجوع کرے گا یہ وہ ہے جس پر منیہ میں صراحت ہے، انہوں نے کہا کہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں زعفران ملائی گئی ہو بشرطیکہ اجزاء کے اعتبار سے پانی کو غلبہ ہو اور پانی کا اطلاق اس پر ہوتا ہو۔ (ت)

الثالث یجوز[عـــہ] مالم یصلح للصبغ والنقش فی الفتح والحلیۃ صرح فی التجنیس

تیسرا مسلک: اس سے وضو جائز ہے جو رنگنے اور نقش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو یہ فتح اور

عـــہ فی الارکان الاربعۃ للمولی بحرالعلوم اللکنوی لایجوز التوضی بماء الزعفران والعصفر والزردج اذا کان بحیث یلون البدن اوالثوب لانہ ذھب اسم الماء حقیقۃ واما اذا صار بلیدا فلیس ماء مطلقا ولاماء مقیدا فلا یطلق علیہ الماء لاحقیقۃ ولا مجازا اھ

بحرالعلوم کی ارکان اربعہ میں ہے زعفران، عصفر اور زردج کے پانی کے ساتھ وضو جائز نہیں جبکہ وہ بدن یا کپڑے کو رنگ دے کیونکہ اب حقیقۃً پانی کا نام اس سے ختم ہوگیا اور جب وہ گاڑھا ہوجائے تو نہ مطلق پانی ہے اور نہ مقید پانی ہے اور اس پر نہ تو پانی کا حقیقۃً اطلاق ہوتا ہے اور نہ مجازاً اھ

اقول فیہ اولا ان ماصلح منہ للصبغ لم یتبدل ذاتا فی الحقیقۃ انما تغیر وصف لہ فھوماء حقیقۃ نعم لم یبق ماء

میں کہتا ہوں اولاً اگر پانی رنگنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو پانی ذات کے اعتبار سے حقیقۃً نہیں بدلا، صرف اس کا وصف بدلا ہے، تو وہ حقیقۃً پانی ہے

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] غنیۃ المستملی فصل احکام المیاہ مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۹

[2] منیۃ المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۳

بان من التفریع علی اعتبار الغلبة بالاجزاء

حلیہ میں ہے، تجنیس میں ہے کہ تفریع باعتبار غلبہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مطلقا الا ان یرید الحقیقة العرفیة المفهومة عند الاطلاق۔

وثانیا سیغسل عنه الثخین بانه لیس ماء مطلقا ولا مقیدا فقد افاد ان هذا ماء مقید فکیف لایکون ماء حقیقة فان المطلق والمقید صنفان من الماء۔

وثالثا الثخین وان لم یبق ماء اصلا علی ما افاده فی الفتح فلا مانع من اطلاق الماء مجازا باعتبار ما کان۔

ورابعا الحکم المنقول فی ماء الزردج ماقدمنا فی ۸۱ من ان العبرة بالرقة ولم ار ماوقع ههنا لغیره ویظهر لی ان لامحل له لانه لیس مما یصبغ به کما تقدم ثمه وکونه ممایلون الثوب ان اصابه لایجعله نوعا اٰخر غیر الماء مادام رقیقا اذ الانواع عندنا بالاغراض الا تری ان التمر والزبیب اذا القیا فی الماء یغیران لونه وطعمه قبل ان یصیرا نبیذا ویجوز الوضوء به بالاجماع کما مر فی ۱۱۶ مع انهما لو اصابا ثوبا ابیض لوناه وذلك لان المقصود ههنا النبیذ دون الصبغ فلا یزول الاسم الا بحصول المقصود علیه الرحمة۔ اربع معروضا علی المولی بحر العلوم عبد العلی رحمه اللّٰه تعالی واللکنوی۔ (۱، ۲، ۳، ۴) ت

صرف مطلق پانی نہیں رہا، ہاں اگر حقیقۃ عرفیہ کا ارادہ کیا جائے جو اطلاق کے وقت سمجھی جاتی ہے تو اور بات ہے۔

ثانیاً گاڑھا ہونے سے وہ نہ مطلق پانی رہا اور نہ مقید، تو انہوں نے بتایا کہ یہ مقید پانی ہے، اس صورت میں وہ حقیقۃً پانی کیوں نہ ہوگا کیونکہ مطلق اور مقید دونوں ہی پانی کی اقسام ہیں۔

ثالثاً گاڑھا اگرچہ فتح کے بقول پانی نہ رہا تو باعتبار ماکان مجازاً اس پر پانی کے اطلاق میں کوئی مانع نہیں۔

رابعاً وہ حکم جو زردج کے پانی کی بابت منقول ہے جو ہم نے ۸۱ میں نقل کیا کہ اعتبار رقت کا ہے اور میں نے دوسروں کا بیان نہیں دیکھا اور مجھے لگتا ہے کہ اس کا یہاں محل نہیں، کیونکہ اس سے رنگا نہیں جاتا ہے جیسا کہ وہاں گزرا اور اس کے کپڑے کو رنگنے سے اگر کپڑے کو لگ جائے اسکا ایک مستقل نوع بنانا لازم نہیں آتا جب تک وہ رقیق ہے دوسری نوع نہیں بنے گا کیونکہ ہمارے نزدیک انواع اغراض سے وجود میں آتی ہیں، مثلاً کھجور اور منقی جب پانی میں ڈالے جائیں تو وہ اس کے رنگ اور مزے کے بدل دیتے ہیں، اور ابھی وہ نبیذ نہیں بنا ہوتا ہے، اور اس سے وضو بالاجماع جائز ہوتا ہے جیسا کہ ۱۱۶ میں گزرا حالانکہ اگر یہ دونوں چیزیں سفید کپڑے کو لگ جائیں تو اس کا رنگ بدل دیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مقصود نبیذ ہے نہ کہ رنگ، تو اس کا نام اس وقت تک نہ بدلے گا جب تک مقصود حاصل نہ ہو۔ یہ چار معروضات بحر العلوم پر ہیں۔ (ت)

قول الجرجانی اذا طرح الزاج او العفص فی الماء جاز الوضوء بہ ان کان لا ینقش اذا کتب فان نقش لا یجوز والماء ھو المغلوب[1] اھ و مثلہ فی الھندیۃ عن البحر عن التجنیس من قولہ اذا طرح الی قولہ لا یجوز وفی القنیۃ ثم معراج الدرایۃ ثم البحر ثم الدر ثم فتح اللہ المعین الزعفران اذا وقع فی الماء ان امکن الصبغ فیہ فلیس بماء مطلق[2] اھ

الرابع یجوز مالم یغلب لونھا لون الماء فی الشلبیۃ عن یحیی عن الامام القاضی الاسبیجابی الماء ان اختلط بہ طاھر فان غیر لونہ فالعبرۃ للون فان کان الغالب لون الماء جاز الوضوء بہ والا فلا وذلک مثل اللبن والخل والزعفران یختلط بالماء[3] اھ ومثلہ فی خزانۃ المفتین والبرجندی۔

ابزار کے جرجانی کا قول ہے جب زاج یا عفص پانی میں ڈالا جائے تو اس سے وضوء جائز ہے، یہ اس وقت ہے کہ جب اس کے ذریعہ لکھنے سے نقش نہ آتا ہو اگر نقش آئے تو جائز نہیں، جبکہ پانی مغلوب ہو اھ، اور اسی کی مثل ہندیہ میں بحر سے تجنیس سے ہے، ان کے قول اذا طرح سے لا یجوز تک اور قنیہ، معراج، بحر، در پھر فتح اللہ المعین میں ہے کہ اگر زعفران پانی میں پڑجائے تو اگر اس سے رنگنا ممکن ہو تو وہ مطلق پانی نہیں ہے اھ

چوتھا مسلک: وضوء جائز ہے جب تک اس کا رنگ پانی کے رنگ پر غالب نہ ہو، شلبیہ میں یحیی سے امام قاضی اسبیجابی سے منقول ہے کہ پانی میں اگر کوئی پاک چیز مل جائے اور اس کے رنگ کو بدل دے تو اعتبار رنگ کا ہوگا اگر پانی کا رنگ غالب ہو تو وضوء جائز ہے ورنہ نہیں، مثلاً دودھ، سرکا اور زعفران پانی میں مل جائے اھ اسی کی مثل خزانۃ المفتین اور برجندی میں ہے۔ (ت)

اقول قدمنا ۱۱۶ اجماع اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم علی جواز الوضوء بماء القی فیہ تمیرات فحلا ولم یصر نبیذا ومعلوم قطعا ان اللون اسبق تغیرا فیہ من الطعم فاستقر الاجماع علی ان تغیرا للون و

میں کہتا ہوں ہم نے ۱۱۶ میں اپنے اصحاب کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس پانی سے وضوء جائز ہے جس میں کھجوریں ڈالی گئی ہوں تو نبیذ بننے سے پہلے پہلے اس میں مٹھاس آجائے اور یہ قطعی معلوم ہے کہ رنگ مزہ کے متغیر ہونے سے پہلے بدل جاتا ہے تو اجماع اس پر قائم ہے کہ

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء وما لا یجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵
[2] دُرمختار کتاب الطہارت مجتبائی دہلی ۱/۳۵
[3] شلبی علی التبیین الحقائق کتاب الطہارت الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

الطعم بجامد لایضر ما لم یزل الاسم فیجب حمل هذا الرابع وکذا الثانی علی الثالث ثم قد انعقد الاجماع والاطباق ؛ من جمیع الحذاق ؛ بغیر خلف وشقاق ؛ ان زوال الاسم یسلب الاطلاق ؛ کیف وانما عین الشرع للوضوء الماء ؛ وهذا اذا زال الاسم لیس بماء ؛ فهذا الشرط ملحوظ ابدا بلا امتراء ؛ وان کان یطوی ذکره ؛ للعلم بالعلم به اذ شاع امره ؛ فیجب حمل الاول علیہ ایضا

رنگ اور مزے کا کسی جامد سے بدلنا اس وقت تک مضر نہیں جب تک کہ نام نہ بدل جائے تو اس چوتھے اور دوسرے کا تیسرے پر حمل کرنا لازم ہے۔ پھر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جب نام زائل ہوجائے تو اطلاق باقی نہیں رہتا کیونکہ شریعت نے وضوء کے لیے پانی کو متعین کر رکھا ہے اور جب نام زائل ہوگیا تو پانی نہ رہا یہ شرط اگرچہ مذکور نہ ہو معتبر رہے گی، تو پہلے کو بھی تیسرے پر حمل کرنا لازم ہے، اس طرح

ع۱ ولکن العجب من العلامة الخادمی اذ رد الثالث بالاول حیث قال عند قول الغرر الماء یجوز وان غیرا وصافه جامد کزعفران فی الاصح ما نصه قیل عن البحران امکن الصبغ به لم یجز کنبیذ التمر لکن الظاهر انه علی الروایة المشار الی نفیها بقوله فی الاصح اذ هذا القول اشارة الی نفی ما عن الفقیه احمد بن ابرهیم انه لو ظهر لون المخالط فی الکف لایجوز اھ فقد علمت انه لامساس له بنفی الثالث بل یجب رده الی هذا نعم نفی قول الفقیه صحیح وجیه لان ظهور لون الاوراق فی الکف فی ماء الحوض لایزیل عنه اسم الماء بخلاف الزعفران اذا جعله صالحا للصبغ ثم ع۲ من العجب کلام الفقیه انما کان فی الاوراق

لیکن علامہ خادمی پر تعجب ہے کہ انہوں نے پہلے سے تیسرے کا رد کیا ہے۔ جہاں انہوں نے غرر کے گزشتہ قول "وان غیرا وصافه جامد الخ" کے تحت فرمایا کہ بحر سے منقول ہے اگر وہ رنگنے کے قابل ہو تو جائز نہیں، جیسے نبیذِ تمر ہے، لیکن ظاہر میں روایت مشار پر اس کی نفی ہے اس کے قول فی الاصح سے، کیونکہ یہ قول اشارہ ہے اس کی نفی پر جو فقیہ احمد بن ابراہیم سے منقول ہے کہ اگر ملنے والی چیز کا رنگ ہتھیلی میں ظاہر ہو تو اس پانی سے وضو جائز نہیں اھ آپ جانتے ہیں کہ تیسرے کی نفی سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کی طرف اس کا رد واجب ہے۔ ہاں فقیہ کے قول کی نفی درست ہے، کیونکہ حوض سے پانی لینے میں ہتھیلی پر پتّوں کے رنگ کے ظہور سے پانی کا نام زائل نہیں ہوتا، زعفران کا حکم اسکے برخلاف ہے جبکہ وہ پانی کو رنگنے کے قابل کر دے، پھر تعجب ہے کہ فقیہ کا

(باقی برصفحہ آئندہ)

علی الثالث فیزول الشقاق؛ ویحصل الوفاق؛ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ مسئلہ متفقہ ہو جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۱۲۳) **اقول** یونہی رنگت کی پڑیاں کہ اب چلی ہیں اور ہماری تحقیق میں ان کی طہارت پر فتوٰی ہے جب پانی میں اتنی خفیف ملیں کہ رنگنے کے قابل نہ ہو جائے اگرچہ رنگت بدل جائے۔

(۱۲۴) یونہی روشنائی جبکہ اس کے ملنے سے پانی لکھنے کے لائق نہ ہو جائے **اقول** یعنی اُس سے حرف کا نقش نہ بنے جو بعد خشکی پڑھنے میں آئے اگرچہ پھیکا ہو۔

صنف دوم بہتی چیزیں۔

(۱۲۵ و ۱۲۶) جس پانی میں زعفران حل کیا ہُوا پانی یا شہاب اتنا کم پڑے کہ ان پانیوں کی رنگت اُس سادہ پانی پر غالب نہ آئے اُس سے وضو بالاتفاق جائز ہے۔

قال الامام ملك العلماء فی البدائع الماء المطلق اذا خالطه شیئ من المائعات الطاھرة کاللبن والخل ونقیع الزبیب ونحو ذلك ینظر ان کان یخالف لونه لون الماء کاللبن

ملک العلماء نے بدائع میں فرمایا "مطلق پانی میں جب کوئی سیال پاک چیز مل جائے جیسے دودھ، سرکہ، منقی کا عرق وغیرہ تو یہ دیکھا جائیگا کہ اس کا رنگ پانی کے رنگ سے مختلف ہے یا نہیں، مثلاً دودھ،

(بقیہ حاشیہ ص گزشتہ)

وبدله الفاضل الناقل بالمخالط فعم الزعفران واللہ المستعان ثم العجب کل العجب ان الفاضل نفسه زاد بعد قول الغرر ان بقی رقته لفظة واسمه ایضا اھ فقد کان یعلم ان الرقة لاتنفع اذا زال الاسم فکیف یجعل القول الثالث مبنیا علی الروایة المنفیة ۱۲ منه غفرله (م)

کلام تو پتّوں سے متعلق تھا اور فاضل ناقل نے اسے مخالط سے بدل دیا ہے تو اس نے زعفران کو شامل کر لیا ہے واللہ المستعان، پھر بڑا تعجب ہے کہ خود فاضل نے غرر کے قول "وان بقی رقتہ" کے بعد ایک لفظ "واسمه ایضا اھ" کا اضافہ کیا ہے۔ حالانکہ وُہ جانتے تھے کہ پانی کے نام کے زوال کے بعد رقت کا کوئی فائدہ نہیں تو قولِ ثالث کو روایت منفیہ پر مبنی کس طرح کیا جائے گا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

وماء العصفر والزعفران تعتبر الغلبة فی اللون[1] اھ وفی الحلیۃ نقل فخر الدین الزیلعی عن الاسبیجابی ونجم الدین الزاھدی عن زاد الفقھاء، قالوا ان کان المخالط شیئا لونہ یخالف لون الماء، مثل اللبن والخل وماء الزعفران ان کانت الغلبۃ للون الماء، یجوز التوضی بہ وان کان مغلوبا لایجوز[2] اھ

عصفر یا زعفران کا پانی، اگر ایسا ہے تو پانی میں رنگت کے غلبہ کا اعتبار ہوگا اھ اور حلیہ میں فخر الدین زیلعی نے اسبیجابی سے اور نجم الدین زاہدی نے زاد الفقہاء سے نقل کیا، ان حضرات نے فرمایا کہ اگر ملنے والی اشیاء کا رنگ پانی کے رنگ سے مختلف ہو جیسے دودھ، سرکہ اور زعفران کا پانی، اور ایسی صورت میں غلبہ پانی کے رنگ کو ہو تو وضوء جائز ہے اور اگر پانی کا رنگ مغلوب ہو تو وضوء جائز نہیں۔ (ت)

اقول ولا شک ان ھذا الماء یخالف الماء المطلق فی الاوصاف الثلثۃ فعلی ضابطۃ الامام الزیلعی یعتبر تغیر وصفین فکان یحتمل ان تقتضی الضابطۃ خلاف ھذا الحکم المنقول فیما اذا غلب علی المطلق طعمہ وریحہ دون لونہ لکنہ غیر معقول لان اللون اقوی اوصافہ واسرع اثرا فان تغیر شیئ من اوصاف الماء، تغیر لونہ قبلہ وان لم یتغیر شیئ فلم یحصل فی جانب الجواز خلاف۔

میں کہتا ہوں اس میں شک نہیں کہ یہ پانی مطلق پانی سے تینوں اوصاف میں مختلف ہوگا تو امام زیلعی کے ضابطہ کے مطابق اس میں دو وصفوں کے تغیر کا اعتبار ہوگا، اس میں یہ احتمال تھا کہ اس ضابطہ کی رُو سے مذکور حکم کے برخلاف حکم اس صورت میں ہوتا جبکہ مطلق پانی پر مزہ اور بُو کا غلبہ ہوا ہو نہ کہ رنگ کا۔ مگر یہ بات معقول نہیں ہے کیونکہ رنگ پانی کے اوصاف میں قوی تر اور زُود اثر ہے تو اگر پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف بدلتا تو سب سے پہلے تو رنگ ہی بدلتا، اور رنگ نہیں بدلا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی وصف نہیں بدلا، تو جواز کی صورت میں کوئی اختلاف نہ رہا۔ (ت)

(۱۲۷) یُوں ہی پُڑیا حل کیا ہوا پانی پانی میں ملنے سے اس کی رنگت غالب نہ آئے تو وضو روا ہے۔

اقول لانہ ان کان ذا ریح فکماء الزعفران والعصفر اولا فذو وصفین

میں کہتا ہوں اس لیے اگر وہ چیز خوشبودار ہو تو جیسے زعفران اور عُصفر کا پانی ہے یا نہ ہو تو دو وصف

عہ بالرفع عطفا علی فخر الدین ۱۲ منہ غفرلہ (م)

رفع کے ساتھ کیونکہ اس کا فخر الدین پر عطف ہے (ت)

---

[1] بدائع الصنائع مطلب الماء المطلق سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] حلیہ

ولا یتغیر الطعم ما لم یتغیر اللون فلا یحصل الخلاف۔

والی ہوگی، اور مزہ اس وقت تک نہ بدلے گا جب تک رنگ نہ بدلے تو اختلاف نہ ہوا۔ (ت)

(۱۲۸) آبِ تربوز جسے تربوز کا شربت کہتے ہیں جس میٹھے پانی میں اتنا ملے کہ اس کا مزہ پانی پر غالب ہو جائے اس سے بالاتفاق وضو ہو سکتا ہے۔ تبیین الحقائق و فتح القدیر و حلیہ و غنیہ و دُرر و بحر وغیرہا میں ہے:

ماء البطیخ تعتبر الغلبة فیه بالطعم[1] اھ اقول ویظھر لی تقییدہ بالماء العذب کما فعلت فان الماء الملح ربما تبلغ ملوحته بحیث لو خلط به ماء الحبحب اکثر من نصفه لم یغلب علی طعمه بل کانت حلاوة ھذا ھی المغلوبة فاعتبار الطعم ھھنا تضییق یؤدی الی توسیع خارج عن القوانین بمرة فلیتنبه۔

آبِ خربوزہ میں مزہ کے غلبہ کا اعتبار ہو گا اھ اقول اور اس کو میٹھے پانی سے مقید کرنا ضروری ہے جیسا کہ میں نے کہا ہے کیونکہ کھارے پانی کی نمکینی بعض اوقات اس درجہ زیادہ ہوتی ہے کہ اگر اس میں تربوز کا پانی آدھے سے بھی زیادہ ملا دیا جائے تو اس کا مزہ نہیں بدلتا ہے، بلکہ اس کی مٹھاس مغلوب ہو جاتی ہے، تو یہاں مزہ کا اعتبار کرنا بڑی تنگی ہے، اس سے معاملہ بہت پھیل جائے گا جو شرعی قوانین کے بالکل مخالف ہے فلیتنبہ۔ (ت)

اقول وھو وان کان ذا الاوصاف الثلثة کما سیأتی لکن طعمه اقوی فاذا لم یتغیر لم یتغیر شیئ فلا یحصل الخلاف فی جانب الجواز واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں وُہ پانی اگرچہ تین اوصاف والا ہو (جیسا کہ آئے گا) لیکن اس کا مزہ قوی تر ہوا، تو جب مزہ نہ بدلا تو کوئی وصف نہیں بدلے گا تو جواز کی جانب میں کوئی خلاف نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۱۲۹) یوں ہی سپید انگور کا شیرہ اگر شیریں پانی میں ملے مزہ کا اعتبار ہے اگر اُس کا مزہ غالب نہ ہوا قابلِ وضو ہے، بدائع میں ہے:

ان کان لا یخالف الماء فی اللون ویخالفه فی الطعم کعصیر العنب الابیض و خله تعتبر الغلبة فی الطعم[2] اھ اقول وقیدته بالعذب لما علمت وحصول الوفاق لما سمعت۔

اگر وہ پانی کے رنگ میں مخالف نہ ہو مگر مزہ میں مخالف ہو جیسے شیرۂ انگور سفید اور سفید انگور کا سرکہ تو مزہ میں غلبہ کا اعتبار رہو گا اھ میں کہتا ہوں میں نے میٹھے کی قید اس لیے لگائی کہ آپ جان چکے ہیں اور اتفاق کا حاصل ہو جانا بھی آپ کو معلوم ہے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

[2] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

(۱۳۰) سپید انگور کا سرکہ اگر اُس کا مزہ اور بُو پانی پر کچھ غالب نہ آئے اُس سے وضو بالاتفاق جائز ہے،

اقول لانہ ذو وصفین و ریحہ اقوی فان تغیر ریح الماء دون طعمہ لم یجز علی قضیۃ الضابطۃ خلافا للحکم المنقول المار اٰنفا عن البدائع فلم یحصل الوفاق فی جانب الجواز الا اذا لم یتغیر شیئ۔

میں کہتا ہوں اس لیے کہ اس میں دو وصف ہیں، اور اس کی بُو قوی تر ہے تو اگر پانی کی بُو بدل گئی مزہ نہ بدلا تو ضابطہ کی رُو سے وضو جائز نہ ہوگا لیکن بدائع کے حوالے سے جو حکم ابھی گزرا ہے یہ اُس کے برخلاف ہے تو جواز کی جانب میں اتفاق حاصل نہ ہوا، یہ صرف اس صورت میں ہوگا جبکہ کوئی وصف نہ بدلے۔ (ت)

(۱۳۱) اور سرکے کہ رنگت بھی رکھتے ہیں اگر پانی میں اتنے ملیں کہ اُن کا کوئی وصف پانی پر غالب نہ آئے یا صرف بُو غالب آئے اُس سے بالاتفاق وضو جائز ہے۔

اقول وذلک لانھا ذوات الثلاث ومعلوم ان ریح الخل اقوی شیئ فلا یقع ان یتغیر طعم الماء وحدہ اولونہ فقط اوھما معہ لاریحہ بل اما لایتغیر شیئ او یتغیر الکل او الریح وحدہ او مع اللون او مع الطعم والعبرۃ فی الضابطۃ للغلبۃ بوصفین والمنقول الغلبۃ باللون وحدہ کما مر عن حلیۃ عن الزیلعی عن الاسبیجابی وعن النجم الزاھدی عن زاد الفقھاء وتقدم عن الامام ملک العلماء فیتفق المنقول والضابطۃ فی الصورۃ الاولی والثالثۃ علی الجواز وفی الثانیۃ والرابعۃ علی المنع وفی الخامسۃ تنفرد الضابطۃ بالمنع۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تین وصف والے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ سرکہ کی بُو قوی ترشئ ہے تو یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ صرف پانی کا مزہ بدلے یا رنگ بدلے یا دونوں بدل جائیں اور بُو نہ بدلے، بلکہ یا تو کچھ نہیں بدلے گا یا سب کچھ بدل جائے گا یا صرف بُو بدلے گی یا رنگ کے ساتھ یا مزہ کے ساتھ اور ضابطہ میں اعتبار غلبہ کو ہے دو وصفوں کے ساتھ، اور جو منقول ہے وہ صرف رنگ کا غلبہ ہے جیسا کہ حلیہ سے زیلعی سے اسبیجابی سے اور نجم زاہدی سے زاد الفقہا سے گزرا، اور امام ملک العلماء سے بھی یہی منقول ہوا ہے اس لیے نقل اور ضابطہ میں اتفاق ہوگیا، پہلی صورت اور تیسری میں اتفاق جواز پر ہے اور دوسری اور تیسری میں عدم جواز پر اور پانچویں صورت میں ضابطہ کی رُو سے عدم جواز ہے۔ (ت)

(۱۳۲) **اقول** اگر کوئی ذی لون سرکہ ایسا ہو کہ اُس کا مزہ اس کے سب اوصاف سے اقوی ہو کہ اس کا قلیل سب سے پہلے پانی کے مزے کو بدلے اُس سے زاید ملے تو بُو یا رنگ میں تغیر آئے اس صورت میں

اگر پانی کا کوئی وصف نہ بدلے یا صرف مزہ متغیر ہو تو اس سے وضو بالاتفاق جائز ہے لعدم غلبۃ اللون فی المنقول ولا تغیر وصفین فی الضابطۃ (کیونکہ رنگ کا غلبہ نہیں ہے منقول میں اور دو وصفوں کا تغیر نہیں ہے ضابطہ میں۔ت)

(۱۳۳) **اقول** اور اگر بالفرض اس کی رنگت سب سے قوی تر اور پہلے اثر کرنے والی ہو تو اس کے ملنے سے وضو بالاتفاق اُسی وقت جائز ہوگا کہ اس کے کسی وصف میں تغیر نہ آئے لان ای وصف منہ تغیر تغیر لونہ وبہ العبرۃ فی المنقول (کیونکہ اس کا جو وصف بھی بدلے گا اس کا رنگ بھی بدل جائے گا اور منقول میں اسی کا اعتبار ہے۔ت)

(۱۳۴) دُودھ سے اگر پانی کا رنگ نہ بدلا دُودھ کا رنگ اس پر غالب نہ ہوگیا اس سے وضو بالاتفاق روا ہے۔

اقول یہ ہے وہ حکم متفق علیہ کہ فقیر نے کلمات کثیرہ مختلفہ سے حاصل کیا و ذلک لان الاقوال جاءت ھھنا علی خمسۃ وجوہ (یہاں پانچ اقوال ہیں)

(ا) یجوز مطلقا،

(ا) مطلق جائز ہے،

اقول ای مالم یغلب علی الماء اجزاء فانہ معلوم الاستثناء اجماعا۔

میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک پانی پر اسکے اجزاء کا غلبہ نہ ہو، کیونکہ یہ اجماعی طور پر معلوم الاستثناء ہے۔

(ب) یجوز ان غیر احد اوصافہ وستعرف ان العلماء اختلفوا فی اخذ احد ھذا فی مرتبۃ لابشرط شیئ فیشمل مااذا غیر غیر واحد ولو الکل وحینئذ یرجع الی القول الاول اوفی مرتبۃ بشرط لاشیئ فیتقید بمااذا اقتصر التغیر علی وصف واحد ولو لونا۔

(ب) جائز ہے اگر اس کے اوصاف میں سے کسی ایک کو بدلا ہو، اور یہ عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ علماء نے اس کو لابشرط شیئ کے مرتبہ میں قبول کرنے سے اختلاف کیا ہے تو یہ اس صورت پر بھی صادق آئے گا جب پانی کا ایک سے زائد وصف بدل گیا ہو خواہ سب اوصاف ہی بدل گئے ہوں اور اس وقت پہلے قول کی طرف رجوع کرنا ہوگا یا یہ بشرط لاشیئ کے مرتبہ میں ہو تو یہ صرف اسی صورت میں منحصر رہیگا جبکہ تغیر ایک ہی وصف میں ہو خواہ رنگ ہی بدلا ہو۔

(ج) یجوز ان لم یغیر اللون۔

(ج) جائز ہے اگر رنگ کو نہ بدلا ہو۔

(د) ان لم یغیر اللون ولا الطعم۔

(ھ) ان لم یغیرھما معا ففی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للامام

البدر محمود الوضوء بماء خالطه لبن يجوز عندنا خلافا للشافعي[1] اھ وفي متن الہدایۃ تجوز الطھارۃ بماء خالطہ شیئ طاھر فغیر احد اوصافہ کالماء الذی اختلط بہ اللبن[2] اھ واقرہ فی العنایۃ وغیرھا وسمعت نصوص الحلیۃ عمن ذکروا والبدائع ان العبرۃ باللون وقال فی التبیین المخالط ان کان مخالفا للماء فی وصف واحد او وصفین تعتبر الغلبۃ من ذلك الوجہ کاللبن مثلا یخالفہ فی اللون والطعم فان کان لون اللبن او طعمہ ھو الغالب فیہ لم یجز الوضوء بہ والا جاز[3] اھ

(د) اگر نہ رنگ بدلا ہو اور نہ مزہ۔

(ھ) اگر رنگ اور مزہ دونوں کو اکٹھا نہ بدلا ہو، امام بدر محمود کی عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے کہ ہمارے نزدیک اُس پانی سے وضو جائز ہے جس میں دودھ مل گیا ہو اس میں شافعی کا اختلاف ہے اھ اور متن ہدایہ میں ہے اُس پانی سے طہارت جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور اُس نے پانی کے کسی ایک وصف کو بدل دیا ہو جیسے وُہ پانی جس میں دودھ مل گیا ہو اھ اور اس کو عنایہ وغیرہ میں برقرار رکھا، حلیہ اور بدائع کی تصریحات گزر چکی ہیں کہ اعتبار رنگ کا ہے، اور تبیین میں ہے کہ ملنے والی چیز اگر پانی سے ایک یا دو اوصاف میں مختلف ہو تو اسی وجہ سے غلبہ کا اعتبار ہوگا، مثلاً دُودھ پانی سے رنگ اور مزہ میں مختلف ہے تو اگر دودھ کا رنگ یا مزہ اس میں غالب ہو تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا ورنہ جائز ہوگا اھ (ت)

وھکذا اعبر بہ تبعالہ فی الحلیۃ والبحر وغیرھما بلفظۃ او للتردید واتی بہ فی الغنیۃ قاطعا لوھم خطأ الکتابۃ فقال وان خالف الماء فی وصفین کاللبن یخالفہ فی اللون والطعم فالمعتبر ظھور غلبۃ احد الوصفین[4] بل افصح بہ کذلك الزیلعی

اور اسی طرح انہوں نے اس کی تعبیر کی ان کی اتباع کرتے ہوئے حلیہ اور بحر وغیرہ میں او کے کلمہ کے ساتھ جو تردید کے لیے ہوتا ہے اور غنیہ میں اس کو اس انداز سے ذکر کیا کہ کتابت کی غلطی کا وہم نہ رہے چنانچہ فرمایا اور اگر وُہ چیز پانی سے دو وصفوں میں مخالف ہو جیسے دودھ کہ پانی سے رنگ اور مزہ میں مختلف

---

[1] عمدۃ القاری — باب لایجوز الوضوء بالنبیذ — ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۳/ ۱۷۹

[2] ہدایۃ — باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز — مطبع عربیہ کراچی ۱/ ۱۸

نوٹ: اللبن کی جگہ پر کتاب مذکور میں الزعفران ہے۔

[3] تبیین الحقائق — کتاب الطہارت — الامیریہ مصر ۱/ ۲۰

[4] غنیۃ المستملی — فصل فی بیان احکام المیاہ — مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

فی اٰخر الکلام لکن المحقق[5] فی الفتح مع نقلہ عن التبیین عبر بالواو فقال او فی بعضہا فبغلبۃ ما بہ الخلاف کاللبن یخالف فی الطعم واللون فان غلب لونہ وطعمہ منع والاجزاء[1] وکذلک فی الدرر واعترضہ الشرنبلالی فقال یجب ان یقال لونہ او طعمہ باو لا بالواو کما قال الزیلعی المقتحم لہذا الضابط[2] اھ واٰجاب العلامۃ عبدالحلیم بانہ فی اللبن صفتان یغایر بہما الماء المطلق احدہما اقوی من الاخری لما ان تغیر اللون یحصل فیہ بالقلیل فکان الغلبۃ ان توجد الاخری وذا کالبدیہی ومن ذلک لم یقل اوطعمہ باو کما فی عبارۃ الزیلعی ردا علیہ[3] اھ

ہوتا ہے تو اعتبار ایک وصف کے غلبہ کے ظہور کا ہوگا، بلکہ اسی طرح اس کی وضاحت زیلعی نے کلام کے آخر میں کردی، لیکن محقق نے فتح القدیر میں تبیین سے نقل کرتے ہوئے واؤ سے تعبیر کیا اور کہا یا بعض میں اختلاف ہو تو اس صورت میں اس چیز کے غلبے کا اعتبار ہوگا جس کی وجہ سے اختلاف ہے جیسے دودھ کہ پانی سے مزہ اور رنگ میں مخالف ہوتا ہے تو اگر اس کا رنگ اور مزہ غالب ہوجائے تو اس سے طہارت نہیں ہوسکتی ہے ورنہ جائز ہے، اسی طرح درر میں ہے، اس پر شرنبلالی نے اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ لونہ اوطعمہ کہنا چاہیے اَو کے ساتھ، واؤ کا استعمال نہ کرنا چاہیے، جیسا کہ زیلعی نے کہا جو اس ضابطہ کے تکلف میں پڑنے والے ہیں، علامہ عبدالحلیم نے جواب دیا کہ دودھ میں دو صفات ہیں جن کی وجہ سے وہ مطلق پانی سے ممتاز ہوتا ہے، ایک صفت دوسری سے قوی تر ہے، کیونکہ اس میں رنگ کا تغیر تھوڑی سی مقدار سے ہی حاصل ہوجاتا ہے تو غلبہ یہ ہوگا کہ دوسری صفت پائی جائے اور یہ بدیہی کی طرح ہے اور اس لیے "اوطعمہ" نہ کہا "اَو" کے ساتھ، جیسے کہ زیلعی میں ہے تاکہ اس پر رد ہوجائے اھ۔ (ت)

اقول اولاً[1] ان اراد القلیل بالنسبۃ الی الماء فنعم ولکن لانظر ہہنا الی الاجزاء باجماع اہل الضابطۃ التی صاحب الدرر ہہنا بصدد بیانہا وانما العبرۃ بہا فیما یوافق الماء فی الاوصاف[2] وقد مشی

میں کہتا ہوں اول اگر تو وہ اسکو بہ نسبت پانی کی قلیل کہتے ہیں، تو درست ہے، لیکن اہلِ ضابطہ کے اجماع سے یہاں اجزاء پر نظر نہیں کی جاتی ہے، اس ضابطے سے مراد وہ ضابطہ ہے جس کو صاحبِ درر یہاں بیان کررہے ہیں ان اجزاء کا اعتبار اُن اوصاف میں ہے جو پانی

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

[2] حاشیۃ علی الدرر للشرنبلالی ابحاث الماء المطبعۃ الکاملیہ بیروت ۱/۲۳

[3] حاشیۃ علی الدرر للمولی عبدالحلیم بحث الماء ۱/۱۸

علیہ الدرر ھھنا فجعلہ حکم مالایخالف الماء فی صفۃ وجعل اللبن قسیمہ لاسھیمہ وان اراد القلیل فی نفسہ فھو ھھنا المغلوب المستھلک الذی لایظھر لہ اثر بیّن واللبن اذا احال الماء الی لونہ کیف یعد قلیلا۔

کے موافق ہوں اوصاف میں، اور درر نے یہاں ان کو بیان کیا ہے، تو انہوں نے اس کو اس چیز کا حکم قرار دیا جو پانی کے مخالف نہ ہو کسی صفت میں اور دودھ کو اس کا قسیم قرار دیا نہ کہ اس کا سہیم، اور اگر فی نفسہٖ کم کا ارادہ کیا تو وہ یہاں نہ ہونے کے برابر ہے جس کا کوئی واضح اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے جس کا کوئی واضح اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے، اور جب پانی دودھ کا رنگ اختیار کرے تو دودھ کو کس طرح کم کہا جاسکتا ہے؟ (ت)

وثانیا ف۱ ھذا ھو قضیۃ القیاس فی الضابط لان ماخالف الماء فی الاوصاف الثلثۃ اعتبر فیہ الغلبۃ بوصفین لان للاکثر حکم الکل وماخالف فی وصف واحد اعتبر فیہ الغلبۃ بہ بقی ماخالف فی وصفین فان غلب بھما معا فلا کلام وان غلب باحدھما کان الغلبۃ بالنصف والنصف احق ان یلحق بالکل من ان یطرح بالکلیۃ ھذا ولکن الحق عندی فی اللبن علی الضابط المذکور ان تعتبر فیہ الغلبۃ بوصفین اثنین لا بوصف واحد لان ف۲ اللبن مما یخالف الماء فی الاوصاف الثلثۃ جمیعا ولخفاء رائحتہ غالبا ولو اغلی لظھرت ذھب الوھم الی انہ لا یخالف الا فی وصفین وقد قال العلامۃ الرملی فی حاشیۃ البحر ثم الشامی فی المنحۃ ورد المحتار المشاھد فی اللبن مخالفتہ للماء فی الرائحۃ ایضا[1] اھ۔

اور دوم یہ ہے کہ یہ ضابطہ میں قیاس کا تقاضا ہے، کیونکہ جو چیز پانی کے اوصافِ ثلثہ میں پانی سے مختلف ہے اس میں معتبر دو وصفوں کا غلبہ ہے، کیونکہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہے اور جو چیز پانی سے ایک وصف میں مختلف ہو اس میں ایک وصف کا غلبہ معتبر ہوگا، اب صرف وہ چیز رہ گئی جو دو وصفوں میں پانی کے مخالف ہو اگر دونوں وصفوں میں اکٹھا غلبہ ہو جائے تب تو بات واضح ہے اور ایک میں غلبہ ہو تو غلبہ آدھے سے ہوگا اور نصف اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کو کل سے ملایا جائے نہ یہ کہ اس کو بالکلیہ ساقط کیا جائے، اس کو یاد رکھئے۔ لیکن میرے نزدیک حق، اس ضابطہ کے مطابق یہ ہے کہ اس میں دو وصفوں کے غلبہ کا اعتبار کیا جائے نہ کہ ایک وصف کا، کیونکہ دُودھ پانی سے تینوں وصفوں میں مخالف ہوتا ہے، چونکہ اس کی بُو بہت ہلکی ہوتی ہے ابالنے پر ظاہر ہوتی ہے اس لیے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ صرف دو وصفوں میں مخالف ہوتا ہے، علامہ رملی نے بحر کے حاشیہ میں فرمایا، شامی

[1] منحۃ الخالق علی البحر کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

نے منحہ میں اور رد المحتار میں فرمایا کہ دُودھ پانی سے بُو میں بھی مخالف ہے اھ (ت)

اقول غیران اقوی اوصاف اللبن لونه ثم طعمه ثم ریحه ولا یتغیر به فی الماء وصف لاحق الا وقد سبقه سابقه فاذا تغیر شیئ منها فقد تغیر اللون واذا لم یتغیر اللون لم یتغیر شیئ منها فاتفقت الاقوال علی جواز الوضوء بماء خالطه لبن لم یتغیر لونه وبه ظهر ان تردید الامام الزیلعی مستغنی عنه فان تغیر الطعم مستلزم تغیر اللون فکان ینبغی الاقتصار علی اللون کما فعل المتقدمون وقد نقله الزیلعی عن الاسبیجابی کما علمت واللہ تعالی اعلم۔

میں کہتا ہوں دراصل دُودھ کے اوصاف میں قوی تر اس کا رنگ ہے پھر مزہ اور پھر بُو ہے اور اس سے پانی کا جو وصفِ لاحق بھی متغیر ہوتا ہے اس سے قبل کوئی سابقہ ضرور ہوتا ہے، تو جب ان اوصاف میں کوئی تغیر ہوتا ہے تو رنگ ضرور بدلتا ہے اور جب رنگ نہ بدلے تو کوئی وصف نہیں بدلتا ہے، تو تمام اقوال اس پر متفق ہیں کہ اس پانی سے وضوء جائز ہے جس میں دودھ ملا ہو اور اس کا رنگ نہ بدلا ہو اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام زیلعی کا "او" کہنا ضرور کا نہیں، کیونکہ مزہ کا بدل جانا رنگ کے بدل جانے کو مستلزم ہے تو رنگ پر اکتفاء کرنا چاہیے تھا جیسا کہ متقدمین نے کیا ہے اسی کو زیلعی نے اسبیجابی سے نقل کیا، جیسا کہ آپ نے جان لیا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

تذییل اقول (۱۳۵) انڈے جس پانی میں نیم برشت کیے قابلِ وضو ہے اگر انڈے پاک تھے۔

(۱۳۶) آہن تاب، سیم تاب، زرتاب یعنی جس پانی میں لوہا یا چاندی یا سونا تپا کر بجھایا لبقاء الاسم والطبع **اقول** اگرچہ اس سے پانی کی بعض رطوبات کم ہوں گی اس میں ان فلزات کی قوت آئے گی من وجہ ایک دوا وعلاج ہوگا مگروہ کوئی شے غیر نہ ہوجائیگا پانی ہی تھا اور پانی ہی رہے گا یہ عمل پانی ہی کی اصلاح کو ہے نہ کہ اُس سے کوئی اور چیز بنانے کو۔

(۱۳۷) باوضو شخص یا نابالغ نے اگرچہ بے وضو ہو اعضاء ٹھنڈے یا میل دُور کرنے کو جس پانی سے وضو یا غسل بے نیت قربت کیا۔

(۱۳۸) معلوم تھا کہ عضو تین بار دھو چکا ہے اور پانی ہنوز خشک بھی نہ ہوا تھا چوتھی بار بلا وجہ ڈالا یہ پانی قابلِ وضو رہے گا یہاں تک کہ یہ پانی کسی برتن میں لے لیا تو اس سے وضو میں کوئی عضو دھو سکتے ہیں یا اگر چوتھی بار ہاتھ پر اس طرح ڈالا کہ پاؤں پر گر کر بہہ گیا اُتنا پاؤں پاک ہوگیا۔

(۱۳۹) جسے حاجتِ غسل نہیں اُس نے اعضائے وضو کے سوا مثلاً پیٹھ یا ران دھوئی اگرچہ اپنے زعم میں قربت کی نیت کی۔

(۱۴۰) باوضو یا نابالغ نے اگرچہ بے وضو ہو کھانا کھانے کو یا کھانے کے بعد ویسے ہی ہاتھ منہ صاف کرنے کو ہاتھ دھوئے کُلی کی اور ادائے سنّت کی نیت نہ کی۔

(۱۴۱) باوضو یا بالغ نے صرف کسی کو وضو سکھانے کی نیت سے وضو کیا۔

(۱۴۲) مسواک کرنے کے بعد اُسے دھو کر رکھنا سنّت ہے کما بیناہ فی بارق النور (جیسا کہ 'بارق النور' میں بیان کیا گیا۔ت) یہ پانی اگرچہ اس سے ادائے سنّت ہوگا قابلِ وضو رہے گا کما حققناہ فی الطرس المعدل[1] ان الشرط استعماله فی بدن الانسان (جیسا کہ ہم نے 'الطرس المعدل' میں ثابت کیا ہے کہ پانی کے مستعمل ہونے کے لیے پانی کا بدنِ انسان پر استعمال ہونا شرط ہے۔ت) مگر مکروہ ہوگا کہ لعابِ دہن کو دھوئے گا کما تقدم عن الخانیة۔

(۱۴۳) مسواک کرنے سے پہلے بھی اسے دھونا سنّت ہے یہ پانی مکروہ بھی نہ ہوگا اگر مسواک نئی ہے یا پہلے دُھل چکی ہے۔

(۱۴۴) آدابِ وضو سے ہے کہ آفتابہ اگر دستہ دار ہے غسل اعضاء کے وقت دستہ پر ہاتھ رکھے اس کے سر پر نہیں اور دستہ کو تین پانیوں سے دھولے۔ فتح القدیر پھر ردالمحتار وغیرہما میں ہے:

منہا ای من اداب الوضوء ان یغسل عروة الابریق ثلثا ووضع یدہ حالة الغسل علی عروته لاعلی رأسه[1] اھ ومثله فی الحلیة بغیر ثلثا۔

ان سے یعنی آدابِ وضو سے یہ ہے کہ لوٹے کے دستے کو تین مرتبہ دھویا جائے اور غسل کے وقت ہاتھ دستے پر ہی رکھا جائے نہ کہ سر پر اور ایسا ہی حلیہ میں ہے، مگر ثلثا کا لفظ نہیں ہے۔(ت)

(۱۴۵) کوئی پاک کپڑا دھویا اگرچہ ثواب کے لیے جیسے ماں باپ کے میلے کپڑے۔

(۱۴۶) کھانے کے برتن جن میں کھانا پکایا یا اتارا تھا دھوئے اگرچہ ان میں سالن وغیرہ کے لگاؤ سے پانی کے اوصاف بدل گئے جب تک رقت باقی رہے اگرچہ اس دھونے سے سنّت تنظیف کی نیت ہو۔

(۱۴۷) یُوں ہی جس پانی سے سِل یا پتھر دھویا اگرچہ مسالے کے اثر سے اوصاف میں تغیر آیا اور پانی گاڑھا نہ ہوا۔

(۱۴۸) برادہ صاف کرنے کو برف دھویا اور برادہ نے پانی کی رقت پر اثر نہ کیا۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارة مصطفی البابی مصر ۱/۹۲

(۱۴۹) چیک صاف کرنے کو آم یا کسی قسم کے پھل دھوئے۔

(۱۵۰) تختی دھوئی اور سیاہی سے پانی گاڑھا نہ ہوا۔

(۱۵۱) پکا فرش گرد وغبار سے پاک کرنے کو دھویا اگرچہ مسجد کا بہ نیت قربت۔

(۱۵۲) ناسمجھ بچّے نے وضو کیا۔

(۱۵۳) نابالغ کو نہلایا۔

(۱۵۴) گھوڑے وغیرہ کسی جانور کو نہلایا اگرچہ ان دونوں سے نیت ثواب کی ہو جبکہ ان تینوں کے بدن پر کوئی نجاست نہ ہو یہ سب پانی قابلِ وضو ہیں۔

(۱۵۵) دفع نظر کے لیے نظر لگانے والے کے بعض اعضاء دھو کر چشم زدہ کے سر پر ڈالنے کا حکم ہے جس کا مفصل بیان ہماری کتاب منتہی الآمال فی الاوفاق والاعمال میں ہے وہ اگر باوضو تھا یہ پانی قابلِ وضو رہنا چاہیے اگرچہ اس نے بہ امتثال امر واذا استغسلتم فاغسلوا (اگر تم سے دھونے کا مطالبہ کیا جائے تو دھوڈالو۔ت) نیت قربت کی ہو تأمل وراجع ماقررنا من شرائط الاستعمال فی رسالتنا الطرس المعدل (غور کرو اور ہم نے اپنے رسالہ الطرس المعدل میں پانی کے مستعمل ہونے کی جو شرائط بیان کی ہیں ان کی طرف رجوع کرو۔ت)

(۱۵۶) دُلھن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے یہ پانی بھی قابلِ وضو رہنا چاہیے اگر دُلھن باوضو یا نابالغہ تھی کہ یہ اور اس کا سابق از قبیل اعمال ہیں نہ از نوع عبادات اگرچہ نیت اتباع انہیں قربت کرے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۵۷) حائض ونفسا نے قبل انقطاع دم بے نیت قربت غسل کیا یہ پانی بھی قابلِ وضو ہے۔

(۱۵۸) مرد کے وضو وغسل سے جو پانی بچا قابلِ طہارت بلاکراہت ہے اگرچہ عورت اس پانی سے طہارت کرے بخلاف عکس کہ مکروہ ہے کما تقدم۔

(۱۵۹) بعض دوائیں مغسول استعمال کی جاتی ہیں جیسے یاقوت وشادنج وحجر ارمنی وگلِ ارمنی ولک وتوتیا وشنجرف ومردا سنگ وغیرہا کہ خوب باریک پیس کر پانی میں ملاتے ہیں جو غبار سا ہو کر پانی میں مل گیا ایک ظرف میں کرلیا تہ نشین کو پھر پیس کر دوسرے پانی میں ملایا یہاں تک کہ سب غبار ہو کر پانی میں مل جائے یا جس میں سنگریزہ رہے پھینک دیا جائے اب یہ آبِ غبار آمیز ڈھانک کر رکھ چھوڑیں یہاں تک کہ وہ غبار تہ نشین ہو کر پانی سے جُدا ہوجائے اُس وقت پانی نتھار کر دوا استعمال میں لائیں یہ پانی بھی قابلِ وضو ہے اگر بے وضو ہاتھ نہ لگا ہو۔

(۱۶۰) حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کا مُوئے مبارک یا جُبہّ مقدسہ یا نعل شریف یا

کاسۂ مطہرہ تبرک کے لیے جس پانی میں دھویا قابلِ وضو ہے اگرچہ اس میں قصدِ قربت بھی ہوا۔ ہاں پاؤں پر نہ ڈالا جائے کہ خلافِ ادب ہے اگر منہ پر جاری کیا منہ کا وضو ہوگیا اُن کا تو نام پاک لینے سے دل کا وضو ہو جاتا ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم وعلٰی ابنہ الکریم الغوث الاعظم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ الحمدللہ ان پاک کرنے والے پانیوں کی ابتدا زمزم شریف بلکہ اُس آبِ اقدس سے ہوئی جو انگشتانِ مبارک حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم سے بکمالِ رحمت جوش زن ہوا اور انتہا اس پانی پر ہوئی جو حضور کے آثارِ شریفہ کو دھو کر برکاتِ عالیہ کا منبع ومخزن ہوا والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین اٰمین۔

قسم دوم جن سے وضو صحیح نہیں۔

(۱۶۱) آبِ نجس

(۱۶۲) مستعمل کہ ہمارے رسالہ الطرس المعدل میں جس کا بیانِ مفصل۔

(۱۶۳ تا ۱۶۵) گلاب کیوڑا بید مشک، ہدایہ وخانیہ میں ہے:

لا بماء الورد[1] ومثلہ فی خزانۃ المفتین عن شرح مجمع البحرین وعد فی السعدیۃ مع ماء الورد ماء الھندبا وماء الخلاف واشباھھا[2]۔	گلاب کے پانی سے نہ ہو اور اسی کی مثل خزانۃ المفتین میں شرح مجمع البحرین سے ہے اور سعدیہ میں گلاب کے پانی کے ساتھ عرق ہندبا عرق خلاف وغیرہ کو بھی شمار کیا۔ (ت)

منیہ وغنیہ میں ہے:

(لایجوز) الطھارۃ الحکمیۃ (بماء الورد) وسائر الازھار[3]۔	طہارت حکمیہ گلاب اور دوسرے پھولوں کے پانی سے جائز نہیں ہے۔ (ت)

(۱۶۶) عرق گاؤزبان وعرق بادیان وعرق عنب الثعلب وغیرہا جتنے عرق کشید کیے جاتے ہیں کسی سے وضو جائز نہیں وتقدمت فی ۱۱۱ عبارۃ البحر فی الماء الذی یؤخذ بالتقطیر من لسان

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فیما لایجوز بہ التوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۱

[2] السعدیۃ

[3] غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۹

الشورٰ[1] ولفظ الدرر والمستخرج من النبات بالتقطیر[2] (بحر کی عبارت اس پانی کی بابت جو عمل تقطیر سے گاؤ زبان سے نکالا جائے اور درر میں ہے کہ جڑی بُوٹیوں کا پانی جو تقطیر سے نکالا جائے ۱۱۱ میں گزر چکی ہے۔ت)

(۱۶۷ و ۱۶۸) آب کاسنی آب مکوہ اگرچہ مروق ہوں کہ اجزائے کثیفہ جدا ہوکر زیادہ رقیق و لطیف ہوجاتے ہیں و مرکلام سعدی افندی۔

(۱۶۹) وہ پانی کہ زعفران سے نکالا جائے وتقدم کلام الغنیۃ فی ۱۲۵ (اور غنیہ کا کلام ۱۲۵ میں گزرا۔ت)

(۱۷۰ تا ۱۷۹) خربوزہ، تربوز، ککڑی، کھیرے، سیب، بہی، انار، کدو وغیرہا میووں پھلوں کا عرق کہ اُن سے نکلتا یا نچوڑ کر نکالا جاتا ہے، یُوں ہی گنّے کا رس اور بالخصوص وہ پانی کہ کچے ناریل کے اندر ہوتا ہے جو پگھل کر پانی نہ ہوا بلکہ ابتدأً پانی ہی تھا۔

(۱۸۰) اُس سے بھی زیادہ قابلِ تنبیہ وُہ پانی ہے کہ سُنا گیا خطِ استواء کے قریب بعض وسیع ریگستانوں میں جہاں دُور دُور تک پانی نہیں ملتا ریتے کے نیچے سے ایک تربوز نکلتا ہے جس میں اتنا پانی ہوتا ہے کہ سوار اور اس کے گھوڑے کو سیراب کرے رحمت نے بے آب جنگل میں حیاتِ انسان کا یہ سامان فرمایا ہو تو کیا دُور ہے مگر وُہ پانی اگرچہ نتھرے خالص پانی کی طرح ہو اور اس تربوز میں اس کے سوا کچھ نہ ہو جب بھی قابلِ وضو نہیں کہ ثمر کا پانی ہے ماءِ مطلق کے تحت میں نہیں آسکتا۔ رہا وضو اس کے لیے بحمد اللہ تعالٰی وہ رحمتِ عامہ موجود ہے جو صدیقہ بنت الصدیق محبوبۂ محبوبِ رب العٰلمین جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہما وسلم کے صدقہ میں ہر مسلمان کے لیے ہر جگہ موجود ہے کہ

تیمموا صعیدا طیبا جعلت لی الارض مسجدا وطھورا[3] اقول وھٰذا یظھران الاعتصار لامفھوم لہ وان احتج بہ بعض الکبراء علی جواز الوضوء بقاطر الکرم کما سیأتی واللہ تعالٰی اعلم۔

پاک مٹی سے تیمم کرو میرے لیے زمین مسجد اور پاک کرنیوالی بنا دی گئی ہے۔ میں کہتا ہُوں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعتصار کا کوئی مفہوم مخالف نہیں اگرچہ بعض اکابر نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ انگور سے ٹپکنے والے پانی سے وضو جائز ہے، کما سیأتی واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۹
[2] الدرر الحکام للمولٰی خسرو بحث الماء الکاملیہ بیروت ۱/ ۲۳
[3] جامع للبخاری کتاب التیمم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸

خانیہ وہندیہ میں ہے :

لایجوز التوضوء بماء البطیخ والقثاء و القند[1] اھ وفی خزانۃ المفتین عن شرح مجمع البحرین مکان القثد و ماء الخیار[2]۔

وضو جائز نہیں ہے خربوز، ککڑی اور کھیرے کے پانی سے اھ اور خزانۃ المفتین میں شرح مجمع البحرین سے قثد (کھیرے) کے بجائے ماء الخیار (ککڑی کا پانی) ہے۔ (ت)

منیہ وغنیہ میں ہے :

(لاتجوز بماء الثمار) مثل التفاح وشبھہ[3] وذکر فی الجوھرۃ ماء الدباء[4] ویأتی۔

طہارت پھلوں کے پانی سے جائز نہیں، جیسے سیب اور اس کے مشابہ اھ اور جوہرہ میں ذکر کیا ہے کدو کا پانی، اور یہ آئیگا۔ (ت)

خانیہ میں ہے :

لایجوز التوضوء بماء الفواکہ[5]۔

پھلوں کے پانی سے وضو جائز نہیں۔ (ت)

(۱۸۱) یونہی وہ پانی کہ کسی درخت کی شاخیں یا پتّے کوٹ کر نکالا جائے۔ خزانۃ المفتین میں شرح مجمع البحرین سے ہے :

لایجوز الوضوء بماء القضبان[6]۔

قضبان (کٹی ہوئی شاخوں) کے پانی سے وضو جائز نہیں۔ (ت)

(۱۸۲) شراب ریباس

(۱۸۳ تا ۱۸۵) شربت انار شیریں، شربت انار ترش، شربتِ انگور وغیرہا جتنے شربت قوام میں بنائے جاتے ہیں ہدایہ میں ہے "لایجوز بالاشربۃ[7]" (شربتوں سے وضو جائز نہیں۔ ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ	فصل فیما لایجوز بہ التوضوء	نورانی کتب خانہ کراچی	۱/۲۱
[2] فتاوٰی قاضی خان	" " "	نولکشور لکھنؤ	۱/۹
[3] غنیۃ المستملی	احکام المیاہ	سہیل اکیڈمی لاہور	ص ۸۸
[4] جوہرۃ نیرۃ	ابحاث الماء	امدادیہ ملتان	۱/۱۴
[5] فتاوٰی قاضی خان	فیما لایجوز بہ التوضوء	نولکشور لکھنؤ	۱/۹
[6] خزانۃ المفتین			
[7] ہدایۃ	الماء الذی یجوز بہ الوضوء	عربیہ کراچی	۱/۱۸

عنایہ میں ہے : کشرب الرمان والحماض[1] (جیسے انار اور حماض (ایک قسم کی گھاس) کا پانی ۔ ت)

شلبیہ علی التبیین میں مستصفی سے ہے :

الاشربة المتخذة من الشجر کشراب الریباس ومن الثمر کالرمان والعنب[2] اھ ووقع فی الدرر بعد ماقال لا بما اعتصر من شجر او ثمر ولا بماء زال طبعه بالطبخ کشراب الریباس ما نصه وهذه العبارة احسن مما قیل کالاشربة فانه علی عمومه مشکل[3] اھ۔

درختوں سے حاصل کیے ہوئے عرق جیسے ریباس (چقندر کی طرح ایک سبزی) کا عرق، اور پھلوں کا رس جیسے کہ انگور اور انار کا رس۔ اور درر میں لا بما اعتصر من شجر او ثمر الخ کے بعد ہے کہ نہ اس پانی سے جس کی طبیعت پکانے کی وجہ سے بدل گئی ہو جیسے ریباس کا عرق، ان کی عبارت یہ ہے اور یہ عبارت اس قول سے بہتر ہے کہ کالاشربة، کیونکہ اس کو عموم پر رکھنا مشکل ہے اھ (ت)

اقول هو کما تری نص الهدایة واقره الشراح ومثله فی مختصر القدوری والوافی والوقایة والاصلاح والملتقی والبدائع والخانیة والخلاصة وشرح مجمع البحرین وخزانة المفتین والغنیة والهندیة وغیرها مما لایکاد یحصی سبحٰن الله ما لی اعد الکتب وهو نص صاحب المذهب فی الجامع الصغیر محمد عن یعقوب عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنهم لایتوضؤ بشیئ من الاشربة غیر نبیذ التمر[4] اھ ولا ادری

میں کہتا ہوں وہ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں ہدایہ کا نص ہے اور شراح نے اس کو برقرار رکھا ہے اور اس کی مثل مختصر القدوری میں ہے نیز وافی، وقایہ، اصلاح، ملتقی، بدائع، خانیہ، خلاصہ، شرح مجمع البحرین، خزانۃ المفتین، غنیہ اور ہندیہ وغیرہ لاتعداد کتابوں میں ہے سبحان اللہ! میں کتابیں کیوں گنواؤں؟ یہ تو صاحب مذہب کی تصریح ہے، چنانچہ جامع صغیر میں روایت ہے، محمد روایت کرتے ہیں یعقوب سے ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ سوائے نبیذ تمر کے کسی عرق سے وضو نہ کیا جائے اھ اور میں نہیں سمجھتا کہ اس کے عموم میں کیا اشکال ہے، اور اگر

---

[1] عنایۃ مع الفتح | الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ | عربیہ کراچی | ۱/۱۸
[2] شلبیۃ مع التبیین | کتاب الطہارت | الامیریہ مصر | ۱/۱۹
[3] درر الاحکام | " | دار السعادۃ مصر | ۱/۲۳
[4] جامع الصغیر | فیما لایجوز بہ التوضؤ | یوسفی لکھنؤ | ص ۸

ای اشکال فی عمومہ و لم یتکلم علیہ ناظروہ الشرنبلالی وعبد الحلیم والحسن العجیمی و اتی الخادمی بما لایغنی واللہ تعالٰی اعلم۔

دیکھنے والوں نے اس پر کلام نہیں کیا جن میں شرنبلالی عبدالحلیم اور حسن عجیمی شامل ہیں اور خادمی نے بہت سی باتیں کی ہیں جو بے نیاز نہیں کرتیں واللہ تعالٰی اعلم (ت)

علہ اذقال انہ علی عمومہ مشکل اذ الاشربۃ فی الاصل اسم لکل مایشرب فشامل لنحو ماء التمر وغیرہ والمقصود ھھنا الاختصاص بشراب الریاس کما فھم من الایضاح فافھم اھ

انہوں نے فرمایا یا اپنے عموم پر مشکل ہے کیونکہ "اشربۃ" ہر اس چیز کا نام ہے جو پی جاتی ہے تو یہ کھجور وغیرہ کے پانی کو شامل ہوگا اور یہاں مقصود ریباس کے عرق کی تخصیص ہے جیسا کہ ایضاح سے مفہوم ہے۔ فافہم اھ۔

اقول ترکھم التکلم احسن من ھذا والمقصود اعطاء حکم عام وتمثیلہ بجزئی لاتخصیص الکلام بالجزئی والاشربۃ فی العرف ھی ھذہ المتخذۃ من الثمار والاشجار والا فالماء ایضا شراب ھذا مغتسل بارد وشراب ولاشک ان الحکم یعمھا **فان قلت** ھو رحمہ اللہ تعالٰی یمیل الی جواز التوضی بنبیذ التمر لقولہ فی سؤر الحمار (یتوضؤ بہ ویتیمم ان عدم غیرہ بخلاف نبیذ التمر) حیث یتوضؤ بہ عند ابی حنیفۃ وان قال ابو یوسف بالتیمم فقط ومحمد جمع بینھما اھ

میں کہتا ہوں ان کا کلام نہ کرنا اس سے بہتر ہے اور مقصود عام حکم لگانا ہے اور مثال اس کی ایک جزئی سے دی گئی ہے کلام کو جزئی سے خاص کرنا مقصود نہیں، اور اشربہ عرف میں پھلوں اور درختوں سے حاصل شدہ عرقیات ہی کو کہتے ہیں، ورنہ تو پانی بھی شراب ہے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے ھذا مغتسل بارد وشراب، اور کوئی شک نہیں کہ حکم ان سب کو عام ہے، اگر تم کہو کہ وہ رحمہ اللہ نبیذ تمر سے وضو کے جواز کی طرف مائل ہیں کیونکہ انہوں نے گدھے کے جھوٹے کے بیان میں فرمایا (اس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی اگر اور پانی نہ ہو، بخلاف نبیذ تمر کے) کیونکہ اس سے ابو حنیفہ کے نزدیک وضو کیا جا سکتا ہے اگرچہ ابو یوسف صرف تیمم کے قائل ہیں، اور امام محمد وضو اور تیمم دونوں کا قول کرتے ہیں اھ (ت)

اقول انما یستشکل مالا یظھر وجہ صحتہ ولیس لمن یختار جانبا من قولین متساویین ان یستشکل علی الاٰخر فضلا

میں کہتا ہوں اشکال صرف اس وقت ہوگا جس کی وجہ صحت ظاہر نہ ہو اور جو دو برابر اقوال میں سے کسی ایک قول کو اختیار کرتا ہے اس کے لیے دوسرے

(باقی برصفحہ آیندہ)

(۱۸۶ و ۱۸۷) ہر قسم کا سرکہ اور مقطر

(۱۸۸) آب کامہ جسے عربی میں کامخ بفتح میم ومری بتشدید راء و یائے نسبت کہتے ہیں شوربے کی طرح ایک رقیق نانخورش ہے کہ دہی اور سرکے وغیرہ اجزاء سے بنتی ہے اصفہان میں اُس کا زیادہ رواج ہے۔ خانیہ و خزانۃ المفتین وشرح مجمع البحرین میں ہے:

لایجوز الوضوء بالخل والمری[1] اھ وقد ذکر الخل فی الکثیر۔

سرکہ اور نانخورش (شوربا) سے وضو جائز نہیں اھ سرکہ کا ذکر بہت سی کتابوں میں ہے۔ (ت)

(۱۸۹) نمک کا پانی کہ نمک پر رہتا ہے اس پر اجماع ہے۔

(۱۹۰) نمک کا پانی کہ نمک بن جاتا ہے اس میں اختلاف ہے اور اکثر کا رجحان عدم جواز کی طرف ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عمن یختار قیلا ضعیفا مھجور الجمھور واللہ تعالٰی اعلم بمراد عبادہ ثم رأیت السید ابا السعود نقل عن العلامۃ نوح افندی وجہ الاشکال ماقد اشرت الیہ بقولی الماء ایضا شراب ولم یعجبنی ان اجعل مثلہ تفسیرا لکلام الدرر فقال وجہ الاشکال شمول الاشربۃ لغیر المتخذۃ من الشجر والثمر اذ المطلق من الماء شراب قال وانما قال احسن لامکان توجیہ العبارۃ بان یقال اراد الاشربۃ المتخذۃ منھما اھ وانت تعلمان مثل ھذا[1] لایستاھل الذکر فضلا عن حمل کلام مثل مولٰی خسرو علیہ ثم تعبیر التوجیہ[2] بالامکان واللہ المستعان ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

پر کوئی اشکال نہیں، چہ جائیکہ وہ شخص جو ضعیف مخالف جمہور کو لیتا ہے واللہ تعالٰی اعلم بمراد عبادہ پھر میں نے دیکھا کہ علامہ ابوالسعود نے نوح آفندی سے وجہ اشکال وہی نقل کی جس کی طرف میں نے اپنے قول سے اشارہ کیا ہے کہ پانی کو بھی شراب کہتے ہیں اور مجھے اچھا معلوم ہوا کہ میں اسی کی مثل درر کا کلام کروں وہ فرماتے ہیں وجہ اشکال یہ ہے کہ "اشربہ" کا لفظ درخت اور پھلوں کے عرقیات کے علاوہ کو بھی شامل ہے کیونکہ مطلق پانی بھی شراب ہے، جو انہوں نے کہا ہے وہ زیادہ اچھا ہے کیونکہ عبارت کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ "اشربہ" سے وہ مراد ہیں جو ان دونوں سے بنائے جائیں اھ اور آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کی تاویل قابلِ ذکر بھی نہیں چہ جائیکہ مولٰی خسرو کے کلام کو اس پر محمول کیا جائے، پھر توجیہ کو امکان سے تعبیر کرنا، واللہ المستعان ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فیما یجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

کہ وہ طبیعت آب کے خلاف ہے پانی سردی سے جمتا ہے اور وہ گرمی میں جمتا جاڑے میں پگھلتا ہے۔ تبیین الحقائق و بحرالرائق وبزازیہ میں ہے:

لایجوز بماء الملح وھو یجمد فی الصیف ویذوب فی الشتاء عکس الماء[1]۔

نمک کے پانی سے وضوء جائز نہیں، نمک گرمی میں جم جاتا ہے اور سردی میں پگھلتا ہے پانی کے برعکس۔

غرر و تنویر و درر و در میں ہے:

والنظم للدرر (یجوز ان) ای الوضوء والغسل (بماء ینعقد بہ الملح) کذا فی عیون المذاھب (لابماء الملح) الحاصل بذوبان الملح کذا فی الخلاصۃ ولعل الفرق ان الاول باق علی طبیعتہ الاصلیۃ والثانی انقلب الی طبیعۃ

عبارت درر کی ہے وضو اور غسل جائز ہے (اس پانی سے جس سے نمک بنتا ہے) یہی عیون المذاہب میں ہے، (نہ کہ نمک کے پانی سے) جو نمک سے پگھل کر حاصل ہوتا ہے، خلاصہ میں یہی ہے اور غالباً فرق یہ ہے کہ اول اپنی اصل طبیعت پر واقع ہے اور دوسرا دوسری

ع قال الخادمی اورد الجمد والبخار اھ اقول توھم الانقلاب فی الجمد نحو ما نشأ فی ممن یزعم ان السمن فی الشتاء لایبقی سمنا بل ینقلب ماھیۃ اخری قال واجیب المراد الطبیعۃ غیر الملائمۃ للمائیۃ اھ اقول ومراد الایراد ان الماء یجمد ویصیر بخارا فلا یتوضوء بہ ثم اذا ذاب ذاك و تقاطر ھذا جاز لعودھما الی المائیۃ کما کانا علیھا فلو ان الماء الذی سینعقد ملحا کان باقیا علی طبیعۃ الاصلیۃ کما قلتم انما لایجوز الوضوء بہ حین یصیر ملحا فاذا ذاب فقد عاد الی طبیعۃ الاولی فما وجہ الفرق بین

خادمی نے کہا کہ جمد اور بخار سے اعتراض کیا گیا ہے اھ میں کہتا ہوں جمد میں انقلاب کا وہم وہی کہہ سکتا ہے جس کو یہ گمان ہو کہ گھی سردیوں میں گھی نہیں رہتا ہے بلکہ اس کی ماہیت بدل جاتی ہے فرمایا، جواب دیا گیا ہے کہ مراد وہ طبیعت ہے جو پانی کے مناسب نہ ہو اھ میں کہتا ہوں کہ اعتراض یہ ہے کہ پانی جم کر بخار بنتا ہے تو اس سے وضو نہیں کیا جاتا ہے، پھر جب یہ پگھلتا ہے اور ٹپکتا ہے تو وضو جائز ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں پانی بن جاتے ہیں، تو جو پانی جم کر نمک ہوجاتا ہے اگر بقول آپ کے اپنی اصلی طبیعت پر باقی ہو تو اس سے نمک ہونے کی حالت میں وضو جائز نہ ہوگا، اور جب وہ پگھلے گا تو اپنی پہلی طبیعت کی طرف واپس آجائے گا تو جو

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۱۹

اخری آہ واعترضہ محشیہ العلامۃ طبیعت کی طرف منتقل ہوگیا اھ اس پر اسکے محشی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ماسینعقد وما کان انعقد فان ضر تخلل الانقلاب الی طبیعۃ اخری فلیضر فی الجمد الذائب والسحاب الصائب وحاصل الجواب ان المضر تخلل طبیعۃ لاتناسب طبیعۃ الماء وذلك فی الملح بخلاف الجمد والبخار اھ اقول ویکدرہ ان لیس بین ماء ملح سینعقد ملحا وبین الملح الا السیلان والجمود وبھذا القدر لا یحصل تباین الطبیعتین وعدم التناسب بینھما کیف و ھو حین ھو علی شرف الانعقاد فیہ کل ما فی الملح غیر انہ لم یجمد وسیجمد کالسمن والعسل فی الصیف والشتاء فکیف یقال ان الطبیعۃ الملحیۃ لاتناسب طبیعۃ ذلك الماء فان قلت المراد بطبیعۃ الماء ھی الرقۃ ولاشك ان الجمود یباینھا اقول فیعود الایراد بالجمد فان التباین بین الرقۃ والجمود لذاتیھما لالما یعرض انہ من ماء او ملح فعلیك بالتثبت و اللہ تعالٰی اعلم ثم رأیت الجواب المذکور فی الخادمی للداماد افندی قال بعدہ وھی طبیعۃ الملحیۃ فیکون ماؤہ

منعقد ہوگا اور جو منعقد ہوچکا ہے اس میں فرق کیا وجہ ہے تو اگر پانی کا دوسری طبیعت کی طرف انقلاب خلل پیدا کرتا ہے تو یہ چیز اُس جمد میں بھی مضر ہونی چاہئے جو پگھل گیا ہے اور اسی طرح بہنے والے بادل میں اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ مضر ایسی طبیعت کا خلل انداز ہونا ہے جو پانی کی طبیعت سے مناسب نہ ہو اور یہ چیز نمک میں ہے بخلاف جمد اور بخار کے۔ میں کہتا ہوں اس کو یہ چیز مکدر کرتی ہے کہ جو نمکین پانی نمک بننے والا ہے اور جو بالفعل نمک ہے اس میں سوائے سیلان اور جمد کے کیا فرق ہے اور دونوں میں عدم مناسبت بھی نہ ہوگی، پھر جب وہ جمنے کے قریب ہوتا ہے تو اس میں وہ تمام خصوصیات ہوتی ہیں جو نمک میں ہوتی ہیں صرف اتنا ہے کہ وہ ابھی جما نہیں ہے اب جم جائیگا جیسے گھی اور شہد گرمی اور جاڑے میں، تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ نمک کی طبیعت اس پانی کے مناسب نہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پانی کی طبیعت سے مراد رقت ہے اور کچھ شک نہیں کہ جمود اسکے مخالف ہے۔ میں کہتا ہوں پھر وہی اعتراض ہوگا کہ جمد میں تباین رقت اور جمود کا ذاتی ہے عارضی نہیں کہ پانی یا نمک کی وجہ سے ہو، تو غور کرنا لازم ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ پھر میں نے مذکور جواب داماد آفندی کی خادمی

(باقی برصفحہ آئندہ)

لہ درر غرر کتاب الطہارۃ دار السعادۃ مصر ۱/۲۱

نوح افندی کما فی ش بان عبارۃ الخلاصۃ ولو توضأ بماء الملح لایجوز ثم نقل عن البزازیۃ والزیلعی ما قدمنا قال واقرہ صاحب البحر والعلامۃ المقدسی ومقتضاہ انہ لایجوز بماء الملح مطلقا ای سواء انعقد ملحا ثم ذاب اولا وھو الصواب عندی[1] اھ ملخصا۔

علامہ نوح آفندی نے اعتراض کیا ہے، جیسا کہ "ش" میں ہے کہ خلاصہ کی عبارت یہ ہے کہ اگر کسی نے نمک کے پانی سے وضو کیا تو جائز نہیں۔ پھر بزازیہ اور زیلعی سے انہوں نے وہی نقل کیا جو ہم نے بیان کیا اور فرمایا اس کو صاحب بحر اور علامہ مقدسی نے برقرار رکھا اس کا مفہوم وہی ہے کہ نمک کے پانی سے مطلقاً وضو جائز نہیں ہے خواہ نمک بن کر پھر پگھلا ہو یا نہ اور میرے نزدیک یہی صواب ہے اھ ملخصا۔ (ت)

اقول نمک اقسام ہے ایک وہ رطوبت کہ پہاڑ یا غار سے جوش کرکے نکلتی اور جم جاتی ہے جیسے نمک لاہوری و اندرانی اور سانبھریہ ابتداءً جب تک بستہ نہ ہوتی تھی یقیناً اُسی کی مانند ہے جب بستہ ہو کر پگھل جائے کہ وہ پانی کی نوع ہی سے نہیں، دوم دریائے نمک کا منجمد حصہ یہ بعض تیز وتند وحار وحاد چشموں کا پانی ہے کہ جب حرارتِ آفتاب اس میں عمل کرتی ہے کناروں کناروں سے جم جاتا ہے بیچ میں بہتا پانی رہتا ہے اس میں جو چیز پڑے ایک مدت کے بعد نمک ہوجاتی ہے اختلاف اسی پانی میں ہے۔

والذی یظھر لی انہ ان کان ماء حقیقۃ

میرے نزدیک اگر وہ حقیقۃً پانی ہی تھا جیسا کہ ظاہر ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بعد الذوبان کماء الذھب والفضۃ بخلاف الجمد اذا انقلب ماء فانہ ملائم لطبع الماء اھ نقلہ السید الازھری **اقول** والرد علی ھذا اظھر فانہ لاینقلب بعد الذوبان الا الی ما کان علیہ وقد کان عندکم علی طبیعتہ الاصلیۃ فکذلک بعد الذوبان ۱۲ منہ غفرلہ (م)

میں دیکھا اس کے بعد انہوں نے کہا کہ وہ نمک کی طبیعت ہے تو اس کا پانی پگھلنے کے بعد سونے چاندی کے پانی کی طرح ہوگا بخلاف جمد کے جب وہ پانی ہوجائے کیونکہ یہ پانی کی طبیعت کے مناسب ہے اھ اس کو سید ازہری نے نقل کیا۔ میں کہتا ہوں اس پر رد اظہر ہے کیونکہ وہ پگھلنے کے بعد پہلی ہی حالت کی طرف لوٹے گا اور تمہارے نزدیک وہ اصل طبیعت پر تھا تو اسی طرح پگھلنے کے بعد ہوگا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۲

کما ھو الظاھر فلا ینبغی الریب فی جواز الوضوء بہ لان الماء ماء سواء کان عذبا فراتا او ملحا اجاجا وقد قال فی الخانیۃ لو توضأ بماء السیل یجوز وان خالطہ التراب اذا کان الماء غالبا رقیقا فراتا کان او اجاجا[1] اھ وکونہ یجمد صیفا ویذوب شتاء لایجعلہ نوعا اٰخر غیر الماء فلیس من ارکان ماھیۃ الماء ولامن شرائطہا الجمود شتاء والذوبان صیفا وانما ھذہ اوصاف تختلف باختلاف الاصناف ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج ھذا اینبت ویروی وھذا لایفعل شیأ منہ وقد یمکن عقد الملح بماء البحر بالطبخ ولایخرجہ ھذا عن المائیۃ فکذا لواجتزأ بعض المیاہ لشدۃ حدتہ عن الطبخ بحرارۃ الشمس لم یکن فیہ اختلاف الماھیۃ فھذا ما یقضی لما فی الدر والدرر بالترجیح ولکن لما اختلفوا ولم یتبین الامر قدمت الحاظر علی المبیح ولکن العجب من العلامۃ الشرنبلالی علل فی المراقی المنع من ذائب الملح بما مرانہ یذوب شتاء ویجمد صیفا ثم قال وقبل انعقادہ ملحا طھور[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

تو اس سے وضو کے جواز میں کوئی شک نہ ہونا چاہئے کیونکہ پانی تو پانی ہی ہے خواہ سخت میٹھا ہو یا سخت کڑوا ہو، خانیہ میں ہے اگر سیلاب کے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے خواہ اس میں مٹی ملی ہوئی ہو جبکہ پانی غالب رقیق ہو، میٹھا ہو یا نمکین ہو اھ اور یہ بات کہ وہ گرمیوں میں جم جاتا ہے اور سردیوں میں پگھل جاتا ہے اس کو پانی کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں بنا دیتا ہے کیونکہ جاڑوں میں جمنا گرمیوں میں پگھلنا نہ تو پانی کی ماہیت کے ارکان سے ہے اور نہ شرائط سے ہے یہ اوصاف ہیں جو قسموں کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں، کوئی سخت میٹھا، کوئی سخت نمکین، کوئی اُگانے والا اور سیراب کرنے والا ہوتا ہے اور کچھ بے فائدہ ہوتا ہے اور کبھی سمندری پانی کو اُبال کر نمک بنا لیا جاتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ پانی نہیں تھا، اسی طرح اگر کوئی پانی آفتاب کی گرمی سے گرم ہونے کی وجہ سے متجزی ہوگیا تو یہ اس کی ماہیت کو تبدیل نہیں کرتا، اس سے اس چیز کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے جو دُر اور دُرر میں ہے لیکن فقہاء کے اختلاف کی وجہ سے میں نے منع کہنے والی دلیل کو مباح کرنے والی دلیل پر ترجیح دی ہے، مگر علامہ شرنبلالی پر تعجب ہے کہ انہوں نے مراقی الفلاح میں منع کی علت پگھلے ہوئے نمک میں یہ بتائی کہ وہ سردی میں پگھلتا اور گرمیوں میں جمتا ہے اور نمک بننے سے قبل وہ پاک ہوتا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خانیہ المعروف قاضی خان فصل فیما لایجوز التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] مراقی الفلاح مع الطحطاوی کتاب الطہارت نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۳

(۱۹۱) نوشادر کا پانی کہ اس کے بھپنے سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱۹۲) آبِ کافور کہ اس کے پگھلنے سے حاصل ہو رہا جی کافور جسے یہاں بھیم سینی کہتے ہیں دھوپ کی گرمی سے پگھل جاتا ہے۔

(۱۹۳) آبِ کافور کہ درخت کافور کاٹتے وقت اس سے ٹپکتا ہے۔

(۱۹۴) آبِ نفط بالکسر ایک روغنی رطوبت تیز رائحہ ہے کہ بعض زمینوں سے اُبلتی ہے۔

(۱۹۵) مٹی کا تیل مثل آبِ نفط ہے۔ بزازیہ میں ہے: ماء الملح لایجوز الوضوء بہ وکذا ماء النفط[1] (نمک کے پانی سے وضو جائز نہیں اور ایسے ہی ماء النفط (ایک معدنی تیل) سے۔ ت)

(۱۹۶) زِفت بالکسر درخت صنوبر نر کا مد جو پھل نہیں دیتا۔

(۱۹۷) راتیانج درخت صنوبر مادہ کا مد جس میں پھل آتا ہے۔

(۱۹۸) قطران ایک قسم کا درخت سرو کا مد۔

(۱۹۹) قیر ایک سیاہ رطوبت کہ بعض زمینوں یا گرم چشموں سے ابلتی ہے۔

(۲۰۰) قفر الیہود ایک بودار رطوبت سنغشی رنگ کہ شل قیر بعض دریاؤں سے نکلتی ہے۔

(۲۰۱) عنبر کہ یہ بھی ایک قول میں ایک معدنی رطوبت ہے بعد کو حرارت آفتاب وغیرہ سے منجمد ہوجاتی ہے۔

(۲۰۲) مومیائی

(۲۰۳) سلاجیت یہ دونوں پتھر کے مد ہیں اور ابتدا میں سیال ہوتے ہیں وکل ذلک فی معنی ماء النفط (یہ سب ماء النفط (ایک معدنی تیل) کے معنی میں ہیں۔ ت)

(۲۰۴) نیم وغیرہ درختوں کا مد

(۲۰۵) موسم بہار میں انگور کی بیل سے خود بخود پانی ٹپکتا ہے اس میں اختلاف ہے اور راجح یہی ہے کہ اُس سے وضو جائز نہیں۔

فی الھدایۃ لایجوز بما اعتصر من الشجر والثمر لانہ لیس بماء مطلق والحکم عند فقدہ منقول الی التیمم اما الماء الذی

ہدایہ میں ہے (وضو اس پانی سے جائز نہیں جو درخت اور پھل سے نچوڑا گیا ہو) کیونکہ وہ مطلق پانی نہیں رہا، اور جب مطلق پانی نہ ہو تو پھر حکم تیمم کی طرف منتقل ہوجاتا ہے،

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ مع العالمگیری نوع فی المستعمل والمطلق والمقید نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۰

یقطر من الکرم فیجوز التوضی به لانه ماء یخرج من غیر علاج ذکره فی جوامع ابی یوسف رحمه الله تعالٰی وفی الکتاب اشارة الیه حیث شرط الاعتصار[1] اھ واقرہ فی العنایة والفتح وغیرھما وتبعه صاحب المجمع فی شرحه وفی التبیین[2] انکان یخرج من غیر علاج لم یکمل امتزاجه فجاز الوضوء به کالماء الذی یقطر من الکرم اھ وتبعه المحقق فی الفتح وقال صدر الشریعة وتبعه ابن کمال باشا فی ایضاحه اما ما یقطر من شجر فیجوز به الوضوء[3] اھ وھو اختیار الامام الاسبیجابی کما یاتی فی سادس ضوابط الفصل الثالث وادخله العلامة التمرتاشی فی متنه فقال لا بعصیر نبات بخلاف ما یقطر من الکرم بنفسه[4] اھ

بہرحال وہ پانی جو انگور کی بیل سے ٹپکتا ہے اس سے وضو جائز ہے کہ وہ بغیر عمل کے نکلا ہے اس کو جوامع ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی میں ذکر کیا اور کتاب میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں نچوڑنے کی شرط ہے اھ اور اس کو عنایہ اور فتح وغیرہ میں برقرار رکھا اور صاحب المجمع نے اس کی شرح میں اس کی متابعت کی اور تبیین میں ہے کہ بغیر عمل کے اگر عرق نکل آئے تو اس کا امتزاج پورا نہ ہوگا اور اس سے وضو جائز ہے جیسے انگور کی بیل سے ٹپکنے والا پانی اھ محقق نے فتح میں اس کی پیروی کی اور صدر الشریعۃ نے فرمایا ابن کمال پاشا نے اپنی ایضاح میں اس کی پیروی کی فرمایا جو پانی درخت سے ٹپکتا ہے اس سے وضو جائز ہے اھ اور وہ امام اسبیجابی کا مختار ہے جیسا کہ تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ میں آئیگا اور علامہ تمرتاشی نے اس کو متن میں داخل کیا اور فرمایا گھاس کے عرق سے جائز نہیں بخلاف اس پانی کے جو انگور کی بیل سے خود بخود ٹپکتا ہے اھ (ت)

واغرب المدقق العلائی فی شرحه فزاد بعد قوله من الکرم او الفواکه ولم اره لغیره والجمهور علی المنع ونصوا[عہ]

اور مدقق علائی نے اپنی شرح میں بڑی عجیب بات کہی یعنی یہ کہ من الکرم کے بعد انہوں نے "او الفواکہ" کا اضافہ کیا، میں نے ان کے علاوہ کسی اور کے کلام میں

عہ وقد مر تاییدہ فی ۱۸۰ فتذکر ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اس کی تائید گزرچکی ہے ملاحظہ ہو ۱۸۰ - ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] ہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ وما لایجوز مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۶

[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبع الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

[3] شرح الوقایۃ مالایجوز بہ الوضوء المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی ۱/۸۴

[4] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

انہ الاوجہ الاظہر الاحوط ففی الکافی[1] ثم ابن الشلبی[2] علی الزیلعی والانقرویۃ[3] لایتوضوء بماء یسیل من الکرم لکمال الامتزاج ذکرہ فی المحیط[4] وقیل یجوز لانہ خرج من غیر علاج اھ وفی الخانیۃ[5] لابالماء الذی یسیل من الکرم فی الربیع وکذا ذکرہ شمس الائمۃ الحلوانی اھ[6] وفی الحلیۃ[7] والظاہر انہ اوجہ اھ ثم اعاد فقال الظاہر انہ الاوجہ[8] اھ وفی الغنیۃ[9] ھو الاحوط اھ وفی غنیۃ[10] ذوی الاحکام ھو الاظہر کما فی البرھان[11] وفی نور الایضاح[12] لایجوز بماء شجر وثمر ولو خرج بنفسہ من غیر عصر فی الاظہر اھ[13] وفی مراقی الفلاح[14] احترز بہ عما قیل انہ یجوز بما یقطر بنفسہ لانہ لیس لخروجہ بلاعصر تاثیر فی نفی القید وصحۃ نفی الاسم عنہ اھ[15] وفی الدر[16] ھو الاظہر کما فی الشرنبلالیۃ عن البرھان واعتمد القہستانی[17] فقال والاعتصار یعم الحقیقی والحکمی

یہ نہ دیکھا، اور جمہور کے نزدیک ممنوع ہے اور صراحت کی ہے کہ یہی اوجہ، اظہر اور احوط ہے، کافی، ابن شلبی علی الزیلعی اور انقرویہ میں ہے کہ اس پانی سے وضوء نہ کرے جو انگور کی بیل سے بہتا ہے کیونکہ اس میں کمال امتزاج پایا جاتا ہے، اس کو محیط میں ذکر کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ بغیر عمل کے نکلا ہے خانیہ میں ہے کہ اس پانی سے جائز نہیں جو موسم ربیع میں انگور کی بیل سے نکلتا ہے، اسی طرح اس کو ذکر کیا ہے شمس الائمہ حلوانی نے اھ اور حلیہ میں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہی اوجہ ہے اھ پھر اعادہ کیا اور فرمایا ظاہر یہی ہے کہ یہ اوجہ ہے اھ اور غنیہ میں ہے کہ یہ احوط ہے اھ اور غنیہ ذوی الاحکام میں ہے یہی اظہر ہے جیسا کہ برہان میں ہے اور نور الایضاح میں ہے وضو جائز نہیں درخت یا پھل کے پانی سے خواہ بلانچوڑے از خود نکل آئے، اظہر یہی ہے اور مراقی الفلاح میں ہے اس سے اس قول سے احتراز کیا کہ وضو اس پانی سے جائز ہے جو بلانچوڑے خود نکل آئے، کیونکہ اس کے بلانچوڑے نکلنے میں نفی قید میں کوئی تاثیر نہیں ہے اسی طرح اس سے

---

[1] حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق — کتاب الطہارۃ — الامیریۃ بولاق مصر — ۱/۲۰

[2] قاضی خان — فیما لایجوز بہ التوضی — نولکشور لکھنؤ — ۱/۹

[3] حلیہ — [4] غنیۃ المستملی — احکام المیاہ — سہیل اکیڈمی لاہور — ص ۹۲

[5] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر — کتاب الطہارت — مطبعۃ الکاملیۃ بیروت — ۱/۲۳

[6] نور الایضاح — کتاب الطہارۃ — علمیہ لاہور — ص ۳

[7] مراقی الفلاح — " " " — الامیریہ بولاق مصر — ص ۱۴

كما الكرم وكذا ماء الدابوغة[علٰہ] والبطيخ بلا استخراج اھ[1] واقرہ ط وفی الھندیۃ[2] ولا بما یسیل من الکرم کذا فی الکافی والمحیط وفتاوی قاضی خان وھو الاوجہ ھکذا فی البحر وھو الاحوط کذا فی شرح منیۃ المصلی لابرھیم الحلبی اھ و فی البحر الرائق والنھر الفائق المصرح بہ فی کثیر من الکتب انہ لایجوز الوضوء بہ واقتصر علیہ قاضی خان فی الفتاوی وصاحب المحیط وصدر بہ فی الکافی وذکر الجواز بصیغۃ قیل وفی شرح منیۃ المصلی الاوجہ عدم الجواز فکان ھو الاولی لما انہ کمل امتزاجہ کما صرح بہ فی الکافی فاوقع

اس نام کے سلب کرنے میں کوئی تاثیر نہیں ہے اھ اور دُر میں اسی کو اظہر کہا جیسا کہ شرنبلالیہ میں برہان سے ہے اور اسی پر قہستانی نے اعتماد کیا اور کہا نچوڑنا حقیقی اور حکمی دونوں کو عام ہے جیسے انگور کا پانی اسی طرح تربوز کا پانی اور خربوزے کا پانی بلا نکالے ہُوئے اھ اور اس کو "ط" نے برقرار رکھا اور ہندیہ میں ہے تم اس پانی سے جو انگور کی بیل سے نکلتا ہے اسی طرح کافی، محیط میں ہے اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے یہی اوجہ ہے یہی بحر میں ہے اور یہی احوط ہے اسی طرح شرح منیۃ المصلی میں ہے جو ابراہیم حلبی کی ہے اھ اور بحر اور نہر میں ہے کہ بہت سی کتب میں صراحت ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں اور اسی پر قاضیخان نے فتاوٰی میں اکتفاء

علٰہ الدابوغۃ والدابوقۃ والجیحب ھو البطیخ الاخضر کما فی ش عن بعض المحشین عن کتب الطب وذکر فی التحفۃ و المخزن دابوقۃ بالقاف وزعما انہ من اسمائہ بالعربی وذکر امنھا اللاغ والبطیخ الھندی والبطیخ الشامی والبطیخ الفلسطینی وبالفارسیۃ ھندوانہ وبالھندیۃ تربوز ولم یذکرا دابوغہ بالغین ۱۲ منہ۔ (م)

دابوغہ، دابوقہ اور جیحب تربوز کو کہتے ہیں جیسا کہ شامی میں ہے کہ بعض حاشیہ نگاروں نے کتبِ طب سے اس کی یہی تشریح نقل کی ہے اور تحفہ اور مخزن میں دابوقہ "ق" سے ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ اس کا عربی نام ہے ان دونوں کتب میں لاغ اور بطیخ ہندی، بطیخ شامی اور بطیخ فلسطینی کا ذکر ہے فارسی میں ہندوانہ اور ہندی میں تربوز کہتے ہیں ان دونوں کتابوں میں دابوغہ "غ" کے ساتھ کا ذکر نہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الطہارت مجتبائی دہلی ۱/۳۴

[2] ہندیۃ فیما لایجوزبہ التوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۱

فی شرح الزیلعی انه لم یکمل امتزاجه ففیه نظر[1] اھ وفی ش عن الرملی علی المنح من راجع کتب المذہب وجد اکثرھا علی عدم الجواز فیکون المعمول علیه فما فی ھذا المتن (یرید التنویر) مرجوح بالنسبة الیه اھ[2]۔

کیا، اسی طرح صاحب محیط نے اس پر اکتفاء کیا اور اس کو ابتداء میں ذکر کیا کافی میں اور جواز کا ذکر بصیغہ قیل کیا اور شرح منیۃ المصلی میں ہے کہ اوجہ عدم جواز ہے تو یہی اولیٰ ہے کیونکہ اس کا امتزاج مکمل ہوگیا ہے جیسا کہ کافی میں مصرح ہے تو شرح زیلعی میں اس کے امتزاج کو مکمل نہ بتانا قابل اعتراض ہے اھ اور ش میں رملی علی المنح سے منقول ہے کہ جس نے کُتبِ مذہب کو دیکھا ہے اس کو معلوم ہوگا کہ اکثر میں عدم جواز ہے تو اسی پر اعتماد ہوگا، تو جو اس متن (تنویر) میں ہے وہ اس کی نسبت مرجوح ہے اھ۔ (ت)

(۲۰۶) تاڑی

(۲۰۷) سیندھی

اقول حتی علی قول من یجوز بقاطر الکرم فانه ماء کان تشربه فاذا رتوی رده[a]

میں کہتا ہوں یہاں تک کہ جو حضرات انگور کی بیل سے ٹپکنے والے پانی سے وضو کے جواز کے قائل ہیں تو وہ یہی

---

[a] علی ھذا ھو صریح مفاد کلام الزیلعی ومن تبعه لکن فی الارکان الاربعة لبحر العلوم ما نصه اختلفوا فی ماء سال من الکرم و نحوه بنفسه ففی الھدایة یجوز به التوضی وفی الکافی وفتاوی قاضی خان لایجوز لانه لیس ماء انما ھو شبیه بالماء ویطلق علیه الماء مجازا اھ

اقول لیس التعلیل فی الکافی ولا فی الخانیة بل لم ارہ لاحد قبله بل زعم

یہ صریح مفہوم ہے زیلعی کے کلام کا اور اس کے متبعین کے کلام کا، لیکن بحر العلوم کی ارکانِ اربعہ میں ہے اُس پانی میں اختلاف ہے جو انگور کی بیل سے ٹپکتا ہے، ہدایہ میں ہے اس سے وضو جائز ہے، کافی اور فتاوی قاضی خان میں ہے کہ وضو جائز نہیں کیونکہ وہ پانی نہیں ہے پانی کے مشابہ ہے اور اس پر پانی کا اطلاق مجاز ہے اھ

میں کہتا ہوں کہ تعلیل نہ کافی میں ہے اور نہ خانیہ میں ہے بلکہ میں نے اُن سے پہلے کسی کے کلام

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹
[2] رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۳

كما يدل عليه قول الزيلعي كمال الامتزاج بتشرب النبات الماء بحيث لايخرج منه الابعلاج ثم ذكر قاطر الكرم بما مر بخلاف الرطوبات السائلة من هذه الاشجار فانها كالقارات النابعة من الاحجار والله تعالى اعلم۔

کہتے ہیں کہ در اصل یہ پانی تھا جب بیل میں جذب ہونے سے بچا تو بہنے لگا جیسا کہ قول زیلعی سے معلوم ہوتا ہے، امتزاج کا کمال یہ ہے کہ گھاس پانی کو اچھی طرح پی لے کہ بلا نکالے پانی نہ نکلے، پھر انہوں نے انگور کی بیل سے ٹپکنے والے پانی کا ذکر کیا بخلاف ان رطوبتوں کے جو اِن درختوں سے بہتی ہیں کیونکہ یہ ان روغنیات کی طرح ہیں جو پتھروں سے نکلتے ہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲۰۸) ماء الجبن کہ دودھ پھاڑ کر اس کی مائیت نکالتے ہیں۔
(۲۰۹) دہی کا پانی کہ کپڑے میں باندھ کر ٹپکائیں یا اس کے کونڈے میں اس سے چھٹے۔
(۲۱۰) مٹھا جسے چھاچھ بھی کہتے ہیں دہی سے مکھن جُدا ہونے کے بعد جو پانی رہ جائے۔
(۲۱۱) چاولوں کی پیچ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

العلامة ابن كمال الوزير في الايضاح عند قول متنه لابما اعتصر من شجر او ثمر الرواية بالقصر كانهم ابوا عن اطلاق اسم الماء عليه ايماء الى قصوره عن حد الماء المطلق ولذلك لايجوز التوضي به اھ فهذا يوهم بل كمصرح ان كل عصارة ثمر او شجر ماء حقيقة غيرانه مقيد لامطلق وهو باطل قطعا والذي يقبله القلب في ماء الكرم القاطر ايضا ماقاله بحر العلوم والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله۔ (م)

میں یہ نہیں دیکھا، بلکہ علامہ ابن کمال وزیر نے ایضاح کے متن کے پاس فرمایا نہ اس پانی سے جو درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہو روایت قصر سے ہے، گویا وہ اس پر پانی کے نام کا اطلاق نہیں کرنا چاہتے ہیں، اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ وہ ماءِ مطلق میں شامل نہیں، اور اس لیے اس سے وضو جائز نہیں ہے اھ اس سے وہم ہوتا ہے بلکہ صراحت ہی کہنی چاہئے کہ درختوں اور پھلوں کا پانی حقیقۃً پانی ہے، البتہ وہ مقید ہے مطلق نہیں ہے، حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے اور انگور کی بیل کے پانی کی بابت دل لگتی بات بحر العلوم ہی کی ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

(۲۱۲) گوشت کا پانی کہ سر بند برتن میں بے پانی رکھ کر اوپر پانی بھر کر آنچ دینے سے خود گوشت سے مثل عرق نکلتا ہے۔

(۲۱۳) ماء اللحم کہ عرقیات کی طرح گوشت و اجزائے مناسبہ سے ٹپکا کر لیتے ہیں۔

المخالطات

(۲۱۴) یخنی کہ پانی میں گوشت کا آبجوش نکالتے ہیں۔

(۲۱۵) ہر قسم کا شوربا۔ ہدایہ میں ہے :

لا یجوز بالمرق فانہ لایسمی ماء مطلقا[۱]۔ شوربا سے وضو جائز نہیں کہ اس کو مطلق پانی نہیں کہتے ہیں۔ (ت)

(۲۱۶ و ۲۱۷) جس پانی میں چنے یا باقلا پکایا اگر پانی میں ان کے اتنے اجزاء مل گئے کہ ٹھنڈا ہو کر پانی گاڑھا ہو جائے گا تو اس سے بالاتفاق وضو ناجائز ہے۔

اقول وذلک ان العبارات الواضحۃ[عہ] جاءت ھھنا علی ثلثۃ وجوہ۔ میں کہتا ہوں اس سلسلہ میں واضح عبارات تین قسم کی ہیں :

الاول لایجوز مطلقا لان بالطبخ یحصل کمال الامتزاج فیفید التقیید وھذا ما یأتی فی ضابطۃ الامام الزیلعی واتباعہ رحمھم اللہ تعالٰی۔ اول : مطلقًا جائز نہیں کیونکہ پکانے سے مکمل امتزاج حاصل ہوتا ہے لہٰذا مقید کرنا مفید ہوگا۔ امام زیلعی اور ان کے متبعین کے ضابطہ میں اس کا بیان آئیگا، رحمہم اللہ تعالٰی۔

الثانی لایجوز اذا وجد منہ ریح المطبوخ۔ دوم : وضو جائز نہیں جبکہ اس میں سے پکی ہوئی چیز کی بُو آتی ہو۔

الثالث یجوز مالم یثخن وعلیہ الاکثر وھو الاشھر والمنصوص سوم : جب تک گاڑھا نہ ہو تو جائز ہے، اکثر اسی پر ہیں اور یہی مشہور تر ہے، اور عام متون میں

عہ ستأتی عبارۃ اخری مجملۃ وھی التغیر بالطبخ ویأتی الکلام علیھا ۱۲ منہ (م)

عنقریب ایک مجمل عبارت آئے گی اور وہ پکانے سے تبدیل ہونا ہے اور اس پر کلام بھی آئیگا ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] ہدایہ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء و مالایجوز بہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۸

عليه في عامة المتون[ع۱] وفي الخانية لوطبخ فيه الحمص اوالباقلاء وريح الباقلاء يوجد منه لايجوز به التوضؤ[۱] وذكر الناطفي اذا لم تذهب رقته ولم يسلب منه اسم الماء جاز اھ[۱] وفي الجامع[ع۲] الكبير ثم المنية و الينابيع ثم الزيلعي والفتح و تجنيس الامام صاحب الهداية ثم البحر وتجنيس الملتقط ثم الحلية والفتاوى الظهيرية ثم البرجندي واللفظ للفتح في الينابيع لونقع الحمص والباقلاء وتغير لونه وطعمه وريحه يجوز التوضي به فان طبخ فان كان اذا برد ثخن لايجوز الوضوء به اولم يثخن ورقة الماء باقية جاز اھ[۲] وهذا كما ترى اوسع الاقوال فاذا حصل شرطه في المنع حصل المنع بالاجماع۔

یہی ہے، اور خانیہ میں ہے اگر پانی میں چنے یا باقلا پکایا گیا اور باقلا کی بُو اس میں آگئی تو اس سے وضو جائز نہیں اور ناطفی نے فرمایا اگر اس کا پتلا پن ختم نہیں ہوا ہے اور اس پر پانی کا اطلاق ہوتا ہے تو وضو جائز ہے ورنہ نہیں، جامع کبیر، منیہ، ینابیع، زیلعی، فتح، تجنیس (صاحب ہدایہ کی کتاب) پھر بحر، ملتقط کی تجنیس، حلیہ، فتاوٰی ظہیریہ اور برجندی میں ہے، عبارت فتح کی بحوالہ ینابیع ہے اگر چنے اور باقلاء پانی میں نچوڑ لیے گئے اور اس کا رنگ مزہ اور بُو بدل گئے تو اُس سے وضو جائز ہے، تو اگر پکایا گیا اور ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا ہوگیا تو وضوء جائز نہیں، اور اگر گاڑھا نہ ہوا اور پانی کی رقت ہنوز باقی ہے تو جائز ہے اھ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں اس قول میں سب سے زیادہ گنجائش ہے، تو جب اس کی شرط منع میں حاصل ہو تو بالاجماع منع ثابت ہوگا۔ (ت)

ثم اقول وبالله التوفيق بل لاخلاف اما القولان الاولان فالتوفيق بينهما واضح

پھر میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق، بلکہ کوئی خلاف ہی نہیں، اور دو پہلے اقوال میں تطبیق واضح ہے

ع۱: كالوقاية والملتقى والغرر والتنوير ونور الايضاح حيث اعتبروا زوال الطبع بالطبخ ويأتي نصوصها في الفصل الثالث ۱۲ منه غفرله۔

جیسے وقایہ، ملتقی، غرر، تنویر اور نورالایضاح، ان حضرات نے پکانے سے طبیعت کے زوال کا اعتبار کیا ہے تیسری فصل میں ان کتب کی عبارات آئیں گی ۱۲ منہ غفرلہ

ع۲: هكذا في الحلية وفي نسختي المنية والجامع الصغير وعليها شرح في الغنية ۱۲ منه غفرله (م)

اسی طرح حلیہ میں ہے اور میرے پاس موجود منیہ اور جامع صغیر کے نسخوں پر اس کی شرح غنیہ میں ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

۱ فتاوٰی قاضی خان، فصل فیما لایجوز به التوضی، مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۹

۲ فتح القدیر، باب الماء الذی یجوز به الوضوء ومالایجوز به، نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

فانه اذا نضج الباقلی فی الماء وادرك وجد ریحه من الماء لا محالة وهذا هو معنی الطبخ کما تقدم فی ۱۰۸ نعم علی هذا یضیع الشرط ولا امکان لحمل الطبخ علی الالقاء بقصده لیکون احترازا عما اذا اُخرج قبل ان یؤثر فی الماء فانه ح لیشمل ما اذا اُخرج بعد ما غیر ریح الماء قبل ان ینطبخ فان تغیر الریح لا یتوقف علی النضج فعلی هذا یکون مجرد تغیر الریح بدون الطبخ موجبا للتقیید وهو خلاف النصوص المذکورة فی ۸۹ فان عند عدم الطبخ لا وجه للفرق بینه وبین النقیع تأمل واما القول الثالث فافاد فی الغنیة ما یعطی وفاقه حیث قال التقیید یحصل للماء بکمال الامتزاج بالطبخ بان یطبخ فی الماء شیئ حتی ینضج فحینئذ یخرج الماء عن طبعه وهو سرعة السیلان ولا شك انه اذ ذاك اذا برد ثخن غالبا[1] فکانت القاعدة فی المخالطة بالطبخ ان ینضج المطبوخ فی الماء وفی المخالطة بدونه ان تزول رقته اھ وتبعه فی مراقی الفلاح فقال لا بماء زال طبعه بالطبخ لانه اذا برد ثخن[2]۔

کہ جب باقلا پانی میں اچھی طرح پک جائے تو لا محالہ اس کی بُو پانی میں آئے گی اور پکنے کے یہی معنی ہیں جیسا کہ ۱۰۸ میں گزرا۔ ہاں اس تقدیر پر شرط لگانا بے سود ہوگا اور یہ امکان نہیں ہے کہ طبخ کو اس پر محمول کیا جائے کہ پکانے کے ارادہ سے ڈالنا، تاکہ اس صورت سے احتراز کیا جائے جب کہ اُس کو پانی میں اثر انداز ہونے سے قبل نکال لیا جائے، کیونکہ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جس کو نکالا جائے اس وقت جبکہ اس سے پانی کی بُو تبدیل ہو جائے اور وہ پکنے نہ پائے، کیونکہ بُو کا بدلنا پکنے پر موقوف نہیں اس بناء پر صرف بُو کا بدلنا بلا پکائے موجبِ تقیید ہوگا اور یہ نصوص مذکورہ کے خلاف ہوگا، نصوص ۸۹ میں مذکور ہیں، کیونکہ نہ پکنے کی صورت میں اُس میں اور نقیع ٹھنڈا ہونے میں کوئی فرق نہیں ہوگا، یہ مقامِ غور ہے، تیسرا قول 'غنیہ' کے مطابق وہ ہے جس سے اتفاق معلوم ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں تقیید پانی میں اس وقت ہوتی ہے جب پکنے سے مکمل امتزاج حاصل ہو جائے، مثلاً یہ کہ پانی میں کوئی چیز پکائی جائے حتّٰی کہ مکمل طور پر پک جائے، تو اس وقت وہ پانی اپنی طبیعت سے خارج ہو جائیگا اور یہ اس کا تیزی سے بہنا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا ہو جائیگا تو پکانے والی چیز میں "مخالطہ" کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ چیز پانی میں پک جائے، اور پکائے بغیر مخالطہ میں یہ ہے کہ

---

[1] غنیۃ المستملی — فصل احکام المیاہ — سہیل اکیڈمی لاہور — ص ۹۰

[2] مراقی الفلاح — کتاب الطہارۃ — مطبعۃ الامیریۃ مصر — ص ۱۵

اس کی رقت ختم ہوجائے اھ اور یہی بات مراقی الفلاح میں کہی گئی ہے، فرمایا نہ اس پانی سے جس کی طبیعت پکائے جانے کی وجہ سے ختم ہوگئی کیونکہ جب وہ ٹھنڈا ہوگا گاڑھا ہوجائے گا۔ (ت)

اقول لا طبخ الا بالنضج کما علمت فکان الطبخ نفسہ القاعدۃ من دون شریطۃ زائدۃ وھذا یوافق اھل الضابطۃ ثم اذا کان الطبخ یورث الثخونۃ مطلقا حصل توافق الاقوال ومجال المقال فیہ من وجوہ۔

میں کہتا ہوں طبخ بلا نضج نہیں ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے جانا، تو طبخ بجائے خود قاعدہ ہے اس میں کسی زائد شرط کی حاجت نہیں اور یہ ضابطہ والوں کے موافق ہے، پھر جب طبخ سے مطلقاً گاڑھا پن پیدا ہوتا ہے تو اقوال میں توافق پیدا ہوگا، اور اس میں کئی وجوہ کلام ہوسکتا ہے:

الاول ما اقول انہ علی ھذا لم یبق الفرق بین النیئ والمطبوخ اذصار المدار فیھما جمیعا الثخونۃ وکلام الشیخ یؤذن بالتفرقۃ۔

اوّل یہ جو میں کہتا ہوں کہ اس بنا پر کچے اور پکے ہُوئے میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ان دونوں میں دارومدار گاڑھا ہونا ہے اور شیخ کے کلام سے دونوں میں فرق معلوم ہوتا ہے۔

والثانی ما اقول ایضا تقسیم الطبخ فی الینابیع الی صورۃ الثخونۃ وبقاء الرقۃ یؤذن بان الطبخ لا یوجب الثخانۃ ولا ینفع قولہ غالبا لانہ اذا برد فلم یثخن وجب جواز الوضوء بہ لاحاطۃ العلم بعدم المانع۔

دوم میں کہتا ہوں ینابیع میں طبخ کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ خواہ گاڑھا پن ہو اور رقت باقی ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طبخ سے گاڑھا پن لازمی نہیں ہوتا ہے، اور ان کے قول غالب کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جب ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا نہ ہو تو اس سے وضو جائز ہے کیونکہ مانع کے نہ ہونے کا علم ہے۔

والثالث قال المحقق البحر فی البحر لا یتوضؤ بماء تغیر بالطبخ بما لا یقصد بہ التنظیف کماء المرق والباقلاء لانہ ح لیس بماء مطلق لعدم تبادرہ عند اطلاق اسم الماء اما لوکانت النظافۃ تقصد بہ کالسدر والصابون والاشنان یطبخ بہ فانہ یتوضؤ بہ الا اذا خرج الماء عن طبعہ من الرقۃ والسیلان وبما تقرر علم

سوم محقق نے بحر میں فرمایا کہ اس متغیر پانی سے وضو نہ کیا جائے جس کو کسی ایسی چیز کے ساتھ پکایا گیا ہو جو تنظیف کے لیے نہیں ہوتی ہے جیسے شوربہ اور باقلا کا پانی، کیونکہ یہ مطلق پانی نہیں ہے اس لیے کہ جب پانی کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے یہ پانی متبادر نہیں ہوتا ہے اور اگر وہ چیز ایسی ہو کہ اس سے نظافت مقصود ہو جیسے جھڑبیری، صابون اور اشنان کو پانی کے ساتھ پکایا جائے تو اس پانی سے وضو کیا جائیگا، ہاں اگر

ان ماذکرہ فی التجنیس والینابیع (فاشرما مر انفا) لیس ھو المختار بل ھو قول الناطفی من مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی یدل علیہ ماذکرہ قاضی خان (فنقل ما تقدم الاٰن) قال وبما قررناہ علم ان الماء المطبوخ بشیئ لایقصد بہ المبالغۃ فی التنظیف یصیر مقیدا سواء تغیر شیئ من اوصافہ اولم یتغیر فحینئذ لاینبغی عطفہ فی المختصر علی بکثرۃ الاوراق الا ان یقال انہ لما صار مقیدا فقد تغیر بالطبخ اھ[1] وتبعہ ش فقال فی المرق والباقلاء انہ یصیر مقیدا سواء تغیر شیئ من اوصافہ اولا وسواء بقیت فیہ رقۃ الماء اولا فی المختار کما فی البحر[2]۔

پانی اپنی طبیعت سے نکل جائے یعنی رقت اور سیلان ختم ہوجائے تو وضو جائز نہ ہوگا، اور گزشتہ تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کچھ تجنیس اور ینابیع میں ہے (وہ نقل کیا جو ابھی گزرا) وہ مختار نہیں ہے بلکہ وہ ہمارے مشائخ میں سے ناطفی کا قول ہے، قاضی خان کا قول اس پر دلالت کرتا ہے (جو ابھی گزرا وہ نقل کیا) فرمایا ہماری تقریر سے معلوم ہوا کہ پانی کو اگر کسی ایسی چیز سے جوش دیا جائے جس سے زیادہ تنظیف مقصود نہ ہو تو وہ مقید ہوجائیگا خواہ اس کے اوصاف میں تغیر ہو یا نہ ہو اس صورت میں اس کا عطف مختصر میں "بکثرۃ الاوراق" پر مناسب نہیں، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب وہ مقید ہوگیا تو پکنے سے متغیر ہوگیا اھ "ش" نے بھی یہی لکھا اور شوربا اور باقلاء میں لکھا کہ وہ مقید ہوجائے گا خواہ اس کے اوصاف میں تبدیلی ہو یا نہ ہو، عام ازیں کہ اس میں پانی کی رقت رہے یا نہ رہے، مختار یہی ہے جیسا کہ بحر میں ہے اھ (ت)

والرابع قال العلامۃ البرجندی تحت قول النقایۃ وان تغیر بالمکث اواختلط بہ طاھر الا اذا اخرجہ عن طبع الماء او غیرہ طبخا[3] مانصہ واطلاق التغیر وجعلہ قسیما للاخراج من طبع الماء یتبادر منہ ان مطلق التغیر بالطبخ مانع سواء اخرجہ عن

چہارم علامہ برجندی نے نقایہ کے قول وان تغیر بالمکث الخ کے تحت فرمایا، تغیر کو مطلق رکھنا اور اس کو اخراج من طبع الماء کا قسیم بنانا، اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ مطلق تغیر پکانے کی وجہ سے مانع ہے، خواہ وہ اس کو پانی کی طبیعت سے نکالے یا نہ نکالے، ہدایہ سے یہی مفہوم ہے، اس کی تائید

---

[1] بحر الرائق بحث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸
[2] رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۳
[3] شرح النقایۃ للبرجندی مسائل الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۱

طبع الماء اولا وھذا ھو المفھوم من الہدایۃ ویؤیدہ ما فی الخزانۃ وفتاوی قاضی خان انہ اذا طبخ فیہ الباقلی وریح الباقلی یوجد منہ لا یجوز بہ التوضی وقد ذکر فی الفتاوی الظھیریۃ انہ اذا طبخ الحمص او الباقلی الی اٰخر ما تقدم عن الفتح۔[1]

خزانہ اور فتاوٰی قاضی خان سے ہوتی ہے کہ اگر اس میں باقلی پکایا گیا اور اس کی بو پانی میں آگئی تو اس سے وضو جائز نہیں، اور فتاوٰی ظہیریہ میں ہے کہ اذا طبخ الحمص او الباقلی الخ جو فتح سے نقل ہوا۔ (ت)

وانا اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق فعل النار والعیاذ باللہ تعالٰی منھا تفریق الاتصالات فاذا طبخ شیئ تزیل النار صلابتہ وتفتح منافذہ فیدخلہ الماء وتخرج اجزاؤہ اللطاف فی الماء فتورثہ ثخونۃ اذا کان الماء علی ما ھو المعتاد فی طبخ الاشیاء وان لم تظھر اذا اکثر الماء جدا فان الکلام فی الطبخ المعھود ولا یجعل فیہ من الماء الا قدر معلوم موافق لحصول الامتزاج وھذا ما افاد الزیلعی و اتباعہ ان بالطبخ یحصل کمال الامتزاج نعم الحرارۃ توجب اللطافۃ فما دام حارا لا یظھر ذلک التغیر علی ما ھو علیہ وبہ ظھر سر ما قالوا اذا صار بحیث اذا برد ثخن وھذا ھو الفارق بین النیئ والمطبوخ فان النیئ لیس فیہ ما یمنع ظھور الثخانۃ فاحیل فیہ علی نفس ذھاب الرقۃ بخلاف

میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق آگ کا کام متصل کو منفصل کرنا ہے جب کوئی چیز آگ پر پکائی جاتی ہے تو آگ اس کی سختی کو زائل کردیتی ہے اور اُس کے سوراخوں کو کھول دیتی ہے جس کی وجہ سے اس میں پانی داخل ہوجاتا ہے اور اس کے لطیف اجزاء پانی میں آجاتے ہیں، اس طرح پانی گاڑھا ہوجاتا ہے جبکہ پانی عادت کے مطابق پکایا جائے اور جب پانی بہت زیادہ ہوتا ہے تو یہ گاڑھا پن ظاہر نہیں ہوتا ہے کیونکہ گفتگو متعارف پکانے میں ہے اور اس میں ایک معین مقدار کے پانی کی آمیزش کی جاتی ہے تاکہ امتزاج حاصل ہوجائے، زیلعی وغیرہ میں یہی ہے کہ پکانے سے کمال امتزاج حاصل ہوتا ہے، ہاں حرارت لطافت کا موجب ہوتی ہے تو جب تک وہ گرم رہتا ہے تو یہ تغیر ظاہر نہیں ہونے پاتا ہے، اسی سے یہ راز سربستہ بھی منکشف ہوگیا کہ فقہاء فرماتے ہیں جب پانی ٹھنڈا ہوکر گاڑھا ہوجائے، اور یہی چیز ما بہ الامتیاز ہے کچے اور پختہ میں، کیونکہ کچے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے

---

[1] شرح النقایۃ للبرجندی مسائل الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

المطبوخ مالم یبرد فیحال فیه علی النظر فان ظهرانه یثخن اذا برد لم یجز الوضوء به و الاجاز والمرجع فی هذا هو حصول النضج والادراك فان عند ذلك یحصل کمال الامتزاج وهو یوجب فی المعتاد ثخونة الماء فبهذا التقریر ولله الحمد انحلت الاشکالات عن اٰخرها۔

جو گاڑھے پن کو ظاہر ہونے سے روکتی ہو تو اس میں دارومدار صرف رقّت کے ختم ہونے پر ہے بر خلاف پکے ہوئے کے جو ٹھنڈا نہ ہوا ہو تو اس کا دارومدار اس پر ہے کہ دیکھا جائے اگر یہ ظاہر ہو کہ ٹھنڈا ہو کر گاڑھا ہو جائیگا تو اس سے وضو جائز نہیں ورنہ جائز ہوگا، اور دارومدار اس میں پکنا ہے کیونکہ اسی وقت کمال امتزاج پایا جاتا ہے اور یہی چیز عام طور پر پانی کے گاڑھا ہونے کا موجب ہوتی ہے اس تقریر سے تمام اشکالات رفع ہوگئے۔

فالاول قد ظهر الفرق بین النیّ والمطبوخ۔

اول: کچے اور پکے کا فرق ظاہر ہوا۔

والثانی الطبخ فی کلام الینابیع الاغلاء فی الماء علی النار وان لم ینضج علی سبیل عموم المجاز لابل بیان لحکم نعم المعتاد وغیرہ کمن وضع کفا من حمص فی قدر قربة من الماء فانه لا یثخن حین یبرد وان نضج الحمص وادرك وهذا هو منشؤ التقیید بغالبا فی کلام الغنیة ونظر الشرنبلالی الی المعتاد المعهود فاطلق القول انه اذا برد ثخن وبالله التوفیق۔

دوم: ینابیع کی عبارت میں طبخ سے مراد شئ کو جوش دینا ہے پانی میں آگ پر خواہ پکا ہوا ہو، یہ بطور عموم مجاز کے ہے، نہیں بلکہ یہ ایسے حکم کا بیان ہے جو معتاد و غیر معتاد دونوں کو عام ہے، مثلاً کسی نے ایک مٹھی چنے ایک ہانڈی بھر پانی میں ڈال دئے تو یہ ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا نہ ہوگا خواہ چنے کتنے ہی پک جائیں، اور غنیہ کی عبارت میں غالبًا کی قید کا یہی مفاد ہے اور شرنبلالی کی نظر معہود پر گئی تو انہوں نے مطلق قول رکھا کہ جب ٹھنڈا ہوگا تو گاڑھا ہو جائے گا وباللہ التوفیق۔

والثالث فیه اشیاء۔

سوم اس میں چند اور قابلِ ذکر باتیں ہیں:

فاقول اولا[1] تبیین ان فرض عدم التغیر اصلا مع حصول الطبخ فرض مالا وقوع له۔

میں کہتا ہوں اول: پکنے کے باوجود یہ مفروضہ قائم کرنا کہ تغیر نہیں ہوا ہے باوجود حصول طبخ کے ایک ایسی چیز کا فرض کرنا ہے جو واقع نہیں ہوتی ہے۔

وثانیا[2] قد علمت انما فی الخانیة

دوم: خانیہ میں جو ناطفی سے منقول ہے یہ

عن الناطفی لایخالف ما قدمه لاجرم ان
عزا العلامة القوام الکاکی شارح الهدایة ثم
ابن الشلبی محشی الزیلعی ما عن الناطفی الی
قاضی خان ایضا فقالا اذا طبخ ولم یثخن بعد
ورقة الماء فیه باقیة جاز الوضوء به ذکره
الناطفی وفی فتاوی قاضی خان[1] اھ والیه یشیر
کلام الحلیة اذ جعل کلام الناطفی مفاد ما
فی قاضی خان حیث قال تحت قول الماتن
لاتجوز بماء الباقلاء ما نصه سیذکر عن
الجامع الکبیر تقیید عدم الجواز بماء
الباقلاء بما اذا کان مطبوخا وهو بحال
اذا برد ثخن وزالت عنه رقة الماء فیحمل
هذا الاطلاق وان وقع مثله لغیر المصنف
علی ذلک دفعا للتناقض ومن ثم لما ذکر
القدوری فی عداد ما لایجوز الطهارة به
ماء الباقلاء قال فی الهدایة المراد ما تغیر
بالطبخ واحسن منه حمله علی ما اذا
کان مسلوبا منه اسم الماء مطبوخا اولا
کما یقیده ما فی الخانیة فذکر کلامه المار فی
النئ والمطبوخ تماما[2] وفیه حدیث الریح
فلو حسبه مخالفا لقول الناطفی لکان قوله
مرجوحا لانه انما یقدم الاظهر لاالاشهر
فلم یکن یحسن نسبة ما نقله الیه ومن

گزشتہ قول کے منافی نہیں، اسی لیے علامہ کاکی شارح
ہدایہ اور ابن شلبی محشی زیلعی نے ناطفی کے قول کو
قاضی خان کی طرف بھی منسوب کیا ہے، ان دونوں
حضرات نے فرمایا جب پکایا گیا اور گاڑھا نہ ہوا اور پانی
کی رقت اس میں باقی رہی تو اس سے وضو جائز ہے،
اس کو ناطفی نے ذکر کیا ہے، اور یہ فتاوی قاضی خان
میں ہے اھ اس طرف حلیہ میں اشارہ ہے کیونکہ انہوں
نے ناطفی کے کلام کو قاضی خان کی گفتگو کا ماحصل
قرار دیا ہے، وہ ماتن کے قول لاتجوز بماء الباقلی
کے تحت فرماتے ہیں کہ عنقریب جامع کبیر سے باقلی کے
پانی کے ساتھ عدم جواز کے مقید کرنے کی وجہ بیان
کریں گے کہ وہ ایسا پکا ہوا ہو کہ جب ٹھنڈا ہو تو گاڑھا
ہوجائے اور اس کی رقت زائل ہوجائے تو یہ اطلاق
(اگرچہ مصنف کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی ایسا
ہی کیا ہے) اس پر محمول کیا جائیگا کہ تناقض مرتفع
ہوجائے، اس لیے جب قدوری نے اُن اشیاء کا ذکر
کیا جن سے وضو جائز نہیں ہے تو باقلی کے پانی کو ذکر کیا،
ہدایہ میں فرمایا اس سے مراد وہ پانی ہے جو پکائے جانے
سے بدل گیا ہو اور اس کا حمل اس پر زیادہ اچھا ہوگا
جبکہ اس پر پانی کا اطلاق ختم ہوگیا ہو خواہ وہ پکا ہوا ہو
یا نہ ہو، جیسا کہ خانیہ سے پتا چلتا ہے، پھر انھوں نے
اپنا گزشتہ کلام ذکر کیا جو کچے اور پختہ سے متعلق ہے، اسی
میں بُو کا بھی تذکرہ ہے تو اگر وہ اس کو ناطفی کے قول کے

---

[1] حاشیۃ الشلبی علی التبیین بحث الماء بولاق مصر ۱/۱۹
[2] حلیہ

الدليل عليه ان الامام قاضی خان نفسه صرح بهذا الذی قاله الامام الناطفی وجزم به فی عامة المعتمدات فی شرحه للجامع الصغیر کما عزاه له فی الغنیة۔

وثالثا العجب انه رحمه اللہ تعالٰی یحتج بعبارة الخانیة وقد شرط وجود الرائحة[1] ثم یقول سواء تغیر شیئ من اوصافه اولا۔

ورابعا انکر العطف علی بکثرة الاوراق[2] ولیس ثمه ما یصلح لعطفه الاھو فان عبارة المختصر یتوضؤ بماء السماء العین والبحر وان غیر طاھر احد اوصافه او انتن بالمکث لابما تغیر بکثرة الاوراق او بالطبخ[2] فان لم یعطف علی بکثرة یعطف علی بما تغیر ای لا یتوضؤ بالطبخ وھو کلام مغسول۔

وخامسا تاویله بان المراد تغیر طبعه او وصفه بل اطلاقه لایتمشی فی عبارة النقایة والاصلاح تغیر بالطبخ معه وھو مما لایقصد به النظافة اذ یفید علی ھذا جواز الوضوء بما تغیر من الاطلاق بالطبخ مع المنظف ولیس مرادا قطعا فانما الامر انه لما تغیر بالطبخ صار مقید الا تغیر بالطبخ۔

مخالف سمجھے تو ان کا قول مرجوح ہوتا، کیونکہ وہ اظہر و اشہر کو مقدم کرتے ہیں، تو جس قول کو انہوں نے ناپسندیدہ قرار دیا اسی کی نسبت ان کی طرف اچھی نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ خود قاضی خان نے اس چیز کی تصریح کی ہے جو امام ناطفی نے ذکر کیا ہے اور اسی پر انہوں نے اپنی عام معتمدات میں جامع صغیر کی شرح میں جزم کیا ہے اور غنیہ میں اس کو ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

سوم: تعجب اس پر ہے کہ وہ خانیہ کی عبارت سے استدلال کر رہے ہیں اور انہوں نے بُو کی شرط لگائی ہے پھر فرمایا عام ازیں کہ اس کے اوصاف میں سے کچھ بدلا ہوا ہو یا نہ بدلا ہوا ہو۔

چہارم: بکثرة الاوراق پر عطف کا انکار کیا ہے حالانکہ وہاں صرف اسی پر عطف ممکن ہے کیونکہ مختصر کی عبارت یہ ہے یتوضؤ بماء السماء الخ تو اگر بکثرة پر عطف نہ کیا جائے تو بما تغیر پر کرنا ہوگا، اور یہ غلط ہے۔

پنجم: اس کی یہ تاویل کرنا کہ مراد اسکی طبیعت یا وصف کا بدلنا نہیں ہے، بلکہ ان کی عبارت کا اطلاق اصلاح و نقایہ کی عبارت میں نہیں چل سکتا ہے کہ تغیر بالطبخ معه ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس سے نظافت مقصود نہ ہو، اس لیے کہ اس بناء پر اُس چیز سے جس سے تغیر واقع ہو وضو جائز ہوگا، یعنی جب کہ نظافت والی چیز کے ساتھ پکانے کو مطلق رکھا جائے،

---

[1] بحر الرائق بحث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸
[2] کنز الدقائق " ایچ ایم سعید کمپنی؟ ایجوکیشنل پریس کراچی ۱/۱۱

حالانکہ یہ قطعاً مراد نہیں ہے، کیونکہ جب پکانے سے متغیر ہوگیا تو مقید ہوگیا یہ نہیں کہ جب مقید ہوگیا تو پکانے سے متغیر ہوگیا۔ (ت)

اقول ووقع فی تعبیر ش تغییر[1] لمفاد البحرفان قوله فی المختار کما فی البحر یوقع من لا یراجع البحر فی توهم انه تصحیح منقول فی البحر عن اهله فانه رحمه الله تعالٰی لم یکن من اصحابه کما اعترف به ش فی عقود رسم المفتی وبیناه فی رسالتنا هبة الحبیر فی عمق ماء کثیر ولیس کذلك وانما قال لخلافه من قبل نفسه لیس هو المختار۔

میں کہتا ہوں "ش" کی عبارت میں تبدیلی بحر کے مفاد کے لیے ہے کیونکہ ان کا قول فی المختار کما فی البحر ایک ایسے شخص کو جس نے بحر نہ دیکھی ہو اس وہم میں مبتلا کرسکتا ہے کہ یہ بحر کے منقول کی تصحیح ہے جو انہوں نے کسی سے نقل کیا ہے، کیونکہ وہ اس کے اصحاب سے نہیں جیسا کہ اس کا اعتراف "ش" نے عقود رسم المفتی میں کیا ہے اور ہم نے اس کو "ھبۃ الحبیر فی عمق ماء کثیر" میں ذکر کیا ہے جبکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے، یہ بات انہوں نے اس لیے کہی ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس کے مخالف ہیں، وہ مختار نہیں سمجھتے۔ (ت)

والرابع[2] لما کان زوال الطبع بالطبخ ربما لا یظهر الا اذا برد صح التقسیم فیحال فی النیئ علی عین الثخونة وفی المطبوخ علی دلیلها وکانه الی هذا اشیر البرجندی بتعقیبه بکلام الظهیریة فاستقر ان شاء الله تعالٰی وله الحمد عرش التحقیق ؛ بحسن التوفیق ؛ علی التطبیق والتوفیق ؛ و بالله سبحٰنه و تعالٰی التوفیق۔

چہارم: پکنے کی وجہ سے طبیعت کا زائل ہونا کبھی ظاہر نہیں ہوتا ہے، ہاں جب ٹھنڈا ہوتا ہے تو تقسیم صحیح ہے، تو کچے کا دار و مدار گاڑھے پن پر ہوگا اور پکے ہوئے میں اس کی دلیل پر ہوگا اور غالباً برجندی اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ اس کے بعد ظہیریہ کے کلام کو لائے ہیں، یہ اس کی مکمل تحقیق ہے۔ (ت)

(م ۲۱) پانی میں میوے جوش دے کر ان کا عرق نچوڑا یہ عرق اگرچہ پانی سے مخلوط ہوگا کہ حرارت نار کے سبب میوے پانی کا تشرب کریں گے خصوصاً جبکہ کوٹ کر ڈالے اس سے وضوء جائز نہیں۔ فتاوی امام قاضی خان میں ہے:

لا یجوز التوضوء بماء الفواکه و تفسیره ان یدق التفاح او السفرجل دقا ناعما ثم

پھلوں کے پانی سے وضو جائز نہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ سیب یا امرود کو باریک باریک کوٹ لیا جائے اور

يعصره فيستخرج منه الماء وقال بعضهم تفسيره ان يدق التفاح او السفرجل ويطبخ بالماء ثم يعصر فيستخرج منه الماء وفي الوجهين لا يجوز به التوضؤ لانه ليس بماء مطلق[1]

پھر ان کو نچوڑ کر اُن سے پانی نکالا جائے، بعض نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ سیب یا امرود کو باریک کرکے پانی کے ساتھ پکایا جائے پھر نچوڑا جائے اور پانی نکالا جائے اور دونوں صورتوں میں اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ یہ مطلق پانی نہیں ہے۔ (ت)

(۲۱۹) یہ پانی جس میں میوے جوش دیے اس کا حکم ذکر نہ فرمایا۔

واقول وبہ استعین اگر میوے خفیف جوش دیے جس میں قدرے نرم ہوکر نچوڑنے میں اچھی طرح آئیں اور نکال لیے کہ پانی میں اُن کے اجزائے لطیفہ قدر تغیر نہ ملنے پائے تو اُس پانی سے وضو جائز ہونا چاہئے اور اب یہ پانی نمبر ۱۰۸ و ۱۰۹ میں داخل ہوگا اور اگر میوے اس میں پک گئے کہ اُسے متغیر کردیا تو اُن کے نکال لینے کے بعد بھی اس پانی سے وضو ناجائز ہے یہ ۲۱۹ نمبر ہوگا۔

(۲۲۰) سر پر مہندی یا کوئی خضاب یا ضماد لگا ہوا ہے اور مسح کرتے میں ہاتھ اس پر گزرتا ہوا پہنچا یوں کہ یا تو وہ ضماد و خضاب رقیق بے جرم مثل روغن ہے تو اُسی کی جگہ مسح کیا وہ جرم دار ہے تو اس کے باہر چہارم سر کی قدر مسح کیا مگر ہاتھ اس پر ہو کر گزرا اگر اس گزرنے میں ہاتھ کی تری میں اُس خضاب وضماد کے اجزاء ایسے مل گئے کہ اب وہ تری پانی نہ کہلائے گی تو مسح جائز نہ ہوگا ورنہ جائز۔

یہ نمبر (۲۲۱) ہوا جس کا جائزات میں اضافہ ہونا چاہیے، وجیز امام کردری فصل مسح میں ہے:

مسحت علی الخضاب ان اختلطت البلۃ بالخضاب حتی خرجت عن کونہا ماء مطلقا لم یجزہ[2] اقول ولا بد من تقیید مفہومہ بما ذکرت فاعرف۔

خضاب پر مسح کیا اگر تری خضاب سے مل گئی یہاں تک کہ ماءِ مطلق ہونے سے خارج ہوگئی تو اُس سے مسح جائز نہیں اھ میں کہتا ہوں اس کے مفہوم کو مقید کرنا ضروری ہے اس قید کے ساتھ جو میں نے ذکر کی ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ (ت)

(۲۲۲) پانی میں ستّو گھلے ہوں کہ وہ رقیق نہ رہے اُس سے وضو ناجائز ہے، ہدایہ وکافی میں ہے:

الا ان یغلب علی الماء فیصیر کالسویق

مگر یہ کہ وہ پانی پر غالب ہو کہ پانی مثل ستوؤں کے ہوجائے،

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما لا یجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] فتاوٰی بزازیۃ مع العالمگیری الرابع فی المسح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۵

لزوال اسم الماء عنه[1] — کیونکہ اب اس سے پانی کا نام ختم ہوگیا ہے۔(ت)

خانیہ میں ہے:

وان صار ثخینا مثل السویق لا[2]۔ — اور اگر ستوؤں کی طرح گاڑھا ہوجائے تو جائز نہیں۔(ت)

المقابلات[عہ]

(۲۲۳) اولے میں اگر اس قدر مٹی کوڑے وغیرہ کا خلط ہے کہ پانی کیچڑ کی طرح گاڑھا ہوگیا تو اُس سے وضو جائز نہیں، خانیہ میں ہے:

توضأ بماء السیل یجوز وان کان ثخینا کالطین لا[3]۔ — اگر کسی نے سیلاب کے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے اور اگر کیچڑ کی طرح گاڑھا ہو تو جائز نہیں۔(ت)

اجناس امام ناطفی پھر حلیہ میں ہے:

التوضی بماء السیل ان لم تکن رقۃ الماء غالبۃ لایجوز[4]۔ — اگر پانی کی رقت غالب نہ ہو تو سیلاب کے پانی سے وضو جائز نہیں ہے۔(ت)

اقول علمائے کرام پر اللہ عزوجل کی رحمتیں احتیاط کے لیے ایسی نادر صورتیں بھی ذکر فرماتے ہیں ورنہ سیلاب کا ایسا ہونا بہت بعید ہے وہ اس سے تنبیہ فرماتے ہیں کہ جب اس قدر آبِ کثیر وغزیر اتنے اختلاط تراب سے ناقابلِ وضو ہوگیا تو برساتی ندیوں یا گھڑے لوٹے کے پانی کا کیا ذکر؟

(۲۲۴ تا ۲۵۱) کاہی آٹا چنے پھل بیلیں شنجرف یا کسم کی زردیاں کچ چونا ریشم کے کیڑے مینڈک وغیرہ غیر دموی جانور کے اجزا چنے باقلا وغیرہ ناج کے ریزے کوکنار روئی کے ذرّے صابون اُشنان ریحان بابونہ خطمی برگ کنار کچھ خواہ یہ چھ نظافت کے لیے پانی میں پکائے ہوئے غرض کوئی چیز حتی کہ برف جو اصل پانی ہے اگر پانی میں مل کر اُس کی رقت زائل کردے اُس سے وضو ناجائز ہوگا۔

عہ یعنی وُہ پانی جن کی صورت جواز جائزات میں گزری یہ صورتیں ان کے مقابل ہیں ۱۲ (م)

---

[1] ہدایہ — باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ — مطبع عربیہ کراچی — ۱/۱۸

[2] قاضی خان — فیمالایجوز بہ التوضی — نولکشور لکھنؤ — ۱/۹

[3] قاضی خان — 〃 — 〃 — 〃

[4] متن غنیۃ المستملی — احکام المیاہ — سہیل اکیڈمی لاہور — ص ۹۰

اقول وھذا ھو محمل ما فی خزانۃ المفتین عن شرح مجمع البحرین لایجوز الوضوء بماء الباقلی وماء الصابون وماء الاشنان[1] اھ کما ان الاول محمل اطلاق القدوری وغیرہ الجواز فی الصابون والاشنان غیر انہ حمل قریب لان المعھود ھو خلطھما قلیلا بحیث لایذھب الرقۃ وانما البعد فی ما فی شرح المجمع۔

میں کہتا ہوں خزانۃ المفتین میں جو شرح مجمع البحرین سے ہے اس کا محمل یہی ہے، اس کی عبارت یہ ہے کہ باقلی اور صابون اور اُشنان کے پانی سے وضوء جائز نہیں ہے اھ جیسا کہ اول قدوری وغیرہ کے اطلاق کا محل ہے ان کے اطلاق سے اشنان اور صابون کے پانی سے جواز معلوم ہوتا ہے، یہ حمل قریبی ہے کیونکہ عام طور پر یہ دونوں چیزیں کم مقدار میں ملائی جاتی ہیں کہ اس سے پانی کی رقت ختم نہیں ہوتی ہے' اور شرح مجمع میں جو ہے وہ بعید ہے۔ (ت)

ان پر اکثر نصوص ان کے مقابلات میں اپنے اپنے محل پر مذکور ہوئے اور خانیہ میں فرمایا،

لو وقع الثلج فی الماء وصار ثخینا غلیظا لایجوز بہ التوضوء لانہ بمنزلۃ الجمد وان لم یصر ثخینا جاز[2]۔

اگر برف پانی میں گر گئی اور پانی گاڑھا ہو گیا تو اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ یہ بمنزلہ جمد کے ہے اور اگر گاڑھا نہ ہو تو جائز ہے۔ (ت)

یہ برف کا نص ہے کہ اگر پانی کو گاڑھا کرے اس سے وضو نا جائز ہوگا جب تک پگھل کر پانی کی رقت عود نہ کرے اور گاڑھا نہ کرے تو جائز یہ نمبر (۲۵۲) ہُوا کہ جائزات میں اضافہ ہوگا۔

(۲۵۳ و ۲۵۴) جس پانی میں کوئی دوا یا غذا پکا کر تیار کی متون میں ہے لابما تغیر بالطبخ (نہ اس پانی سے جو پکانے سے متغیر ہو جائے۔ ت)

(۲۵۵ و ۲۵۶) یوں ہی چائے یا کافی جن کے پکانے سے پانی کی رقت میں فرق آئے اگرچہ ان سے سیلان نہیں جاتا رقت وسیلان کا فرق ضوابط میں مذکور ہوگا ان شاء اللہ قہوہ میں گاڑھا پن ضرور مشہود ہوا ہے اور اگر اُسے بھی پانی میں اثر کرنے سے پہلے نکال لیا تو جواز رہے گا لعدم الطبخ وبقاء الطبع کما فی ۱۱۰ یہ (۲۵۷) بھی جائزات میں زائد کیا جائے۔

(۲۵۸ تا ۲۶۲) عرق گاؤزبان گلاب کیوڑا بید مشک خوشبو ہوں یا اترے ہوئے یوں ہی

---

[1] خزانۃ المفتین

[2] قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

40

ہر عرق اوصاف میں پانی کے خلاف ہو یا موافق غرض جو بھی چیز پانی کی نوع سے نہیں جب پانی کی مقدار سے زیادہ اُس میں مل جائے بالاجماع اُس سے وضو نہ ہو سکے گا۔

اور اگر پانی کے برابر ملے جب بھی احتیاطاً عدمِ جواز ہی کا حکم ہے۔ بدائع میں فرمایا:

فان استویا فی الاجزاء لم یذکر ھذا فی ظاھر الروایۃ وقالوا حکمہ حکم الماء المغلوب احتیاطا[1] وقال فی الغنیۃ وکذا ان کانت مساویۃ احتیاطا حتی یضم الیہ التیمم عند المساواۃ[2]۔

اگر دونوں اجزاء میں برابر ہوں تو یہ چیز ظاہر روایت میں نہیں ہے، فقہائے فرمایا اس کا حکم احتیاطاً مغلوب پانی کا سا ہے۔ غنیہ میں کہا اور اسی طرح ہے جب وہ مساوی ہوں احتیاطاً حتی کہ جب دونوں برابر ہوں تو وضو کے ساتھ تیمم بھی کرلیا جائے اھ (ت)

اقول لم یسندہ لاحد ولم ارہ لغیرہ وفیہ نبوء عن القواعد فما اجتمع حاظر ومبیح الا غلب الحاظر ولا حکم للمغلوب وایضا اذا استویا فقد تعارضا واذا تعارضا تساقطا وایضا لیس تسمیتہ ماء باولی من تسمیۃ غیرہ فکیف ینطلق علیہ اسم الماء المطلق وما لیس بماء مطلق لا یصح الوضوء بہ اصلا والاشتغال بما لا یصح یکرہ تحریما کما فی الدر عن القنیۃ بل ھو اضاعۃ المال فیحرم تأمل وراجع وکانہ فھم من قولھم احتیاطا ان لھم شکا فی کونہ ماء فاحترزوا عنہ للاحتیاط فان لم یکن ماء لم یجز الوضوء بہ وان کان ماء لم یجز التیمم مع وجودہ

میں کہتا ہوں اس کو انہوں نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اور ان کے علاوہ کسی نے اس کو ذکر نہیں کیا، اور یہ قواعد سے دُوری ہے، جس چیز میں بھی حرام کرنیوالی اور مباح کرنیوالی دلیل جمع ہوجائے تو حرام کرنے والی غالب رہے گی اور مغلوب کا کوئی حکم نہ ہوگا اور جب دونوں برابر ہوں تو تعارض ہوگا اور ساقط ہوجائیگا، پھر اس کا پانی کہا جانا کسی دوسرے نام سے اولٰی نہیں ہے تو اس پر مطلق پانی کا نام کیسے بولا جائیگا اور جو مطلق پانی نہ ہو اس سے وضوء بالکل جائز نہیں اور جو چیز صحیح نہ ہو اس میں مشغولیت مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ دُر میں قنیہ سے ہے، بلکہ یہ تو مال کا ضائع کرنا ہے لہٰذا حرام ہوگا، اس پر غور کیجئے اور مراجعت کیجئے، اور شاید انہوں نے ان کے قول احتیاطاً سے یہ سمجھا کہ ان کو اس کے پانی ہونے میں شک ہے

---

[1] بدائع الصنائع — فصل فی الماء المقید — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵
[2] غنیۃ المستملی — فصل فی احکام المیاہ — سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

فیجمع بینھما خروجا عن العھدة بیقین فانه ان کان ماءً فقد توضأ وان لم یکن فقد تیمم کما فی سؤر الحمار للشك فی طھوریته ولیس کذلك بل الاحتیاط ھھنا بمعنی العمل باقوی الدلیلین لایستقیم لاحد ان یسمیه ماء مطلق فھو خارج عنه بالیقین من دون شك ولا تخمین واللہ تعالٰی اعلم۔

تو احتیاطاً اس سے انھوں نے پرہیز کیا ہے، اب اگر وہ پانی نہیں تو اس سے وضو جائز نہیں اور اگر پانی ہے تو اس سے تیمم جائز نہیں، تو تیمم اور وضو دونوں کو جمع کیا جائیگا تاکہ یقین سے فریضہ ادا ہوجائے، کیونکہ اگر درحقیقت پانی ہو تو وضو ہوگیا اور اگر پانی نہیں تو تیمم ہوگیا، جیسا کہ گدھے کے جھوٹے کا حکم ہے، کیونکہ اس کے طہور ہونے میں شک ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں احتیاط یہ ہے کہ اقوی الدلیلین پر عمل ہوجائے، کوئی اس کو مطلق پانی نہیں کہتا یہ اس سے یقیناً خارج ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲۶۳ تا ۲۶۶) **اقول** ایسی بے لون چیزیں اگر مزہ پانی کے خلاف رکھتی ہوں کہ نصف سے کم مل کر بدل دیں تو باتفاق منقول وضابطہ اُس سے وضو کا عدم جواز چاہیے۔

اما المنقول فلان العبرة بالطعم حیث لا لون واما الضابطة فلانھا ذوات وصف او وصفین وعلی کل یکفی تغیر وصف واحد فما مر عن البحر من العبرة بالاجزاء فی ماء لسان الثور وماء الورد المنقطع الرائحة ومثله فی الغنیة غیر مسلم فلیتنبه۔

رہی نقل دلیل تو اعتبار مزے کا ہے جہاں رنگ نہ ہو اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ دو وصفوں والی چیز ہے یا ایک وصف والی چیز ہے اور بہرصورت ایک وصف کا بدلنا کافی ہے اور بحر میں جو ہے کہ زبانِ ثور اور گلاب کے پانی میں جس کی خوشبو ختم ہوچکی ہو اجزاء کا اعتبار ہے، مسلم نہیں، فلیتنبہ۔ (ت)

نوعِ آخر ـــ مقابلات نوعِ آخر قسم اول

صنفِ اول ـ جامدات

(۲۶۷ تا ۲۷۵) نبیذ میں چھوہارے یا کشمش خواہ کوئی میوہ شربت میں شکر بتاسے مصری خواہ کوئی خشک شیرینی خیسا ندہ میں دوا رنگ میں کسم کیسر پڑیا روشنائی میں کسیس مازو خواہ اور اجزاء جب اتنے

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۹

ڈالیں کہ پانی اپنی رقت پر نہ رہے اس سے بالاجماع وضو ناجائز ہے۔ قدوری و ہدایہ ونقایہ وغیرہا عامۂ کتب میں ہے:

لابماء غلب علیہ غیرہ فاخرجہ عن طبع الماء[1]۔

نہ اس پانی سے جس پر غیر کا غلبہ ہو تو اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دے۔ (ت)

صنفِ دوم ــ مائعات

(۲۷۶ تا ۲۷۸) زعفران حل کیا ہُوا پانی یا شہاب اگر پانی میں مل کر اُس کی رنگت کے ساتھ مزہ یا بُو بھی بدل دے تو اُس سے بالاتفاق وضو ناجائز ہے۔

لتغیر اللون علی الحکم المنقول واکثر من وصف علی الضابطۃ۔

اس لیے کہ رنگ متغیر ہوگیا، اس حکم پر جو منقول ہوا، اور ایک وصف سے زاید بے ضابطہ پر۔ (ت)

یوں ہی پُڑیا حل کیا ہُوا پانی جب رنگ اور ایک وصف اور بدل دے۔

لانہ ان کان ذاالثلاثۃ کفی تغیر وصفین للوفاق فکیف اذا کان ذاوصفین۔

اس لیے کہ اگر وہ تین اوصاف والا ہو تو اس میں دو وصفوں کا تغیر کافی ہے اس پر اتفاق ہے تو پھر دو وصفوں کا کیا حال ہوگا؟ (ت)

(۲۷۹) تربوز کا شیریں پانی جبکہ پانی میں پڑ کر رنگ کے ساتھ اس کا ایک وصف اور بدل دے یہاں رنگ نہ رکھتا ہو تو مزے کا اعتبار ہے۔

وھو محمل قول الزیلعی والا فھو ذوالثلاثۃ کما ھو معلوم مشاھد وقال فی المنحۃ قال الرملی المشاھد فی البطیخ مخالفتہ للماء فی الرائحۃ وایضا فی البطیخ مالونہ احمر وفیہ مالونہ اصفر[2] اھ

اور یہی زیلعی کے قول کا مطلب ہے، ورنہ وُہ تین وصفوں والا ہے جیسا کہ مشاہد و معلوم ہے، اور منحہ میں فرمایا رملی نے کہا تربوز میں مشاہدہ یہ ہے کہ وہ بُو میں پانی کے مخالف ہوتا ہے اور بطیخ میں کچھ سرخ رنگ کے اور کچھ پیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ (ت)

اقول ای لون مائہ اذفیہ الکلام

میں کہتا ہوں اس سے مراد اس کے پانی کا رنگ ہے

---

[1] ہدایۃ الماء الذی یجوز بہ الوضوء العربیہ کراچی ۱/۱۸

[2] منحۃ الخالق مع البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

لالون عینہ۔ کیونکہ کلام اسی میں ہے اس سے مراد خود طبیخ کی ذات کا رنگ نہیں۔ (ت)

(۲۸۰) سپید انگور کا شیرہ جب پانی کے مزے پر اس کا مزہ غالب آجائے۔

لتغیر الطعم علی المنقول وھو ذو وصفین فیکفی تغیر واحد علی الضابطۃ فھذا ممالا یتأتی فیہ الخلاف فی شیئ من جانبی الجواز وعدمہ۔ کیونکہ مزہ کا تغیر ہے منقول کے مطابق، اور وہ دو وصفوں والا ہے تو ایک میں تغیر کافی ہے ضابطہ کے مطابق، یہ وہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں جواز و عدمِ جواز کے جانبین میں۔ (ت)

فانقلت بلی فان الحکم لایقتصر عند اھل الضابطۃ علی الطعم بل کذلک لوغلب الریح۔ اگر یہ کہا جائے کہ حکم اہلِ ضابطہ کے نزدیک مزہ پر موقوف نہیں بلکہ بُو کے غلبہ کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔ (ت)

اقول طعمہ اسرع عملا فلا یتغیر الریح مالم یتغیر۔ تو میں کہتا ہوں اس کے مزے کا عمل تیز تر ہوتا ہے تو جب تک مزہ نہ بدلے بُو نہیں بدل سکتی ہے۔ (ت)

(۲۸۱) سپید انگور کا سرکہ ملنے سے اگر پانی کا مزہ بدل گیا سرکہ کا مزہ اس پر غالب ہوگیا۔

لمامر ویأتی فیہ الخلاف کما یأتی (اس کا حکم گزرا اور اس میں اختلاف آتا ہے۔ ت)

(۲۸۲) رنگ دار سرکہ جب پانی میں مل کر رنگ اور بُو (اس لیے کہ عام سرکوں کی بُو قوی تر ہوتی ہے ۱۲منہ) دونوں بدل دے۔

لحصول اللون علی المنقول ووصفین علی الضابطۃ۔ منقول کے مطابق رنگ والا ہے اور ضابطہ کے مطابق دو وصفوں والا ہے۔ (ت)

(۲۸۳) ایسے سرکہ کا مزہ اقوی ہو تو جب اُس سے مزہ کے ساتھ رنگت بھی بدل جائے۔

(۲۸۴) جس سرکہ کا رنگ قوی تر ہو جب رنگ کے ساتھ ایک وصف اور بدل دے والوجہ قد علم (اس کی وجہ معلوم ہے۔ ت)

(۲۸۵) دودھ جب اس کا رنگ اور مزہ دونوں پانی پر غالب آجائیں۔

لان العبرۃ فی المنقول باللون وعند الزیلعی وکثیر من اتباعہ باحد وصفین اللون اس لیے کہ اعتبار منقول میں رنگ ہی کا ہے اور زیلعی کے نزدیک (نیز ان کے اکثر متبعین کے نزدیک)

والطعم وعند المحقق علی الاطلاق و صاحب الدرر بهما معاً فاذا تغیرا حصل الوفاق علی سلب الاطلاق۔

دو اوصاف میں سے ایک کا اعتبار ہے (یعنی رنگ یا مزہ)، اور محقق علی الاطلاق اور صاحبِ درر کے نزدیک دونوں کا ایک ساتھ اعتبار ہے، اب جبکہ دونوں وصف ہی بدل جائیں تو پانی کا اطلاق نہ ہونے پر اتفاق ہوجائے گا۔ (ت)

یہ ایک سو بائیس (۱۲۲)[1] وہ ہیں جن سے وضو بالاتفاق[2] ناجائز ہے یعنی نہ ہوسکتا ہے نہ اُس سے نماز جائز ہو واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

قسم سوم جن سے صحتِ وضو میں حکم منقول و مقتضائے ضابطۂ امام زیلعی کا خلاف ہے صنف اول خشک اشیا

(۲۸۶ و ۲۸۷) چھوہارے کے سوا کشمش انجیر وغیرہ کوئی میوہ بالاجماع الاماعن الامام الاوزاعی ان ثبت عنہ (مگر وہ جو امام اوزاعی سے مروی ہے اگر ان سے ثابت ہو۔ ت) اور مذہب صحیح معتمد مفتٰی بہ مرجوع الیہ میں چھوہارے بھی جبکہ تادیر تر کرنے سے پانی میں اُس میوہ کی کیفیت اس قدر آجائے کہ اب اُسے پانی نہ کہیں نبیذ کہیں اُس سے وضو نہیں ہوسکتا اگرچہ رقیق ہو، بدائع امام ملک العلماء میں ہے،

قیاس ما ذکرنا انہ لایجوز الوضوء بنبیذ التمر لتغیر طعم الماء وصیرورتہ مغلوبا بطعم التمر وبالقیاس اخذ ابویوسف وقال لایجوز التوضوء بہ الا ان اباحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ترک القیاس بالنص فجوز التوضوء بہ وروی نوح فی الجامع المروزی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ رجع عن ذلک وقال لایتوضوء بہ

جن چیزوں سے ہم نے وضو کے جائز نہ ہونے کا قول کیا ہے وہ نبیذِ تمر پر قیاس کی گئی ہیں، کیونکہ پانی کا مزہ بدل گیا ہے اور وہ کھجور کے مزہ سے مغلوب ہوگیا ہے، قیاس پر ابویوسف نے عمل کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اُس سے وضو جائز نہیں، اور امام ابوحنیفہ نے نص کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا اور اُس سے وضو کو جائز قرار دیا، اور نوح نے جامع مروزی میں ابوحنیفہ سے روایت کی کہ آپ نے اس سے رجوع

---

[1] ۱۶۰ کے بعد ۱۲۵ ہُوئے مگر ان میں تین نمبر ۲۲۱ و ۲۵۲، ۲۵۷ جائزات کے تھے لہذا ایک سو بائیس[122] رہے ۱۲ (م)

[2] یعنی ضابطۂ زیلعی اور اُن احکام کے اتفاق سے جو قول امام محمد پر مبنی ہیں جیسا کہ تنبیہ ضروری میں گزرا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

وھوالذی استقر علیه قوله کذا قال نوح وبه اخذ ابویوسف[1]

کرلیا اور فرمایا کہ اس سے وضو نہ کیا جائے اور ان کے اس قول پر اتفاق ہوا، یہی نوح کا قول ہے اور یہی ابویوسف نے لیا ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

وجب تصحیح الروایة الموافقة لقول ابی یوسف لان اٰیة التیمم ناسخة له لتاخرھا اذھی مدنیة وعلی ھذا مشی جماعة من المتأخرین[2]

اس روایت کی تصحیح جو ابویوسف کے قول سے مطابقت رکھتی ہے لازم ہے، کیونکہ آیۂ تیمم اس کو منسوخ کرنے والی ہے وہ مدنی ہونے کی وجہ سے متاخر ہے، اور متاخرین کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

ذکر نوح الجامع والحسن بن زیاد ان اباحنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه رجع الی انه یتیمم ولا یتوضوء کما ھو مختار ابی یوسف وقول اکثر العلماء منھم مالك والشافعی واحمد قال قاضی خان وھو الصحیح اھ[3]

نوح اور حسن بن زیاد نے ذکر کیا کہ ابوحنیفہ نے اس سے رجوع کرلیا اور فرمایا بجائے وضو کے تیمم کرنا چاہئے، یہی ابویوسف کا مختار ہے اور اکثر علماء مثلاً شافعی، مالک اور احمد کا قول ہے اور قاضی خان نے کہا یہی صحیح ہے اھ (ت)

غنیہ میں شرح جامع صغیر قاضی خان سے ہے:

روی اسد بن عمرو ونوح بن ابی مریم والحسن عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه انه رجع الی قول ابی یوسف والصحیح قول ابی حنیفة الاٰخر[4] اھ اقول فھذان متابعان قویان لنوح الجامع فزال ماکان

روایت کیا اسد بن عمرو اور نوح بن ابی مریم اور حسن نے ابوحنیفہ سے کہ انہوں نے ابویوسف کے قول کی طرف رجوع کرلیا اور صحیح ابوحنیفہ کا دوسرا قول ہے اھ میں کہتا ہوں یہ دو مضبوط تائیدیں نوح کے حق میں ہیں، اس سے ملک العلماء کی برأت کا خطرہ زائل ہوگیا، ملک العلماء

[1] بدائع الصنائع فصل الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵
[2] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ومالایجوزبہ نوریہ رضویہ سکھر
[3] حلیہ
[4] شرح جامع الصغیر لقاضی خان

يخشى من تبرى ملك العلماء اذ قال كذا قال نوح۔

نے فرمایا کذا قال نوح۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

لایتوضوء به هی الرواية المرجوع اليها عن ابی حنيفة رضی الله تعالٰی عنه وعليها الفتوى لان الحديث وان صح لكن اٰية التيمم ناسخة له اذ مفهومها نقل الحكم عند عدم الماء المطلق الى التيمم ونبيذ التمر ليس ماء مطلقا[1]۔

اس سے وضو نہ کیا جائے، یہ ابوحنیفہ کی وہ روایت ہے جس کی طرف رجوع کیا ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے کیونکہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن تیمم کی آیت اس کی ناسخ ہے کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب مطلق پانی نہ ہو تو حکم کو تیمم کی طرف منتقل کردیا جائے اور نبیذ تمر مطلق پانی نہیں ہے۔ (ت)

بحر میں ہے:

لایتوضوء به وهو قوله الاٰخر قد رجع اليه وهو الصحيح واختاره الطحاوى وبالجملة فالمذهب الصحيح المختار المعتمد عندنا عدم الجواز[2]۔

نبیذ سے وضو نہ کیا جائے، یہی امام ابوحنیفہ کا آخری قول ہے، انہوں نے اس کی طرف رجوع کرلیا تھا، یہی صحیح ہے اور اسی کو طحاوی نے اختیار کیا، خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک تصحیح شدہ، مختار، معتمد مذہب وضو کے عدم جواز کا ہے۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

هو قول ابی حنيفة الاٰخر[3]۔

یہی ابوحنیفہ کا آخری قول ہے۔ (ت)

ہندیہ میں عینی شرح کنز سے ہے:

الفتوى على قول ابی يوسف[4]۔

فتوٰی ابویوسف کے قول پر ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

يقدم التيمم على نبيذ التمر

تصحیح شدہ قول کے مطابق نبیذ تمر پر

---

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۲

[2] بحرالرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۳۷

[3] قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

[4] ہندیہ " " نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۳

علی المذھب المصحح المفتی بہ لان المجتھد اذا رجع عن قول لایجوز الاخذ بہ اھ[1] وقولہ یقدم ای یرجح ویختار ویؤثر فیفعلہ لا الوضوء بہ۔

تیمم کو مقدم کیا جائیگا، یہی صحیح مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، کیونکہ جب کوئی مجتہد کسی قول سے رجوع کرے تو اس پر عمل جائز نہیں، اور ان کا قول "مقدم کیا جائیگا" سے مراد یہ ہے کہ اسکو ترجیح دی جائیگی اور اختیار کیا جائیگا اور نبیذ سے وضو نہ کیا جائیگا۔ (ت)

بدائع میں ہے:

امانبیذ الزبیب وسائر الانبذۃ فلا یجوز التوضؤ بہا لان القیاس یأبی الجواز الا بالماء المطلق وھذا لیس بماء مطلق بدلیل انہ لایجوز التوضؤ بہ مع القدرۃ علی الماء المطلق الا انا عرفنا الجواز بالنص والنص ورد فی نبیذ التمر خاصۃ فبقی ما عداہ علی اصل القیاس[2]

نبیذ منقّٰی اور دوسرے نبیذوں سے وضو جائز نہیں کیونکہ قیاس کی رُو سے وضو صرف مطلق پانی سے ہو سکتا ہے اور یہ مطلق پانی نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مطلق پانی کے موجود ہونے کی صورت میں اس سے وضو جائز نہیں مگر ہمیں اس کا جواز نص سے معلوم ہوا ہے اور نص خاص نبیذ تمر کی بابت وارد ہوا ہے تو باقی نبیذوں پر قیاس کے مطابق ہی عمل ہوگا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لایجوز التوضی بما سواہ من الانبذۃ جریا علی قضیۃ القیاس[3]

دوسرے نبیذوں سے وضو قیاس کے مطابق جائز نہ ہوگا۔ (ت)

عنایہ میں ہے:

لا یجوز نبیذ الزبیب والتین وغیر ذلک[4]

منقّٰی، انجیر وغیرہ کے نبیذ سے وضو جائز نہیں۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

سائر الاشربۃ سوی نبیذ التمر لیس فی

نبیذ تمر کے علاوہ باقی نبیذوں سے وضو کے عدم جواز

---

[1] درمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۱
[2] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷
[3] ہدایہ الماء الذی یجوز بہ الوضوء عربیہ کراچی ۱/۳۲
[4] عنایہ مع فتح القدیر " " نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۵

عدم جواز التوضی بہ خلاف[1]۔

میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔(ت)

اسی طرح عامۂ کتب میں ہے۔

فان قلت من این قولك انکان رقیقا۔

اگر یہ سوال ہو کہ وانکان رقیقا تم نے کہاں سے لیا ہے ؛ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فقہائے کے اطلاقات سے مفہوم ہے ، اور وہم اس طرح دُور ہوجاتا ہے کہ

قلت لاطلاقھم ویقطع الوھم انھم صرحوا ان نبیذ التمر المختلف فی جواز الوضوء بہ ماکان رقیقا اما الغلیظ فلا ثم قالوا ولایجوز بما سواہ من الانبذۃ لان نبیذ التمر خص بالاثر فوضح قطعا ان المراد نفی التوضی بالرقیق منھا اما الغلیظ فمعلوم الانتفاء ولاتخالف فیہ بین نبیذ التمر وسائر الانبذۃ۔

فقہائے تصریح کی ہے کہ وہ نبیذ جس سے وضو کے ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے رقیق ہے اور گاڑھے میں کوئی اختلاف نہیں ، پھر فرمایا اس نبیذ کے علاوہ باقی نبیذوں سے جائز نہیں کیونکہ نبیذ تمر نص سے مخصوص ہے ، اس سے قطعی طور پر واضح ہوا کہ رقیق نبیذ سے وضو کی نفی مراد ہے کیونکہ گاڑھے میں تو اختلاف پہلے ہی نہیں تھا تو گاڑھے نبیذ میں نبیذ تمر اور باقی نبیذیں برابر ہیں ۔(ت)

بالجملہ نبیذ تمر سے مطلقاً وضو صحیح نہ ہونا مذہب صحیح معتمد مفتٰی بہ ہے اور باقی نبیذوں سے نہ ہونے پر تو اجماع ہے مگر ضابطہ زیلعیہ کا اقتضایہ ہے کہ جب تک رقت باقی ہے صحیح ہو لیکن یہ ہرگز صحیح نہیں کہ اسے نبیذ کہیں گے نہ کہ پانی تو نام آب باقی نہ رہنے کے سبب آب مطلق ہی سے جائز ہے و بس۔

وبیان ذلك انھا من الجامدات او ضابطۃ التقیید عندہ فی الجامد زوال الرقۃ فحسب قال رحمہ اللہ تعالٰی المخالط انکان جامدا فمادام یجری علی الاعضاء فالماء ھو الغالب[2] اھ وتبعہ فی الحلیۃ والدرر فاقتصرا علی ذکر الجریان۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ جامدات سے ہے اور ان کے نزدیک جامد میں تقیید کا ضابطہ یہ ہے کہ رقت زائل ہوجائے ، انہوں نے فرمایا اگر ملنے والی چیز جامد ہو تو جب تک وہ اعضاء پر بہہ سکے تو پانی ہی غالب ہوگا اھ اور حلیہ اور درر میں اس کی متابعت کی اور دونوں نے جاری ہونے کے ذکر پر اکتفاء کیا۔(ت)

اقول وکان البعد فیہ اکثر لان الجریان علی الاعضاء ھو السیلان والرقۃ اخص منہ کما سیاتی فکان یقتضی جواز الوضوء

میں کہتا ہوں اس میں بُعد زائد تھا کہ جاری ہونا اعضاء پر سیلان ہے اور رقت سیلان سے اخص ہے کما سیاتی تو اس کا مفہوم یہ نکلا کہ اگرچہ

---

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

وان زالت الرقة مع بقاء السیلان لکن الامام الزیلعی وبالنقل عنه الحلبی تدارکاہ بقولهما بعدہ فیحمل قول من قال ان کان رقیقا یجوز الوضوء به والافلا علی ما اذا کان المخالط له جامدا[1] اھ ویقرب منه قول المحقق فی الفتح والبحر فی البحر وغیرهما فان کان جامدا فبانتفاء رقة الماء وجریانه علی الاعضاء[2] اھ فجمعوا بینهما فابتنی الحکم علی انتفائهما معا وعاد المحذور الا ان یقال ان الواو بمعنی او وحینئذ یکون ذکر الجریان والسیلان بعد الرقة مستدرکا غیر انه قد شاع وذاع والخطب سهل فالاحسن عبارة الغنیة المعتبر فی صیرورة الماء مقیدا بمخالطة الجامد زوال رقته[3] اھ والبحر من بعد اذ قال فان کان المخالط جامدا فغلبة الاجزاء فیه بثخونته[4] اھ

رقت زائل ہوجائے اور سیلان باقی رہے تو وضوء جائز ہے، مگر امام زیلعی اور ان کی متابعت میں حلبی نے اس شبہ کا تدارک کرتے ہوئے فرمایا، تو جن حضرات نے فرمایا کہ اس سے وضو جائز ہے اگر رقیق ہو ورنہ نہیں اسکو اس صورت پر محمول کیا جائیگا کہ جب اس میں ملنے والی چیز جامد ہو اھ اور اسی کے قریب قریب محقق کا قول فتح میں اور صاحب بحر کا بحر وغیرہا میں ہے کہ اگر وہ شئ جامد ہے تو وضو اس وقت جائز نہ ہوگا جب پانی کی رقت ختم ہو جائے اور وہ اعضاء پر جاری نہ ہوسکے اھ تو فقہاء نے دونوں باتوں کو جمع کردیا اور حکم دونوں کے معاً انتفاء پر رہا، اور جو محذور تھا وہ لوٹ آیا، ہاں ایک صورت یہ ہے کہ واوٴ بمعنی اَو ہو اور اس صورت میں جریان اور سیلان کا ذکر رقت کے بعد اضافی ہوگا، لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے تو غنیہ کی عبارت بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی جامد چیز کے ملنے سے پانی کے مقید ہونے میں معتبر اس کی رقت کا زائل ہونا ہے اھ اور بحر نے اس کے بعد فرمایا کہ اگر ملنے والی چیز جامد ہو تو اس میں اجزاء کے غلبے کا پتا اس کے گاڑھا پڑجانے سے ہوگا اھ (ت)

وانت تعلم ان المدار الباب علی زوال الاسم کما اعترف به الامام الضابط بقوله زوال اسم الماء عنه هو المعتبر فی الباب اھ وبخلط الجامد ربما یزول

آپ کو معلوم ہے کہ اس سلسلہ میں مدار نام کے زائل ہونے پر ہے جیسا کہ امام نے اعتراف کیا ہے انہوں نے ضابطہ یہ بیان کیا کہ اس بات میں نام کا زائل ہونا ہی بہتر ہے اھ اور جب کوئی جامد شئ پانی میں ملتی ہے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ مطبعۃ الامیریہ مصر ۱/۲۰

[2] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

[3] غنیۃ المستملی فصل فی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

[4] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

الاسم قبل زوال الرقة کماء الزعفران الصالح للصبغ والنبیذ وقد صرحوا ان الاختلاف انما کان فی نبیذ التمر الرقیق قال فی الھدایۃ النبیذ المختلف فیہ ان یکون حلوا رقیقا یسیل علی الاعضاء کالماء[1] زاد فی الکافی فان کان غلیظا کالدبس لم یجز الوضوء بہ[2] اھ وفی البدائع وان کان غلیظا کالرب لایجوز التوضؤ بہ بلاخلاف وکذا ان کان رقیقا لکنہ غلا واشتد وقذف بالزبد لانہ صار مسکرا والمسکر حرام فلا یجوز التوضوء بہ ولان النبیذ الذی توضأ بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان رقیقا حلوا فلا یلحق بہ الغلیظ المر[3] وھکذا فی الحلیۃ والغنیۃ والبحر والدر وعامۃ الکتب بل فی العنایۃ النبیذ

تو رقت کے زائل ہونے سے قبل ہی نام زائل ہوجاتا ہے' جیسے زعفران کا پانی جس سے کوئی چیز رنگی جاسکتی ہو' اور نبیذ، اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اختلاف رقیق نبیذ میں ہے۔ ہدایہ میں ہے اختلاف اس میں ہے کہ نبیذ میٹھا اور پتلا ہو اور اعضاء پر پانی کی طرح بہتا ہو اھ کافی میں یہ اضافہ کیا کہ اگر وہ شیرہ کی طرح گاڑھا ہو تو اس سے وضو جائز نہیں اھ اور بدائع میں ہے کہ اگر نبیذ شیرہ کی طرح گاڑھا ہو تو بلا اختلاف اس سے وضو جائز نہیں ہے اور اسی طرح اگر رقیق ہے مگر اس میں اتنا جوش آگیا ہو کر جھاگ دے گیا ہو کیونکہ اب یہ مُسکر ہوگیا اور مسکر حرام ہے لہٰذا اس سے وضوء جائز نہیں، نیز یہ کہ جس نبیذ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تھا وہ رقیق اور میٹھا تھا لہٰذا کڑوا اور گاڑھا نبیذ اس کے حکم میں نہیں

ع: فی مسکین علی الکنز النبیذ المختلف فیہ ان یکون حلوا رقیقا یسیل علی الاعضاء کالماء اھ قال السید ابوالسعود ای والغلبۃ للماء لیوافق ما تقدم عن خزانۃ الاکمل فان لم یحل فلاخلاف فی جواز الوضوء بہ نھر اھ اقول سبحٰن اللہ اذا کان الغلبۃ للماء

مسکین علی الکنز میں ہے کہ وُہ نبیذ جس میں اختلاف ہے رقیق اور میٹھا ہے جو پانی کی طرح اعضاء پر بہتا ہو اھ ابوالسعود نے فرمایا یعنی غلبہ پانی کا ہو تاکہ خزانۃ الاکمل سے جو منقول ہوا اس کے موافق ہوجائے، کیونکہ اگر میٹھا نہ ہو تو اس سے وضوء کے جواز میں کوئی خلاف نہیں' نہر اھ میں کہتا ہوں سبحان اللہ جب پانی کا غلبہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] ہدایۃ الماء الذی یجوز بہ الوضوء مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۳۲
[2] کافی
[3] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

المختلف فیہ ذکر محمد فی النوادر ھوان تلقی تمیرات فی ماء حتی صار الماء حلوا رقیقا اھ[1] وزوال اسم الماء عنہ مقطوع بہ مجمع علیہ ولاجلہ صار المذھب المختار المعتمد عدم جواز الوضوء بہ الا تری ان فی قول الامام الاول المرجوع عنہ انما یجوز الوضوء بہ اذا لم یجد الماء ولا یجوز الا منویا واذا وجد ماء مطلقا ینتقض فھو فی کل ذلک کالتیمم ذکرہ فی العنایۃ والفتح والحلیۃ عن شرح الامام القدوری

ہوسکتا ہے، یہی حلیہ، غنیہ، بحر، در اور عام کتب میں ہے، بلکہ عنایہ میں ہے کہ مختلف فیہ نبیذ کے بارے میں محمد نے نوادر میں لکھا ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی جائیں حتی کہ وہ میٹھا پتلا ہوجائے اھ اور پانی کا نام اس سے قطعی طور پر ختم ہوجاتا ہے اس پر اجماع ہے، لہذا مذہب مختار معتمد یہ ہے کہ اس سے وضوء جائز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام کا پہلا قول جس سے انہوں نے رجوع کرلیا اس سے وضوء اُسی صورت میں جائز ہے جبکہ پانی نہ پائے، اور صرف نیت کے ساتھ ہی جائز ہوگا، اور جب مطلق پانی مل جائے تو یہ وضو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جاز الوضوء بہ بالاجماع کما مر فی ۱۱۶ وای حاجۃ الی النقل مع اجماع الشرع والعرف والعقل علی ان العبرۃ للغالب فکیف یکون مختلف فیہ وانما حقہ ان یقول ای الغلبۃ للتمر فانہ الذی کان الامام یعدل بہ عن سنن القیاس لورود الحدیث ثم نصب خلاف لایوافق قط ما فی خزانۃ الاکمل لانہ ارجع الاجوبۃ کلھا الی الاحکام الاجماعیۃ وقولہ ان لم یحل اقول وکذا ان حلا والماء غالب بعد ما تقدم فی ۱۱۶ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

ہوگا تو بالاجماع وضوء جائز ہوگا کما مر فی ۱۱۶ پھر اجماع کے ہوتے ہوئے کسی اور نقل کی کیا ضرورت ہے کیونکہ اجماع شرعی اور عرفی اور عقلی تینوں سے ثابت ہے کہ اعتبار غالب کا ہے، تو پھر یہ مختلف فیہ کیسے ہوگا؟ اسے یوں کہنا چاہئے کہ "یعنی غلبہ کھجوروں کا ہو کیونکہ اس میں امام نے قیاس سے عدول کیا ہے کیونکہ اس میں حدیث وارد ہے، پھر خلاف کا ذکر ما فی خزانۃ الاکمل سے بالکل موافقت نہیں رکھتا ہے، کیونکہ انہوں نے تمام جواب احکام اجماعیہ کی طرف راجع کردئے ہیں اور ان کا قول "ان لم یحل" میں کہتا ہوں اگر میٹھا بھی ہو تو اس کا حکم یہی ہے بشرطیکہ پانی غالب ہو جیسا کہ پانی کی قسم ۱۱۶ میں گزرا، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] عنایۃ مع الفتح مطلب الماء المقید نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۵

لمختصر الامام الکرخی عن اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنہم وقال فی الحلیۃ وجہ قول ابی یوسف ان اللہ تعالٰی اوجب التیمم عند عدم الماء المطلق ونبیذ التمر لیس بماء مطلق والالجاز الوضوء بہ مع وجود غیرہ من المیاہ المطلقۃ اھ[1] وتقدم مثلہ عن البدائع اقول وبہ ظہر الجواب عما تجشمہ الامام الزیلعی اذ قال اما قولہم لیس بماء مطلق قلنا ھو ماء شرعا الا تری الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماء طھور ای شرعا فیکون معنی قولہ تعالٰی فلم تجدوا ماء ای حقیقۃ او شرعا اھ[2] فیا سبحٰن اللہ انکان ھذا معنی الاٰیۃ فلم لم یجز الوضوء بہ مع وجود ماء اٰخر ومن اوجب الترتیب بین المائین بتقدیم اللغوی علی الشرعی اما احتجاجہ[عہ]

ٹوٹ جائیگا تو یہ تمام احکام میں شامل تیمم ہے، یہ عنایہ، فتح اور حلیہ میں شرح قدوری سے منقول ہے جو امام کرخی نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے اور حلیہ میں فرمایا ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے تیمم اس وقت واجب کیا ہے جب مطلق پانی نہ ہو اور نبیذ تمر مطلق پانی نہیں ہے ورنہ دوسرے مطلق پانیوں کے ہوتے ہوئے بھی اس سے وضو جائز ہو جاتا ہے اھ یہی بدائع سے گزر چکا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے امام زیلعی کی اس گفتگو کا جواب بھی نکل آتا ہے کہ ان کا قول "یہ مطلق پانی نہیں ہے" ہم کہتے ہیں یہ شرعاً پانی ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "پاک پانی" یعنی شرعاً تو اللہ کے قول "تم پانی نہ پاؤ" کا معنی ہوگا یعنی حقیقۃً اور شرعاً پانی نہ پاؤ، تو اگر آیت کے یہی معنی ہیں تو دوسرے پانی کے ہوتے ہوئے اس سے وضو کیوں جائز نہیں؟ اور جن حضرات نے دونوں پانیوں میں ترتیب کو لازم قرار دیا ہے،

[عہ] تبعہ فیہ المولی بحر العلوم فی الارکان الاربعۃ فقال قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم تمرۃ طیبۃ وماء طھور یفید ان النبیذ لم یخرج عن کونہ ماء بوقوع التمر فواجد النبیذ لایصدق علیہ انہ

بحر العلوم نے ارکان اربعہ میں ان کی پیروی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "تمرۃ طیبۃ وماء طھور" سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیذ پانی ہونے سے خارج نہیں ہوا ہے کھجور کے وقوع سے تو جس شخص کے پاس نبیذ ہو تو اس پر صادق

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] حلیہ

[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریۃ بولاق مصر ۱/۳۵

بقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماء طھور فاقول الحدیث من اولہ تمرۃ طیبۃ وماء طھور فانما ھو لبیان اجزائہ التی ترکب منھا لا الاخبار عنہ بانہ ماء والا لکان اخبارا ایضا بانھا تمرۃ وھو باطل لغۃ وعرفا وشرعا وفی صدر الحدیث قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ھل معک ماء اتوضؤ بہ قال لا الا نبیذ تمر لایقال انہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انما نفی الماء اللغوی لان السؤال کان عن الماء الشرعی لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتوضوء بہ الا ان یقال لم یکن عبد اللہ اذ ذاک یعلم انہ ماء شرعا وقد اعترف الامام الزیلعی نفسہ انہ نفی عنہ ابن مسعود اسم الماء[1] اھ اذا ثبت ھذا علم ان قصر الحکم فی الجامد علی زوال الرقۃ غیر صحیح وقد تنبہ لھذا البحر فی البحر فقال بعد ایراد الضابطۃ وھھنا تنبیھات مھمۃ۔

کہ لغوی کو شرعی پر مقدم کیا ہے اور ان کا استدلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "ماءٌ طھورٌ" سے تو اس کی بابت میں کہتا ہوں در اصل حدیث کی ابتدا اس طرح ہے "تمرۃ طیبۃ وماء طھور" تو یہ اس کے اجزاء ترکیبیہ کے بیان کے لیے ہے صرف اتنا بتانا مقصود نہیں کہ یہ پانی ہے ورنہ یہ بھی خبر ہوتی کہ یہ کھجور ہے اور یہ عرفاً لغۃً اور شرعاً ہر طرح باطل ہے اور حدیث کی ابتداء میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا "کیا تمہارے پاس پانی ہے" تاکہ میں اُس سے وضو کروں؟ انہوں نے کہا نہیں سوائے نبیذ تمر کے" یہ خیال نہ کیا جائے کہ حضرت عبد اللہ نے صرف لغوی پانی کی نفی کی تھی اس لیے کہ سوال شرعی پانی کی بابت تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا، تاکہ میں اس سے وضو کروں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبد اللہ کو اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شرعاً پانی ہے، اور خود امام زیلعی نے اعتراف کیا ہے کہ ابن مسعود نے اس سے پانی کی نفی کی ہے اھ جب یہ ثابت ہو گیا تو معلوم ہوا کہ جامد میں حکم کا زوالِ رقّت پر منحصر کر دینا صحیح نہیں ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لم یجد ماء فلا تعارضہ اٰیۃ التیمم حتی یکون ناسخا ھذا ما عندی اھ وکانہ لم یطلع علی کلام الامام الزیلعی رحمھما اللہ تعالٰی قدس سرہ۔

نہیں آتا کہ وہ پانی کا پانے والا نہیں ہے تو آیۂ تیمم اس کے معارض نہیں، تاکہ اس کو ناسخ قرار دیا جائے "ھذا ما عندی" اھ اور غالباً وہ امام زیلعی کے کلام پر مطلع نہ ہوئے۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریۃ بولاق مصر ۱/۳۵

الاول مقتضی ما قالوہ ھنا جواز التوضؤ بنبیذ التمر والزبیب ولو غیر الاوصاف الثلثۃ وقد صرحوا قبل باب التیمم ان الصحیح خلافہ وان تلک روایۃ مرجوع عنھا وقد یقال ان ذلک مشروط بما اذا لم یزل عنہ اسم الماء وفی مسألۃ نبیذ التمر زال عنہ اسم الماء فلا مخالفۃ کما لایخفی۔

الثانی انہ یقتضی ان الزعفران اذا اختلط بالماء یجوز الوضوء بہ مادام رقیقا سیالا ولو غیر الاوصاف کلہا لانہ من الجامدات والمصرح بہ فی معراج الدرایۃ معزیا الی القنیۃ ان الزعفران اذا وقع فی الماء ان امکن الصبغ فیہ فلیس بماء مطلق من غیر نظر الی الثخونۃ ویجاب عنہ بما تقدم من انہ زال عنہ اسم الماء اھ[2]

صاحب بحر کو بحر میں اس پر تنبیہ ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے ضابطہ کے بعد فرمایا، یہاں چند اہم تنبیہات ہیں:

تنبیہ اول: جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے اس کا مقتضی نبیذ تمر اور نبیذ منقی سے وضوء کا جواز ہے خواہ اوصاف ثلٰثہ ہی کیوں نہ بدل گئے ہوں، اور تیمم کے باب سے پہلے انہوں نے تصریح کی ہے کہ صحیح اس کے برخلاف ہے اور اس روایت سے رجوع کرلیا ہے، اور یہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس پر سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو، اور نبیذ تمر کے مسئلہ میں اس سے پانی کا نام زائل ہوگیا ہے تو کوئی مخالفت نہیں، کما لایخفی۔

تنبیہ ثانی: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زعفران جب پانی میں مل جائے تو اس سے اس وقت تک وضو جائز ہو جب تک وہ سیال و رقیق ہو خواہ اس کے تمام اوصاف بدل گئے ہوں، کیونکہ وہ جامدات سے ہے، اور معراج الدرایہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ اگر زعفران پانی میں ڈال دی جائے تو اگر اس سے رنگنا ممکن ہو تو وہ مطلق پانی نہیں ہے، اس میں گاڑھے پن کا کوئی اعتبار نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پانی کا نام زائل ہوگیا ہے اھ (ت)

وردہ اخوہ وتلمیذہ المحقق فی النھر کما فی ط بان الزیلعی لم یذکر ذلک وان ھذا التقیید لایجدی نفعا اھ[2] واجاب عنہ السید العلامۃ ابوالسعود الازھری

اس کو ان کے بھائی اور شاگرد محقق نے نہر میں رد کیا ہے جیسا کہ ط میں ہے کہ زیلعی نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے اور اس تقیید سے کچھ نفع نہ ہوگا اھ اس کا جواب علامہ ابوالسعود نے فتح اللہ المعین میں دیا ہے،

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰
[2] طحطاوی علی الدر باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۳

فی فتح اللہ المعین وتبعہ ط بان الکلام فیما اذا لم یزل عنہ اسم الماء کما ذکرہ الزیلعی فتنظیر النھر ساقط وما ذکر فی البحر من الجواب ماخوذ من صریح کلام الزیلعی[1]۔

فھؤلاء ثلثۃ اجلاء اختلف انظارھم فی کلام الامام الزیلعی اما الاخوان العلامتان فاتفقا علی ان الزیلعی لم یذکر فی الجامد قید بقاء الاسم غیر ان البحر یقول انہ مطوی منوی فالمعنی ان کان جامدا فما دام باقیا علی رقتہ فالماء ھو الغالب بشرط ان لا یزول عنہ اسم الماء والنھر یقول انہ لم یذکرہ کما تری ولم یردہ لانہ لا یجدی نفعا واما السید فزعم انہ مذکور فی صریح کلام الزیلعی وان کلامہ انما ھو فیہ وان البحر انما اخذہ منہ۔

اور اس کی پیروی "ط" نے کی ہے کہ گفتگو اس میں ہے جس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو جیسا کہ زیلعی نے ذکر کیا ہے' تو نہر کا نظیر دینا ساقط ہے درست نہیں، اور جو جواب بحر میں ہے وہ زیلعی کے صریح کلام سے ماخوذ ہے۔ (ت)

تو یہ تین جلیل القدر علماء ہیں جن کی آراء زیلعی کے کلام کی بابت مختلف ہیں، دونوں برادران اس پر متفق ہیں کہ زیلعی نے جامد میں نام کے بقا کی قید ذکر نہیں کی ہے، البتہ بحر کہتے ہیں یہ نیت میں مضمر ہے، تو معنی یہ ہے کہ اگر وہ جامد ہے تو جب تک وہ رقیق ہے تو پانی ہی غالب ہے بشرطیکہ اس سے پانی کا نام زائل نہ ہو، اور نہر کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور اس کو انہوں نے ارادہ نہیں کیا ہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں، اور سید کا گمان ہے کہ یہ زیلعی کے کلام میں صریحاً مذکور ہے اور ان کا کلام اسی میں ہے اور بحر نے اُسی سے اخذ کیا ہے۔ (ت)

ھکذا اختلفوا وانا انقل لك کل کلام الزیلعی لیتجلی لك جلیۃ الحال قال رحمہ اللہ تعالی بعد ما نقل اقوالا متخالفۃ ھکذا جاء الاختلاف فلابد من ضابط وتوفیق فنقول ان الماء اذا بقی علی اصل خلقتہ ولم یزل عنہ اسم الماء جاز الوضوء بہ وان زال وصار مقیدا لم یجز والتقیید اما بکمال الامتزاج او بغلبۃ الممتزج فکمال الامتزاج بالطبخ بطاھر لا یقصد بہ التنظیف او بتشرب النبات وغلبۃ الممتزج

اسی طرح انہوں نے اختلاف کیا ہے، اور اب میں زیلعی کا کلام نقل کرتا ہوں تاکہ بات پُوری طرح واضح ہوجائے، انہوں نے پہلے تو مخالف اقوال ذکر کئے' پھر فرمایا "اسی طرح اختلاف ہوا ہے، تو کوئی ضابطہ اور توفیق ضروری ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ پانی جب اپنی اصل خلقت پر ہو اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہوا ہو تو اس سے وضوء جائز ہے اور اگر نام زائل ہوجائے

---

[1] فتح اللہ المعین ابحاث الماء سعید کمپنی کراچی ١/٦٤

بالاختلاط من غیر طبخ ولاتشرب نبات
ثم المخالط ان جامدا فما دام یجری علی
الاعضاء فالماء الغالب وان مائعا فان لم
یکن مخالفا فی شیئ کالماء المستعمل تعتبر
بالاجزاء وان مخالفا فیها فان غیر اکثرھا
لایجوز الوضوء بہ والاجاز وان خالف فی
وصف او وصفین تعتبر الغلبۃ من ذلک
الوجہ کاللبن یخالفہ فی اللون والطعم
فان کان لون اللبن اوطعمہ ھو الغالب لم
یجز والاجاز وماء البطیخ یخالفہ فی الطعم
فتعتبر الغلبۃ فیہ بالطعم فعلی ھذا یحمل
ماجاء منھم علی مایلیق بہ فقول من قال
ان کان رقیقا یجوز والا لاعلی ما اذا کان
المخالط جامدا ومن قال ان غیر احد اوصافہ
جاز علی ما خالفہ فی الثلثۃ ومن قال اذا
غیر احد اوصافہ لایجوز علی ما خالفہ فی
وصف او وصفین ومن اعتبر بالاجزاء علی
ما یخالفہ فی شیئ فاذا نظرت وتاملت وجدت
ماقالہ الاصحاب لایخرج عن ھذا اووجدت
بعضھا مصرحا بہ وبعضھا مشارا الیہ[1] اھ
ھذا کل کلامہ قد لخصتہ ولم اخرم
منہ حرفا غیر ماذکر فی التشرب من الفرق
بین الخروج والاستخراج فانہ غیر صحیح

اور مقید ہوجائے تو جائز نہیں، اور تقیید یا تو کمالِ امتزاج
کے ساتھ یا ملی ہُوئی چیز کے غلبہ کے ساتھ ہوگی تو کمالِ امتزاج
یہ ہے کہ پانی میں ایسی پاک چیز ڈال کر پکائے جس سے
تنظیف مقصود نہ ہو یا گھاس میں پانی جذب ہوجائے
اور ملی ہُوئی چیز کا غلبہ یہ ہے کہ پانی کا اختلاط بلا پکائے ہو
اور گھاس میں پانی جذب کیے بغیر ہو پھر ملنے والی چیز اگر
جامد ہو تو جب تک وہ اعضاء پر بہے تو پانی غالب ہوگا،
اور اگر ملنے والی چیز بہنے والی ہے تو وہ اگر کسی چیز میں
پانی کے مخالف نہیں ہے، جیسے مستعمل پانی تو غلبہ کا
اعتبار اجزاء سے ہوگا، اور اگر وہ پانی کے مخالف ہو تو اگر
اکثر اوصاف کو بدل دے تو اس سے وضوء جائز
نہیں ورنہ جائز ہے، اور اگر ایک یا دو وصفوں میں مخالف
ہے تو اسی وجہ سے غلبہ معتبر ہوگا، جیسے دودھ کہ پانی کے
مخالف ہے رنگ اور مزے میں، تو اگر دودھ کا رنگ
یا مزہ غالب ہو تو وضوء جائز نہیں ورنہ جائز ہوگا۔ اور
خربوزہ کا پانی، پانی سے صرف مزہ میں مختلف ہے تو
اس میں غلبہ باعتبار مزہ ہوگا، لہذا فقہاء کی نصوص
کو انہی مفاہیم پر محمول کرنا چاہئے جو اس کے لائق ہوں،
اب جو یہ کہتا ہے کہ اگر وہ رقیق ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں،
تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ملنے والی اگر جامد ہے تو یہ
حکم ہے۔ اور جو کہتا ہے کہ اگر اس کے اوصاف میں سے
کسی وصف کو بدل دیا تو جائز ہے، یہ اس صورت میں
ہے جبکہ وہ چیز پانی کے ساتھ تینوں وصفوں میں مخالف ہے،

ولایتعلق به الغرض ھہنا۔

اور جو کہتا ہے کہ جب اس کے اوصاف میں سے ایک وصف کو بدل دے تو جائز نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز پانی سے ایک یا دو وصفوں میں مخالف ہے، اور جس نے غلبہ باعتبار اجزاء لیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ چیز پانی کے ساتھ کسی چیز میں مخالف نہ ہو، تو جب آپ غور کریں گے تو اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جو کچھ اصحاب نے فرمایا ہے وہ اس بیان سے خارج نہیں، ان میں سے بعض امور تو کتب میں بصراحت مذکور ہیں اور بعض کا ذکر اشارۃً ہے اھ یہ ان کا مکمل کلام ہے جو بلاکم وکاست میں نے نقل کر دیا ہے، صرف تشریب میں جو فرق خروج واستخراج میں ہے، وہ صحیح نہیں، اور نہ ہی اس سے کوئی غرض یہاں متعلق ہے (ت)

اقول فقد بان لك من کلامہ ثلثۃ امور الاول لم یذکر فی کلامہ تقیید حکم الجامد ببقاء الاسم حتی بالاشارۃ فضلا عن التصریح انما قال مادام یجری علی الاعضاء فالماء غالب ای مطلق غیر مقید فھذا کما تری مطلق غیر مقید ثم اذا اتی علی تطبیق الضابطۃ علی الروایات المختلفۃ حمل علی الجامد قول من قال ان کان رقیقا یجوز والا لا والقول فی الاصل مرسل وفی الحمل مرسل ارسالا فمتی جنح الی التقیید وکذلك تلونا علیك کلام الاخذین عنہ اصحاب الفتح والحلیۃ والغنیۃ والدرر ونور الایضاح حتی البحر الذی ابدی ھذا التقیید لم یلم احد منھم فی تلخیص الضابطۃ الیہ لاجرم ان صرح الشامی بانہ من زیادات البحر الثانی ذکر رحمہ اللہ تعالٰی اولا اصلا مجمعا علیہ ان الوضوء انما یجوز بالماء المطلق وھو الذی لم یزل عنہ طبعہ

میں کہتا ہوں اُن کی گفتگو سے آپ کو تین باتیں معلوم ہوئیں،

اول: ان کے کلام میں جامد کے حکم کو نام کی بقاء سے مقید کرنے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے صراحت تو الگ رہی اشارہ تک نہیں، انہوں نے صرف یہ فرمایا ہے کہ جب تک وہ اعضاء پر جاری رہے تو پانی غالب ہے یعنی مطلق ہے مقید نہیں، تو جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں یہ مطلق ہے مقید نہیں، پھر جب وہ ضابطہ کو مختلف روایات پر منطبق کرنے لگے، تو جن لوگوں نے کہا ہے کہ اگر رقیق ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں انکے اس قول کو جامد پر محمول کیا ہے حالانکہ یہ قول مطلق ہے اور حمل میں بھی مرسل ہے تو قید لگانے کی طرف کب مائل ہُوئے ہ، اسی طرح ہم نے اُن حضرات کا کلام بھی نقل کر دیا جنہوں نے اس سے لیا ہے یعنی فتح، حلیہ، غنیہ، درر اور نور الایضاح کے مصنفین، یہاں تک کہ صاحب بحر جنہوں نے یہ قید لگائی، ان میں سے کسی نے ضابطہ کا خلاصہ یہ نہیں کیا، اس لیے شامی نے تصریح کر دی کہ یہ زیادات بحر سے ہے۔

دوم: پہلے تو انہوں نے ایک متفق علیہ اصل

ولا اسمه دون المقید الزائل عنه اسمه۔

ذکر کی اور وہ یہ کہ وضو مطلق پانی سے جائز ہوتا ہے، اور مطلق پانی وہ ہے جس کی طبیعت اور نام زائل نہ ہوا ہو نہ کہ مقید پانی سے جس کا نام زائل ہوگیا ہو۔ (ت)

اقول ولم یذکر الطبع لان زوال الطبع یوجب زوال الاسم فذکرہ اولا ایضاحا وحذفه اخرا اجتزاء فهذا القدر مما لاخلاف فیه لاحد انما الشان فی معرفة المطلق والمقید ای معرفة انه متی یزول الاسم فیحصل التقیید فتشمر لاعطاء ضابطة فی ذلك تتمیز بها مواضع زوال الاسم عن محال بقائه فقال التقیید باحد امرین کمال الامتزاج او غلبة الممتزج الخ فلا شك ان کلامه فیما لم یزل عنه اسم الماء کما ذکرہ السید لانه مسوق لبیان ما یحصل به التقیید والتقیید انما یکون للمطلق فان تقیید المقید تحصیل الحاصل وما المطلق الا ما لم یزل عنه اسم الماء ففیه الکلام وما کان انکرہ احد لکنه لایدفع الایراد بل انما منه منشؤہ فانه افاد ان الماء المطلق لایتقید فی خلط الجامد الا بالثخونة والحکم خلافه فانه ربما یتقید قبل ان یثخن کما فی الزعفران والنبیذ وثبوت الحصر **اولا** بالقصر کما علمت **واقول ثانیا** محال ان یزول اسم الماء عنه مع بقاء رقته الا بتغیر وصف لانه اذا بقی طبعه واوصافه

میں کہتا ہوں انہوں نے طبیعت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ طبیعت کے زائل ہونے سے نام بھی زائل ہو جاتا ہے تو پہلے بطور وضاحت ذکر کیا ہے، اور بعد میں اختصاراً حذف کیا ہے، اور اس میں کسی کا خلاف نہیں، مسئلہ در اصل مطلق و مقید کی پہچان کا ہے، یعنی یہ جاننے کا ہے کہ کب نام زائل ہوگا اور تقیید حاصل ہوگی، تو انہوں نے ایک ضابطہ بیان کیا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کب زائل ہوگا اور کب باقی رہے گا، تو فرمایا تقیید دو امر میں سے کسی ایک سے ہوگی، یا تو کمال امتزاج یا ملنے والی چیز کے غلبہ سے الخ تو اس میں کچھ شک نہیں کہ ان کا کلام اس پانی میں ہے جس سے پانی کا نام زائل نہیں ہوا ہے جیسا کہ سید نے ذکر کیا اس لیے کہ یہ کلام اُس چیز کے بیان کے لیے ہے جس سے تقیید پیدا ہوتی ہے اور تقیید تو مطلق کی ہوتی ہے کیونکہ مقید کی تقیید تو تحصیل حاصل ہے، اور مطلق تو وہی ہے جس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو، تو گفتگو اسی میں ہے اور اس کا کسی نے انکار نہیں کیا، مگر اس سے اعتراض مرتفع نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس سے قوی پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ مطلق پانی جامد کے ملنے سے تب ہی مقید ہوگا جبکہ گاڑھا ہو جائے حالانکہ حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ بسا اوقات وہ گاڑھا ہونے سے پہلے ہی مقید ہو جاتا ہے جیسا کہ زعفران اور نبیذ۔ اور حصر کا ثبوت اولاً تو یہ ہے کہ اس میں قصر ہے

فزوال اسمه عنہ یکون بغیر موجب وھو باطل اما اما امتزج بہ غیرہ مما لا یخالفہ عہ وصفا لہ مساویا لہ فی الاجزاء او اکثر فانما یزول فیہ اسم الماء عن الکل المرکب من الماء وغیرہ المساوی لہ او الغالب علیہ لا عن الماء الذی فیہ حتی لو امکن افراز الماء عن ذلك المخالط لکان ماء جائزا بہ الوضوء وھو رحمہ اللہ تعالٰی لم یذکر فی الجامد غیر الثخونۃ و لم یعتبر فیہ الاوصاف انما اعتبرھا فی مقابلہ المائع والمقابلۃ تنافی الخلط فقد افاد قطعا ان لاغلبۃ فی الجامد بالاوصاف وقد افصح بہ الشرنبلالی فی تلخیص ضابطتہ اذ قال ولا یضر تغیر اوصاف کلھا[1] وما کان زوال الاسم الالاحد امرین زوال الرقۃ

جیسا کہ آپ نے جانا، اور میں ثانیا کہتا ہوں، یہ امر محال ہے کہ رقت کے باقی رہتے ہوئے اس سے پانی کا نام زائل ہو، اِلّا یہ کہ اس کا کوئی وصف متغیر ہوجائے اس لیے کہ جب اس کی طبیعت باقی ہو اور اس کے اوصاف باقی ہوں تو اس سے اس کے نام کا زائل ہونا بغیر موجب کے ہوگا اور یہ باطل ہے، اور جو غیر اس کے ساتھ مل جائے اور یہ غیر اُن چیزوں میں سے ہو جو کسی وصف میں اس پانی کے مخالف نہ ہو، اور وُہ غیر اس کے اجزاء میں مساوی ہو یا زیادہ ہو تو اس میں پانی کا نام کل مرکب سے زائل ہوجائیگا جو پانی اور اس کے غیر سے مرکب ہو اور اس کے مساوی ہو یا اس پر غالب ہو نہ کہ اُس پانی سے جو اس میں ہے، یہاں تک کہ اگر اس آمیزش سے پانی کا جدا کرنا ممکن ہوتا تو اس پانی سے وضو جائز ہوتا اور انہوں نے (رحمہ اللہ) جامد میں صرف گاڑھے پن کا ذکر کیا ہے، اور اس میں اوصاف کا اعتبار نہیں کیا ہے

عہ اقول ای ان وجد اما امثلوا بہ من ماء لسان الثور وماء الورد المنقطع الرائحۃ فلیس منہ للاختلاف فی الطعم وما مثلوا بہ من الماء المستعمل فھو بنفسہ علی تحقیقنا من الماء المطلق فکیف یجعل امتزاجہ بالمطلق المطلق مقیدا ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

میں کہتا ہوں یعنی اگر پایا جائے، اور لسان ثور اور گلاب کا پانی جس میں خوشبو نہ رہی ہو، کی مثالیں جو انہوں نے دی ہیں وہ اس سے نہیں ہے، کیونکہ مزہ کی تبدیلی میں اختلاف ہے، اور مستعمل پانی کی مثال جو دی ہے تو وہ خود ہماری تحقیق کے مطابق مطلق پانی ہے تو مطلق کو مطلق سے ملا کر مقید کیونکر کیا جا سکتا ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

---

[1] نور الایضاح کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۲

او تغیر الوصف وقد نفی هذا فی خلط الجامد فلم یبق الا الاول وظهر انه یقول لا یزول الاسم فیه بوجه من الوجوه ما دامت الرقة باقیة وهذا هو محل الایراد فاین المحیص نعم ذکر فی صدر الکلام لفظ زوال الاسم وهو انما هو تمهید ضابطة خارج عنها بیانا للمحوج الیها کما علمت فضلا عن ان یکون قیدا فی حکم الجامد۔

ان اوصاف کا اعتبار اس کے مقابل مائع میں کیا ہے اور مقابلہ ملاوٹ کے خلاف ہے، تو انہوں نے قطعاً یہ بات بتائی ہے کہ جامد میں اوصاف سے غلبہ نہیں ہوتا ہے، اور یہی بات شرنبلالی نے اپنے ضابطہ کے خلاف کہی ہے، انہوں نے کہا کہ اس کو تمام اوصاف کا متغیر ہوجانا مضر نہیں اھ اور نام کا زائل ہونا دو چیزوں میں سے ایک کی وجہ سے ہے، یا تو رقّت کا ختم ہونا یا وصف کا تبدیل ہونا اور یہ چیز جامد کے ملنے کی صورت میں نہیں، تو صرف پہلی صورت میں باقی رہے اور یہ ظاہر ہوگیا کہ وُہ کہتے ہیں جب تک رقت باقی رہے گی نام کسی طرح زائل نہ ہوگا، یہ اعتراض کی صورت ہے، تو چھٹکارے کی کیا سبیل ہوگی؟ ہاں ابتدائے کلام میں نام کے زائل ہونے کا ذکر کیا تھا، یہ ان کے ضابطہ کی تمہید ہے اس میں داخل نہیں، اس چیز کا بیان ہے کہ ضابطہ کی ضرورت کیوں محسوس ہُوئی؟ جیسا کہ آپ نے جان لیا، یہ جامد کے حکم میں قید نہیں۔ (ت)

فان قلت الیس قد قال قبل هذا تحت قول المختصر او بالطبخ ان زوال الاسم هو المعتبر فی الباب کما تقدم فکان صریح منطوقه الادارة علیه حیث کان **اقول بلی** وهو جملة القول فی الباب وما الضابطة الا لتفصیله وبیان انه متی یحصل وقد صرح فیها انه لا یحصل فی خلط الجامد الا بالثخونة فانی تنفع الادارة۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے اس سے قبل مختصر کے قول "او بالطبخ" کے تحت فرمایا تھا کہ اس باب میں نام کا زائل ہونا ہی معتبر ہے جیسا کہ گزرا، تو انہوں نے اسی چیز کو صریحاً مدار بنایا جہاں بھی یہ پایا جائے۔ میں کہتا ہوں یہ درست ہے اور اس باب کا خلاصہ یہی ہے، اور ضابطہ تو اس کے بیان اور تفصیل کے لیے ہے اور یہ بتانے کے لیے ہے کہ یہ صورت کب پیدا ہوتی ہے، اور انہوں نے اس میں تصریح کی ہے کہ یہ جامد کے مل جانے میں صرف گاڑھا ہونے سے حاصل ہوتی ہے، تو اس پر مدار رکھنا مفید نہیں۔

الثالث هو بصدد اعطاء ضابط یمیز بین المقید والمطلق وما الضابط الا ما یحیط بالصور فیجب ان یستوعب کلامه بیان کل ما یحصل به التقیید ای کل ما یزول به الاسم اذ لا تقیید الا به

سوم، وہ ایک ضابطہ بیان کرنا چاہتے ہیں جو مقید اور مطلق کے درمیان تمیز پیدا کردے اور ضابطہ وہی ہوتا ہے جو تمام صورتوں کا احاطہ کرے تو لازم ہے

فتقييد شیٔ من احكامه بان لايزول الاسم افساد لمقصوده واخراج للضابط عن ان يكون ضابطا وارجاع للتميز الى التجهيل، و للتفصيل الى التعطيل، فانه يؤل الى ان فی خلط الجامد بدون الثخونة لايزول الاسم بشرط ان لايزول الاسم وهو كلام مغسول، لايرجع الى طائل ومحصول، هذا معنى قول النهر انه لايجدی نفعا فتبين انه لامذكور ولا مطوی ولامنوی وان الحق فيه بيد النهر، وان هذا شیٔ سقط عن الفخر، فلقطه البحر، و ذكره فی تنبيه على حدة فجاء الدر فنظمه فی سلك الضابطة اذ قال فلو جامد افبثخانة ما لم يزل الاسم كنبيذ تمر[1] اھ ونعما فعل لانه صح الحكم وان انحلت عرى الضابطة، واحتاج مطلعها الى ضابط اخر يلقط له ساقطه، هكذا ينبغی التحقيق، والله تعالى ولی التوفيق، وكان الحری بنا ان نؤخر هذا البحث الى الفصل الرابع حيث نتكلم ان شاء الله تعالى على الضابطة ولكن الحاجة مست اليه ههنا كيلا يعتری احدا شك فيما نبدی من المخالفات بين الاحكام المنقولة وقضية الضابطة وبالله تعالى التوفيق۔

کہ ان کا کلام اُن تمام صورتوں کا احاطہ کرے جن سے تقیید پیدا ہوتی ہے یعنی وہ تمام صورتیں جن میں نام زائل ہوجاتا ہے کہ تقیید تو اسی سے حاصل ہوگی، تو اس کے احکام میں سے کسی کو اس سے مقید کرنا کہ نام زائل نہیں ہوا اس کے مقصود کو فاسد کرنا اور ضابطہ کو ضابطہ ہونے سے خارج کرنا ہے، اور بجائے اس کے کہ امتیاز پیدا ہو ابہام پیدا کرتا ہے، اور تفصیل کو ختم کرتا ہے، اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ جامد کی آمیزش میں گاڑھا نہ ہونے کی صورت میں نام زائل نہ ہو بشرطیکہ نام زائل نہ ہو، اور یہ کلام لغو بے فائدہ ہے، نہر کے قول کہ "یہ مفید نہیں" کا یہی مطلب ہے، یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ نہ تو کچھ مذکور ہے اور نہ منوی ہے اور اس بارے میں حق نہر کے ساتھ ہے اور یہ وہ چیز ہے جو فخر سے رہ گئی تھی اور بحر نے اس کو لیا تھا اور اس پر الگ تنبیہ کی تھی اور صاحبِ در نے اس کو ضابطہ کی شکل میں پیش کردیا، وہ فرماتے ہیں "اگر آمیزش جامد کی ہو تو دارومدار گاڑھا ہونے پر ہے جب تک نام زائل نہ ہو جیسے نبیذ تمر اھ اور انہوں نے یہ اچھا کام کیا ہے کہ حکم صحیح ہوگیا ہے اگرچہ اس سے ضابطہ ڈھیلا پڑگیا اور اس صورت میں ایک مزید ضابطہ کی حاجت ہوگئی، تحقیق کا یہ طریقہ ہونا چاہیے، ہمیں یہ بحث چوتھی فصل تک مؤخر کرنی چاہیے تھی جہاں ہم ضابطہ پر گفتگو کریں گے، مگر یہاں ضرورۃً بحث کرنا پڑی ہے تاکہ احکام منقولہ اور ضابطہ میں کسی کو شک وشبہ لاحق نہ ہوجائے وباللہ التوفیق۔ (ت)

---

[1] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

(۲۸۸) یُوں ہی شربت سے وضو ناجائز ہے شکر، بتاشے، مصری، شہد کسی چیز کا ہو نمبر ۸۵ میں ہدایہ وغیرہا کتابوں سے گزرا:

لا یجوز بالاشربۃ[1] (شربتوں سے وضو جائز نہیں۔ ت)

اس پر عنایہ و بنایہ و کفایہ و غایہ میں فرمایا،

ان اراد بالاشربۃ الحلو المخلوط بالماء کالدبس والشھد المخلوط بہ کانت نظیر الماء الذی غلب علیہ غیرہ[2]۔

اگر ان کی مراد "اشربہ" سے میٹھے شربت ہیں جیسے شیرہ اور شہد جو پانی میں ملے ہوں تو اس پانی کی نظیر ہے جس پر کوئی دوسری چیز غالب ہوگئی ہو۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے،

قال صاحب الفرائد المراد من الاشربۃ الحلو المخلوط بالماء کالدبس والشھد[3]۔

صاحب الفرائد نے فرمایا اشربہ سے مراد میٹھا شربت ہے جو پانی میں شامل ہوگیا ہو جیسے شیرہ اور شہد۔ (ت)

مگر اصحاب ضابطہ غیر بحر و دُرر پر لازم کہ اُس سے وضو جائز مانیں جب تک پانی کی رقت نہ زائل ہو اور یہ شربت میں عادۃً نہیں ہوتا شکر، بتاشے، مصری تو ظاہر ہیں اور یوں ہی شہد جبکہ جما ہوا ہو مگر یہ اُسی وجہ سے صحیح نہیں کہ شربت کو پانی نہیں کہتے نام بدل گیا تو اب مطلق نہ رہا۔

(۲۸۹) یُوں ہی دوا کا خیساندہ قابلِ وضو نہیں اگر گاڑھا نہ ہوگیا ہو کہ وہ دوا کہلائیگی نہ پانی مگر اہل ضابطہ پر جواز لازم۔

(۲۹۰ تا ۲۹۵) یونہی کسم، کیسر، رنگت کی پڑیاں جب پانی میں اس قدر ملیں کہ رنگنے کے قابل ہوجائے کتیس، مازو، روشنائی مل کر حرف کا نقش بننے کے لائق ہوجائے بحکم تجنیس و فتح القدیر و حلیہ و معراج الدرایہ و بحر الرائق و دُرمختار و قنیہ و ہندیہ و فتح اللہ المعین و امام جرجانی جن کی عبارات نمبر ۱۲۴ میں گزریں اُس سے وضو جائز نہیں کہ وہ رنگ یا سیاہی یا روشنائی کہلائے گا نہ پانی مگر بحکم ضابطہ جواز ہے خصوصاً پڑیا کا پانی کہ بہت کم مقدار میں ملائی جاتی ہے جس کا پانی کی رقت پر اثر نہیں ہوسکتا۔

اقول وھو وان کان ظاھر عامۃ الکتب

میں کہتا ہوں اگرچہ ظاہر عام کتب کا وہی ہے

---

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸
[2] الکفایۃ مع فتح القدیر " " مطبع نوریہ رضویہ
[3] ایضاً

کما مرثمہ لکن ھذا ھو قضیۃ الاصل المجمع علیہ الغیر المنخرم ان زوال الاسم یسلب الاطلاق واللہ تعالٰی اعلم۔

جو گزرا لیکن اس اصل کا یہی تقاضا ہے جس پر قطعی اجماع ہے کہ نام کے زائل ہونے سے اطلاق کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ (ت)

ہاں روشنائی وغیرہ کا گاڑھا پانی بڑے ضابطہ بھی قابلِ وضو نہیں۔

صنف دوم سیال اشیاء

(۲۹۶ تا ۲۹۸) **اقول** گلاب کیوڑا بید مشک بلاشبہ مزۂ آب کے خلاف مزہ رکھتے ہیں اور ان کی بُو قوی تر ہے گھڑے بھر پانی میں تولہ بھر اُسے خوشبُودار کر دیتا ہے اور مزہ نہیں بدلتا تو بحسب حکم منقول اُس سے وضو جائز رہے گا جب تک اس قدر کثرت سے نہ ملے کہ پانی پر اُس کا مزہ غالب آجائے مگر اہلِ ضابطہ کے نزدیک اُس سے وضو ناجائز ہونا لازم لانہ ذو وصفین وقد تغیر واحد (کیونکہ یہ دو وصفوں والا ہے اور ایک وصف بدل چکا ہے۔ ت) مگر یہ سخت بعید بلکہ بداہۃً باطل ہے عرفاً لغۃً شرعاً اُس گھڑے بھر پانی کو جس میں چند قطرے گلاب کے پڑے ہیں پانی ہی کہا جائے گا تو وہ یقیناً آبِ مطلق ہے اور اس سے بلاشبہ وضو جائز۔

(۲۹۹ و ۳۰۰) زعفران حل کیا ہوا پانی یا شہاب اگر اتنا ملے کہ پانی کا صرف رنگ بدلے تو حکم مذکور نمبر ۱۲۶ سے وہ پانی قابلِ وضو نہ رہے گا اور اہلِ ضابطہ جائز کہیں گے۔

لانھما من ذوات الثلثۃ فلا یکفی تغیر وصف واحد ولونھما اقوی اوصافھما فیعمل قبل ان یعمل الباقیان۔

کیونکہ یہ تین اوصاف والا ہے تو اس میں ایک کا تغیر کافی نہ ہوگا اور اس کے اوصاف میں سے رنگ قوی تر ہے تو باقی دو کے مؤثر ہونے سے قبل ہی یہ مؤثر ہو جائیگا۔ (ت)

(۳۰۱) یوں ہی پڑیا حل کیا ہوا پانی پانی میں پڑ کر صرف رنگت بدل دے تو کتبِ مذکورہ کے حکم سے قابلِ وضو نہیں اور اہلِ ضابطہ کے نزدیک بھی ناجائز ہے اگر پڑیا کسی قسم کی بُو نہ رکھتی ہو ورنہ جائز کہیں گے۔

(۳۰۲) آب تربوز سے جب پانی کا صرف مزہ بدلے خود اہلِ ضابطہ نے عدمِ جوازِ وضو کی تصریح کی کما مر فی ۱۲۸ مگر اُن کا ضابطہ جواز چاہتا ہے۔

لانہ ذو الثلثۃ فلا یکتفی بوصف وطعمہ اغلب اوصافہ فلا یستلزم غلبتہ غلبۃ احد الباقیین۔

کیونکہ یہ تین وصفوں والا ہے، تو ایک وصف پر اکتفاء نہ کیا جائے گا، اور اس کا مزہ اس کے اوصاف میں قوی تر ہے تو اس کے غلبہ سے دوٗ

باقیماندہ وصفوں میں سے کسی ایک کا غلبہ لازم نہیں آئے گا۔ (ت)

(۳۰۳) سپید انگور کے سرکہ کی جب صرف بُو پانی میں آجائے غالب نہ ہو بحکم بدائع منقول نمبر ۱۲ قابل وضو ہے مگر بر بنائے ضابطہ جائز نہ چاہئے لانہ ذو وصفین وقد تغیر احدھما (کیونکہ یہ دو وصفوں والا ہے اور ایک وصف بدل چکا ہے۔ ت)

(۳۰۴) سرکہ کہ رنگ بھی رکھتا ہے اور اُس کی بُو سب اوصاف سے اقوٰی ہے اگر پانی میں اُس کا مزہ اور بُو آجائے اور رنگ نہ بدلے بحکم منقول مصرح امام ملک العلماء و امام اسبیجابی و امام فخر الدین زیلعی و نجم الدین زاہدی وزاد الفقہاء و امام ابن امیر الحاج حلبی مذکور نمبر ۱۲ قابلِ وضو ہے مگر اتباعِ ضابطہ نے عدمِ جواز کی تصریح کی، غنیہ میں ہے :

انکان یخالفہ فی الاوصاف کلھا کالخل فالمعتبر غلبۃ اکثرھا[1]۔

اگر وُہ پانی کے تمام اوصاف میں اس کے مخالف ہے جیسے سرکہ تو معتبر ان میں سے اکثر کا غالب ہونا ہوگا۔ (ت)

نور الایضاح و مراقی الفلاح میں ہے :

الغلبۃ توجد بظھور وصفین من خل لہ لون وطعم وریح ای وصفین منھا ظھرا منع صحۃ الوضوء ولو واحدا لایضر لقلتہ[2]۔

سرکہ کے وصفوں میں سے دو کے ظہور سے غلبہ پایا جائیگا کیونکہ اس کے تین اوصاف ہیں مزہ، رنگ اور بُو، کوئی سے دو وصف ان میں سے غالب ہوجائیں تو اس سے وضو نہیں ہوسکتا ہے اور اگر ایک وصف متغیر ہوا ہے تو کم ہونے کی وجہ سے مضر نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

فالغلبۃ بتغیر اکثرھا وھو الوصفان فلا یضر ظھور وصف واحد فی الماء من اوصاف الخل[3] اھ

تو اعتبار اکثریت کے تغیر کا ہے اور یہ دو وصف ہیں تو سرکہ کے صرف ایک وصف کا پانی میں ظاہر ہونا کچھ مضر نہ ہوگا۔ (ت)

اقول وقد کان ملک العلماء قدس سرہ احال الاصر اولا علی زوال الاسم

میں کہتا ہوں ملک العلماء نے پہلے تو مدار نام کے زائل ہونے پر رکھا تھا، اور یہی صحیح بھی تھا وہ فرماتے ہیں

---

[1] غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱
[2] مراقی الفلاح کتاب الطہارت الامیریۃ ببولاق مصر ص ۱۶
[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۴

وھی الجادۃ الواضحۃ حیث قال الماء المطلق اذا خالطہ شیئ من المائعات الطاھرۃ کاللبن و الخل ونقیع الزبیب ونحو ذلک علی وجہ زال عنہ اسم الماء بان صار مغلوبا بہ فھو بمعنی الماء المقید اھ لکن ثم عاد[1] الی اعتبار اللون فی مثلہ فقال متصلا بہ ثم ینظر ان کان یخالف لونہ لون الماء یعتبر الغلبۃ فی اللون۔[2]

مطلق پانی میں جب کوئی سیال شَے مل جائے جیسے دودھ، سرکہ، منقی کا پانی وغیرہ، اور اس سے پانی کا نام زائل ہوجائے کہ پانی مغلوب ہو تو اب یہ پانی مقید ہے اھ لیکن پھر وہ اس جیسی صورت میں رنگ کے اعتبار کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ اسی کے متصل فرماتے ہیں، پھر یہ دیکھا جائیگا کہ اگر اس کا رنگ پانی کے رنگ کے مخالف ہے تو رنگ میں غلبہ معتبر ہوگا۔

(۳۰۵) جس سرکہ کا مزہ رنگ و بُو سے اقوی ہو جب اس کے مزہ و بُو پانی پر غالب آئیں اور رنگ نہ بدلے بحکم مذکور ائمہ قابلِ وضو ہے اور ضابطہ مخالف۔

(۳۰۶) جس سرکہ کا رنگ غالب تر ہو جب اُس سے صرف رنگ بدلے تو اس کا عکس ہے یعنی بحکم ائمہ اُس سے وضو ناجائز اور ضابطہ مقتضی جواز۔

(۳۰۷) دُودھ سے جب پانی کا صرف رنگ بدلے بحکم ائمہ مذکورین قابلِ وضو نہیں اور عجب کہ امام زیلعی نے بھی اُن کی موافقت کی حالانکہ اُن کا ضابطہ مقتضی جواز ہے لانہ ذوالثلثۃ ولونہ اقوی فلا یکفی وصف واحد (کیونکہ یہ تین وصفوں والا ہے اور اس کے اوصاف میں رنگ قوی تر ہے تو ایک وصف پر اکتفاء نہ کیا جائیگا۔ ت) ہاں امام ابن الہمام و دُرر و قدوری و ہدایہ و عنایہ و عمدۃ القاری جانب جواز ہیں کما تقدم کل ذلک ۱۳۴ واللہ تعالٰی اعلم (اس کی پُوری بحث ۱۳۴ میں گزرچکی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

تکمیل جزئیات نامحصور ہیں بہتی ہوئی چیز کہ پانی سے کسی وصف میں مخالف ہے اس کے بارہ میں اس اختلاف و اتفاق کا ضابطہ ملاحظہ چند امور سے واضح:

(۱) اگر کوئی وصف نہ بدلے پانی بالاجماع قابلِ وضو ہے۔

عہ[1] سیأتی بحمد اللہ تعالٰی تحقیق السرفی ذلک فی سادس ضوابط الفصل الثالث ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

اس کی حکمت تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ میں آئے گی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] ایضاً

(۲) مخالفت اگر صرف رنگ یا مزہ میں ہے اور وہ بدل جائے بالاتفاق قابلِ وضو نہیں۔

تنبیہ : بدلنے سے کیا مراد ہے اس کی تحقیق اِن شاء اللہ العزیز فصل سوم میں آئے گی۔

(۳) اگر دو وصف میں مخالفت ہے اور دونوں بدل جائیں بالاتفاق عدمِ جواز ہے۔

(۴) اگر صرف رنگ و مزہ یا رنگ و بُو میں تخالف ہے اور رنگ بدلے تو بالاتفاق ناقابل ہے اور دوسرا بدلے تو بحکم منقول جواز اور بربُنائے ضابطہ ناجائز۔

(۵) اگر صرف مزہ و بُو میں اختلاف ہے اور مزہ بدلے تو بالاتفاق اور بُو بدلے تو صرف برُبنائے ضابطہ عدمِ جواز ہے منقول جواز۔

(۶) اگر تینوں وصف مختلف ہیں اور سب بدل جائیں بالاتفاق ناجائز۔

(۷) اگر اس صورت میں صرف مزہ یا بُو بدلے بالاتفاق جواز ہے اور فقط رنگ بدلے تو بحکم منقول ناجائز اور بحکم ضابطہ جواز۔

(۸) اسی صورت میں اگر رنگ و مزہ یا رنگ و بُو بدلیں بالاتفاق ناجائز اور مزہ و بُو بدلیں تو ضابطہ پر ناجائز اور منقول جواز۔

(۹) تخالف و تبدل دونوں کی جمیع صور کا احاطہ تو ان آٹھ میں ہوگیا، رہا یہ کہ تبدل کی کون سی صورت کہاں ممکن ہے اُس کا بیان یہ کہ جو ایک ہی وصف میں مخالف ہے ظاہر ہے کہ وہ تو اُسی کو بدل سکتا ہے اور اگر دو میں تخالف ہے تو تین صورتیں ہیں اول اقوی ہوگا یا دوم یا دونوں مساوی، یعنی بدلیں تو دونوں ایک ہی ساتھ بدلیں اُن میں آگا پیچھا نہیں اگر ایک اقوی ہے تو ایک کے تغیر میں اُسی کا تغیر ہوگا صرف دوسرے کو متغیر فرض نہیں کر سکتے ہاں دونوں کا بدلنا تینوں صورتوں میں ہو سکتا ہے۔

(۱۰) اگر تینوں وصف مختلف ہیں تو اس میں سات احتمال ہیں، اول اقوی ہو یا دوم یا سوم یا اول و دوم یا اول و سوم یا دوم و سوم یا سب مساوی جن میں ایک اقوی ہو تنہا ایک کے تبدل میں وہی مفروض ہو سکتا ہے اور دو کے تبدل میں ایک وہ ہونا ضرور۔ اُس کے بغیر باقی دونوں کا تنہا یا معاً تغیر فرض نہیں کر سکتے اور دو اقوے ہیں تو اُس میں نہ ایک کا تبدل ہو سکتا ہے نہ ایسے دو کا جن میں ایک وہ تیسرا ہو، ہاں تینوں بدل سکتے ہیں اور جہاں تینوں مساوی ہیں وہاں یہی صورت فرض ہو سکتی ہے کہ سب بدل جائیں یا کوئی نہ بدلے واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولٰنا محمد الکریم الاکرم وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ و بارك وسلم آمین والحمد للہ رب العٰلمین۔

فصل ثانی مطلق ومقید کی تعریف میں۔

یہاں عبارات علما مختلف آئیں،

اما لفظا او معنی ایضا فمنہا صحیح وخلافہ والصحیح منہا حسن واحسن فنذکرھا ومالہا وعلیہا لیتبین المنتجب من المجتنب، فیراعی معیارا فی کل مطلب، واللہ الموفق ماغیرہ رب۔

یا تو لفظاً یا معنیً بھی، ان میں سے کچھ صحیح ہیں اور کچھ اس کے برخلاف صحیح میں کچھ حسن اور کچھ احسن ہیں، تو اب ہم انہیں اور ان پر جو ابحاث ہیں انہیں ذکر کرتے ہیں تاکہ صحیح اور غلط ظاہر ہو تاکہ ہر بحث میں معیار کی رعایت کی جاسکے (ت)

اوّل مطلق وہ کہ شے کی نفس ذات پر دلالت کرے کسی صفت سے غرض نہ رکھے نہ نفیاً نہ اثباتاً قالہ فی الکفایۃ (یہ تعریف کفایہ میں ہے۔ ت) اور مقید وہ کہ ذات کے ساتھ کسی صفت پر بھی دال ہو، عنایہ میں ہے:

ان اللہ تعالٰی ذکر الماء فی الاٰیۃ مطلقا والمطلق مایتعرض للذات دون الصفات ومطلق الاسم ینطلق علی ھذہ المیاہ[1] اھ ای ماء السماء والاودیۃ والعیون والاٰبار ذکرہ مستدلا علی جواز التوضی بہا بقولہ تعالٰی وانزلنا من السماء ماء طھورا۔

اللہ تعالٰی نے آیہ مبارکہ میں پانی کو مطلق ذکر کیا ہے، اور مطلق وہ ہے جس میں صرف ذات کا ذکر ہو صفات کا نہ ہو، اور پانی کا مطلق نام انہی پانیوں پر بولا جاتا ہے اھ یعنی آسمان، وادیوں، چشموں اور کنوؤں کے پانیوں پر، اس کا ذکر وضو کے جواز کے سلسلہ میں کیا ہے فرمانِ الٰہی ہے وانزلنا من السماء ماءً طھوراً۔ (ت)

اقول ھذا ھو المطلق الاصولی ولیس مراداً ھٰہنا قطعا فانہ مقسم المقیدات وھذا قسیمہا وھو ینطلق علی جمیع المقیدات فیلزم جواز التوضی بہا بل المطلق ھٰہنا مقید بقید الاطلاق فی مرتبۃ بشرط لاشیئ ای مالم یعرض لہ مایسلب عنہ اسم السماء

میں کہتا ہوں یہ اصولی مطلق ہے اور وہ یہاں قطعاً مراد نہیں کیونکہ وہ مقیدات کا مقسم ہے اور یہ ان کا قسیم ہے اور یہ تمام مقیدات پر جاری ہے تو ان تمام سے وضو کا جواز لازم آتا ہے بلکہ مطلق یہاں بقید اطلاق مقید ہے اور بشرط لاشیئ کے مرتبہ میں ہے، یعنی اس کو جب تک ایسی چیز لاحق نہ ہو جو اس سے

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۰

المرسل ولاشك ان هذا متعرض لوصف زائد
على نفس الذات فالمطلق ههنا قسم من
المقيد وقسيم لسائر المقيدات وقد تنبه
لهذا السيد العلامة الشامی فنبه علیه بقوله
واعلم ان الماء المطلق اخص من مطلق
ماء لاخذ الاطلاق فيه قيدا ولذا صح اخراج
المقيد به واما مطلق ماء فمعناه ای ماء كان
فيدخل فيه المقيد المذكور ولا يصح ارادته
ههنا اھ[1] ووقع فی البحر بعد ما عرف المطلق
بما یاتی والمطلق فی الاصول هو المتعرض
للذات دون الصفات لا بالنفی ولا بالاثبات
كماء السماء والعين والبحر[2] اھ فقد كان
يفهم بالمقابلة انه ليس مرادا ههنا لكن
فی جعل المياه المطلقة مثالا له صرف الكلام
الى الايهام فالاحسن ما فی الكافی والبناية

مطلق پانی کا نام سلب کرلے، اور اس میں شک نہیں کہ
یہ نفس ذات پر ایک زائد وصف کی طرف اشارہ ہے،
تو مطلق یہاں مقید کی قسم ہے اور باقی مقیدات کا قسیم ہے
علامہ شامی نے اس کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا "جاننا
چاہیے کہ ماءِ مطلق، مطلق ماء سے اخص ہے کیونکہ
اس میں اطلاق کی قید ہے، اس لیے مقید کا اس سے
خارج کرنا درست ہے، اور مطلق ماء کے معنی ہیں کوئی
بھی پانی ہو تو اس میں مذکور مقید بھی داخل ہوگا، اور
یہاں اس کا ارادہ صحیح نہیں ہے اھ بحر میں مطلق کی
تعریف کے بعد ہے "مطلق اصول میں معترض ذات کو بیان
کرتا ہے نہ کہ صفات کو، نہ نفی سے نہ اثبات سے"، جیسے
آسمان، چشمہ اور دریا کا پانی اھ مقابلہ سے معلوم
ہوتا ہے کہ وہ یہاں مراد نہیں ہے لیکن مطلق پانیوں کی
اس کی مثال بنانا کلام میں ایہام پیدا کرنا ہے تو احسن
وہی ہے جو کافی، بنایہ اور مجمع الانہر میں ہے، ان

عہ وفی غاية البيان المراد هنا ما يفهم
بمجرد اطلاق اسم الماء والا فالمياه المذكورة
ليست بمطلقة لتقييدها بصفة وفی اصطلاح
اهل الاصول هو المتعرض للذات دون الصفة
اھ اقول لا وجود للمطلق فی الاعيان الا
فی ضمن المقيد فلا تخصيص للمياه المذكورة
۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

اور غایۃ البیان میں ہے کہ مراد یہاں پر وہ ہے جو محض
ماء کے نام کے اطلاق سے سمجھا جاتا ہے ورنہ مذکورہ
پانی مطلق پانی نہیں کیونکہ یہ پانی کسی صفت سے مقید
ہیں، اور اصولیین کے نزدیک مطلق وہ ہے جو صرف ذات
کو بتائے نہ کہ صفت کو اھ میں کہتا ہوں مطلق کا وجود
اعیان میں نہیں مقید کے ضمن ہی میں ہوتا ہے، تو مذکورہ
پانیوں میں تخصیص نہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۲
[2] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶

ومجمع الانھر اذ ذکروا المطلق الاصولی ثم قالوا وانما یرید ھھنا مایسبق الی الافھام[1] الخ

سب نے اصولی مطلق کا ذکر کیا ہے، پھر فرمایا ہے، یہاں وہی مراد جو ذہنوں کی طرف سبقت کرتا ہے الخ (ت)

دوم مطلق وہ کہ اپنی تعریف ذات میں دوسری شے کا محتاج نہ ہو اور مقید وہ کہ جس کی ذات بے ذکر قید نہ پہچانی جائے،

ذکرہ فی مجمع الانھر علی جھۃ التمریض فقال ویقال المطلق مالایحتاج فی تعریف ذاتہ الی شیئ اٰخر والمقید مالایتعرف ذاتہ الا بالقید[2] اھ

اس کو مجمع الانہر میں ناپسندیدہ قول کے طور پر بیان کیا ہے فرمایا اور کہا جاتا ہے کہ مطلق وہ ہے جو اپنی ذات کی تعریف میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں ہوتا ہے اور مقید وہ ہے جس کی ذات قید کے بغیر نہیں جانی جاتی ہے اھ (ت)

اقول وھو بظاھرہ افسد من الاول فان شیئا ما قط لایحتاج فی تعریف ذاتہ الی شیئ اٰخر ولکن المقصود انہ الباقی علی طبیعۃ الماء وصرافۃ المائیۃ لم یداخلہ مایخرجہ عن طبعہ اویجعلہ فی العرف مرکبا مع غیرہ فیصیر ذاتا اخری غیر ذات الماء لایطلق علیہ محض اسم الماء ولاتعرف ذاتہ باطلاقہ واوضح منہ قول الغنیۃ ھو مایسمی فی العرف ماء من غیر احتیاج الی تقیید فی تعریف ذاتہ[3] اھ وھو ماخوذ عن الامام حافظ الدین فی المستصفی کما سیاتی ان شاء اللہ تعالٰی۔

میں کہتا ہوں، یہ بظاہر پہلے سے بھی زیادہ غلط ہے کیونکہ کوئی چیز بھی اپنی ذات کی تعریف میں کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں ہوتی ہے، لیکن مقصود یہ ہے کہ وہی پانی کی طبیعت پر باقی ہے، اور پانی کی طبیعت میں کوئی ایسی چیز داخل نہیں ہوئی جو اس کو اس کی طبیعت سے خارج کرے یا عرف میں اس کے غیر کے ساتھ مرکب کردے تو وہ پانی کے علاوہ دوسری چیز بن جائے جس پر محض پانی کے نام کا اطلاق نہ ہو، اور اس کے اطلاق سے اس کی ذات نہ پہچانی جائے اور اس سے زیادہ واضح غنیہ کی عبارت ہے کہ وہ، وہ ہے جو عرف میں پانی کہلاتا ہے، اس کی ذات کی تعریف میں کسی تقیید کی حاجت نہ ہو اھ یہ تعریف امام حافظ الدین نے مستصفی میں کی ہے، جیسا آئیگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ (ت)

---

[1] مجمع الانہر تجوز الطہارۃ بالماء المطلق مطبعہ عامرہ مصر ۱/۲۷
[2] " " " "
[3] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۸

سوم مطلق وُہ کہ اپنی پیدائشی اوصاف پر باقی ہو، خزانۃ المفتین میں شرح طحاوی سے ہے:

ھو الباقی علی اوصاف خلقتہ[1] اقول ان ارید بالاوصاف الاوصاف الثلثۃ خاصۃ اومع الرقۃ والسیلان انتقض بنقوع الحمص والباقلا وما خلط بصابون واُشنان ولو طبخ بھما اویسیر ما دام باقیا علی رقۃ وکذا ما القی فیہ تمیرات فحلا ولم یصر نبیذ التغیر اوصافہا کلا اوبعضا مع جواز الوضوء بھا اتفاقا وکذا بما خلط بمائع موافق فی الاوصاف اکثر منہ اومساویا مع امتناع الوضوء بہ وفاقا فانتقض طرداوعکسا وان ارید الاعم اتسع الخرق فانتقض بنحو الحمیم ایضا۔

یہ وہ ہے جو اپنے پیدائشی اوصاف پر باقی ہے، میں کہتا ہوں اگر اوصاف سے محض اوصاف ثلثہ مراد ہیں، یا مع رقت وسیلان کے، تو اس پر چنوں اور باقلٰی کے پانی سے اعتراض ہے، اور اس پانی سے اعتراض ہے جس میں صابون اور اُشنان ملایا گیا ہو، اگرچہ ان دونوں کے ساتھ پکایا گیا ہو، یا تھوڑی سی کے ساتھ پکایا گیا ہو جب تک اس میں رقت باقی ہو، اور اسی طرح وہ پانی جس میں کھجوریں ڈالی گئی ہوں اور میٹھا ہوگیا ہو اور نبیذ نہ بنا ہو کیونکہ اسکے اوصاف میں کُلی یا جزوی تغیر پیدا ہوگیا ہے حالانکہ اس کے ساتھ وضو اتفاقاً جائز ہے اور اسی طرح وُہ پانی جو کسی مائع (سیال) سے مل گیا ہو جو پانی کے اکثر اوصاف میں اس کے مشابہ ہو یا مساوی ہو حالانکہ اس سے وضو اتفاقاً ناجائز ہے یہ طرداً وعکساً منتقض ہوگیا، اور اگر عام کا ارادہ کیا ہو تو نقض وسیع ہوجائیگا تو گرم پانی کی مثل سے بھی نقض وارد ہوگا۔ (ت)

چہارم مطلق وُہ کہ اپنی رقت وسیلان پر باقی ہو شلبیہ علی الزیلعی میں ہے:

الماء المطلق ما بقی علی اصل خلقتہ من الرقۃ والسیلان فلو اختلط بہ طاھر اوجب غلظہ صار مقیدا[2] اھ یحیی اھ

مطلق پانی جب تک ہے کہ اپنی اصل خلقت پر ہو، یعنی اس میں رقت اور سیلان باقی ہو اور جب اس میں کوئی پاک چیز مل کر اس میں گاڑھاپن پیدا کرے تو وہ مقید ہوجائیگا اھ یحیٰی اھ (ت)

اقول ھذا افسد وقد تضمن ماسبقہ الرد علیہ ویزید ھذا انتقاضا بما خلط بکل مائع لایسلبہ رقۃ وان

میں کہتا ہوں یہ اور بھی زائد فاسد ہے، اورگزشتہ بحث میں اس پر رد ہوچکا ہے اور اس پر یُوں بھی اعتراض وارد ہوتا ہے اُس کے ساتھ کہ

---

[1] طحاوی علی الدرالمختار باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۲
[2] شلبی علی التبیین کتاب الطہارت الامیریہ ببولاق مصر ۱/۱۹

غیر اوصافہ کاللبن والخل والعصیر و نحو ذلك۔

اس میں کوئی ایسی مائع شے شامل ہوجائے جو اس کی رقت کو ختم نہ کرے خواہ اُس کے دوسرے اوصاف میں تغیر پیدا کرے، جیسے دودھ، سرکہ، عرق وغیرہ۔ (ت)

پنجم مطلق وہ جس کے لیے کوئی نیا نام نہ پیدا ہوا، ہدایہ میں فرمایا:

قال الشافعی رحمہ اللّٰہ تعالٰی لایجوز التوضی بماء الزعفران واشباھہ ممالیس من جنس الارض لانہ ماء مقید الاتری انہ یقال ماء الزعفران بخلاف اجزاء الارض لان الماء لایخلو عنہا عادۃ ولنا ان اسم الماء باق علی الاطلاق الاتری انہ لم یتجدد لہ اسم علی حدۃ واضافتہ الی الزعفران کاضافتہ الی البئر والعین اھ[1]۔

امام شافعی نے فرمایا وہ اشیاء، جو زمین کی جنس سے نہیں ہیں جیسے زعفران کا پانی وغیرہ اُن سے وضو جائز نہیں، کیونکہ وہ مقید پانی ہے، اس لیے اس کو زعفران کا پانی کہتے ہیں، بخلاف زمینی اجزاء کے، کیونکہ عام طور پر کوئی پانی زمینی اجزاء سے خالی نہیں ہوتا ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے اور اس کا کوئی نیا نام وضع نہیں ہوا ہے اور اس کی اضافت زعفران کی طرف ایسی ہی ہے جیسے پانی کی اضافت کنویں یا چشمے کی طرف ہوتی ہے اھ (ت)

اقول ظاھرہ منتقض بالحمیم فقد حدث لہ اسم لم یکن فان قلت اسم الماء باق علیہ فالمراد ماتجدد لہ اسم مع انتفاء اسم الماء الاتری الی قولہ ان اسم الماء باق علی الاطلاق اقول اولا قولہ قدس سرہ لم یتجدد لہ مفصول عما قبلہ الاتری الی قولہ الاتری فقد جعلہ دلیلا علی بقاء الاسم لا ان بقاء الاسم ماخوذ فیہ وثانیا بقاء الاسم علی الاطلاق کاف علی الاطلاق لایحتاج بعدہ الی عدم حدوث ولایضر معہ الف حدوث فضمہ الیہ یجعلہ لغوا۔ ھذا ورد ہ الفاضل عصام فی حاشیتہ بانہ منقوض

میں کہتا ہوں بظاہر اس پر گرم پانی کا اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ اس پر ایک ایسا نام بولا جارہا ہے جو پہلے نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں بھی پانی کا نام باقی ہے تو مراد یہ ہے کہ جس کا نیا نام پڑگیا ہو اور پانی کا نام ختم ہوگیا ہو، چنانچہ انہوں نے فرمایا "پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے" میں کہتا ہوں اول تو ان کا قول "لم یتجدد لہ" ماقبل سے منفصل اور الگ ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے "الاتری" تو اس کو انہوں نے نام کے باقی رہنے پر دلیل بنایا ہے یہ نہیں کہ نام کا باقی رہنا اس میں ماخوذ ہے، ثانیاً نام کا علی الاطلاق باقی رہنا اطلاق کے لیے کافی ہے اس کے بعد وہ عدم حدوث کا محتاج نہیں اور اس کے ہوتے ہوئے ہزار حدوث بھی مضر نہیں، تو

---

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

بماء الباقلاء حیث لم یتجدد لہ اسم ولم یبق ماء مطلقا ثم قال والجواب ان المراد ھو الاستلزام الاکثری فان الغالب فی المقید تجدد الاسم کالخبز[علہ] والمرقۃ والصبغ ونحو ذلک بخلاف المطلق وھذا القدر کاف فی غرضنا اذ الاولی فی الفرد[علہ] الذی یشتبہ حالہ ان یلحق بالاکثر الاغلب اھ[۲] وتعقبہ العلامۃ سعدی افندی بقولہ لك ان تمنع الاکثریۃ الاتری الی ماء الورد وماء الھندباء وماء الخلاف واشباھھا اھ[۲]

اس کا اُس کے ساتھ ملا دینا اس کو لغو قرار دے گا۔ یہ عصام نے اپنے حاشیہ میں لکھا کہ اس پر باقلاء کے پانی سے اعتراض وارد ہوگا اس لیے کہ اس کا کوئی نام نیا نہیں پیدا ہوا اور مطلق پانی بھی نہ رہا، پھر فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ مراد استلزام اکثری ہے، کیونکہ مقید میں عام طور پر نام نیا ہو جاتا ہے، جیسے روٹی، شوربہ اور رنگ وغیرہ بخلاف مطلق کے، اتنی مقدار ہماری غرض میں کافی ہے، کیونکہ اولیٰ اُس فرد میں جس کا حال مشتبہ ہو یہ ہے کہ اس کو اکثر واغلب سے لاحق کیا جائے اھ اس پر علامہ سعدی آفندی نے تعاقب کیا، اور فرمایا اس میں اکثریت کے وجود کا انکار کیا جا سکتا ہے، جیسے گلاب کا پانی، کاسنی کا پانی، اور بید کا پانی اور اسی طرح دوسری اشیاء کا پانی اھ (ت)

اقول السؤال والجواب والتعقب کل ذلک نداء من وراء حجاب اما التعقب فلان کثرۃ ما یقال لہ ماء کذا لاتنفی اکثریۃ ما تجددت لہ الاسماء وھی معلومۃ قطعا بلا امتراء واما الجواب فاولا [ف۲] حاصل الجدل ان الامام الشافعی رضی اللہ

میں کہتا ہوں سوال وجواب اور تعقب، یہ سب پردے کے پیچھے پکارنا ہے، تعقب تو اس لیے کہ جن اشیاء کو کہا جاتا ہے کہ "فلاں چیز کا پانی" ان کی کثرت، اُن اشیاء کے اکثر ہونے کے منافی نہیں جن کے نام نئے پڑ گئے ہوں اور یہ بلاشبہ معلوم ہیں، اور جواب کی بابت اول تو یہ ہے کہ جھگڑے کا حاصل یہ ہے

علہ اقول من العجب عد الخبز من المیاہ المقیدۃ۔ (م)

میں کہتا ہوں بڑے تعجب کی بات ہے کہ روٹی کو مقید پانیوں میں شمار کیا ہے۔ (ت)

علہ ای فیلحق ماء الزعفران بالماء المطلق وماء الباقلاء لتبین حالہ بالمقید وان لم یتجدد لہ ایضا اسم اذ لا تلازم ان کل لا متجدد مطلق ۱۲ منہ غفرلہ۔

یعنی زعفران کے پانی کو مطلق پانی اور باقلی کے پانی سے ملحق کیا جائیگا تاکہ اس کا حال مقید سے جدا ہو جائے، اگرچہ اس کا بھی کوئی نیا نام نہیں پڑا ہے کیونکہ ہمارا یہ دعوٰی نہیں ہے کہ ہر وہ پانی جس کا نیا نام نہ ہو وہ مطلق ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[۱] حاشیہ سعدی چلپی مع الفتح القدیر نوریہ رضویہ سکھر ۶۳/۱
[۲] ایضاً ۶۴/۱

تعالٰی عنہ استدل علی کونہ ماءً مقیدًا بانہ یقال لہ ماء الزعفران فاحتاج الی التقیید وکل ما احتاج الی التقیید مقید و اجاب عنہ الشیخ قدس سرہ بمنع و معارضۃ اما المنع فقولہ و اضافتہ الی الزعفران الخ ای لانسلم ان کل اضافۃ للاحتیاج بل ربما یکون لتعریف شیئ وراء الذات کماء البئر والعین و اما المعارضۃ فقولہ ان اسم الماء باق الخ فاستدل علی الاطلاق ببقاء اسم الماء المطلق وعلی بقائہ بانہ لم یتجدد لہ اسم فلا بد من ضم الکلیۃ القائلۃ ان کل ما لم یتجدد لہ اسم فاسم المطلق باق علیہ فنقض المعترض الکلیۃ بماء الباقلاء و نحوہ ولایمسہ الجواب بالاکثریۃ لانتفاء التعدیۃ وثانیا اللازم من قولہ الغالب فی المقید تجدد الاسم اکثریۃ الاستلزام للتجدد من جہۃ التقیید ای اکثر المقیدات متجددات والنافع عہ لہ اکثریۃ الاستلزام للاطلاق من جہۃ عدم التجدد ای اکثر ما لم یتجدد لہ اسم فہو مطلق لیلحق ھذا الذی لم یتجدد لہ اسم بالاکثر الاغلب لکن لایلزم ھذا من ذلک بل یمکن ان یکون اکثر ما تقید تجدد

کہ امام شافعی نے اس کے مقید پانی ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس کو زعفران کا پانی کہا جاتا ہے تو اس میں قید کی ضرورت ہوئی اور ہر وہ چیز جس میں قید کی ضرورت ہو مقید ہوتی ہے تو اس کا جواب شیخ قدس سرہ نے منع اور معارضہ کے ساتھ دیا ہے۔ منع تو اس اعتبار سے، پس ان کا قول و اضافتہ الی الزعفران الخ یعنی ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ہر اضافت احتیاج کے لیے ہے، بلکہ اضافت کبھی کسی شے کی تعریف کے لیے ہوتی ہے، ذات کے علاوہ جیسے کنویں کا پانی چشمے کا پانی، باقی رہا معارضہ تو ان کا قول ان اسم الماء باق الخ تو انھوں نے اطلاق پر مطلق پانی کے نام کے باقی ہونے سے استدلال کیا ہے اور اس کے باقی رہنے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس کا کوئی نیا نام نہیں پڑا ہے، تو اس میں یہ قاعدہ کلیہ ملانے کی ضرورت ہے کہ ہر وُہ پانی جس کا نیا نام نہ پڑا ہو تو مطلق کا نام اس پر باقی ہے تو معترض نے اس کلیہ پر نقض وارد کیا ہے باقلی وغیرہ کے پانی سے، اور اکثریت والے جواب کا اس سے تعلق نہیں ہے کیونکہ اس میں "تعدیہ" نہیں پایا جاتا ہے، اور ثانیا، لازم ان کے قول "مقید میں غالب نام کا تجدد ہے" سے تجدد من جہۃ التقیید کے استلزام کی اکثریت ہے، یعنی اکثر مقیدات، متجدد ہیں حالانکہ ان کے حق میں نفع بخش اطلاق من جہۃ عدم التجدد کے

عہ ای فی توجیہ کلام الامام المصنف قدس سرہ لجعل ماء الزعفران من المیاہ المطلقۃ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

یعنی مصنف کے کلام کی توجیہ میں، زعفران کے پانی کو مطلق پانیوں میں شمار کرنے کے لیے۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ولا یکون اکثر مالم یتجدد له تقیید فان
القضیة الاکثریة لا یجب ان تنعکس
بعکس النقیض کنفسها لجواز ان تکون افراد
مالم یتجدد له اسم اقل بکثیر من افراد
المقید ویکون اکثرها داخلا فی المقید فیکون
اکثر افراد المقید متجددا و اکثر افراد
اللامتجدد مقیدا مثلا یکون المقید من
المیاه الفا قد تجدد الاسم لثمانمائة منها
دون مائتین ومالم یتجدد له الاسم من
المیاه سواء کان مطلقا او مقیدا ثلثمائة
مائة منها من الماء المطلق والباقی من
المقید فیصدق ان اکثر المقید متجدد
ولا یصدق ان اکثر اللامتجدد لا مقید
بل اکثره مقید کما علمت ۔

استلزام کی اکثریت ہے، یعنی اکثر وہ کہ جن کا کوئی نیا نام
نہیں پڑا ہے تو وہ مطلق ہے تاکہ یہ جس کا نام نیا نہیں
ہے اس کو اکثر و اغلب سے لاحق کیا جاسکے، لیکن یہ
اُس سے لازم نہیں آتا ہے، بلکہ ممکن ہے کہ جو چیزیں
مقید ہیں ان میں سے اکثر کا نیا نام ہوگیا ہو اور اکثر وہ
چیزیں جن کا نیا نام نہ ہو متقید نہ ہوئی ہوں، کیونکہ جو
قضیہ اکثریہ ہوتا ہے ضروری نہیں کہ اس
کا عکس نقیض اس کے مساوی ہو،
اس لیے کہ یہ جائز ہے کہ جن کا نام نیا نہیں ہے ان کے
افراد مقید کے افراد سے بہت ہی کم ہوں اور ان کے
اکثر مقید میں داخل ہوں تو مقید کے اکثر افراد نئے نام
والے ہوجائیں گے اور لامتجدد کے اکثر افراد مقید
ہوجائیں گے، مثلاً وہ مقید پانی جس کے لیے ہزار
نام ہو، ان میں سے آٹھ سو افراد کا نام
بدل گیا ہو، دو سو کا نہ بدلا ہو، اور جن پانیوں کا نام نہ بدلا ہو خواہ وہ مطلق ہوں یا مقید تین سو ہوں، سو ان میں سے
مطلق پانی کے اور باقی دو سو مقید پانی کے ہوں تو اب یہ قضیہ تو صادق ہے کہ اکثر مقید متجدد ہے اور یہ صادق
نہیں کہ اکثر لامتجدد لا مقید ہے، بلکہ اس کا اکثر مقید ہے، جیسا کہ آپ نے جانا۔ (ت)

فان قلت بل نقرر هکذا لو کان
هذا مقیدا لتجدد له اسم بالنظر الی
الغالب لکن لم یتجدد له اسم فلیس بمقید
ظنا والظن یکفی لانه مشتبه الحال فیحال
علی الغالب والغالب فی المقید التجدد
فانتفاء اللازم الاکثری یدل علی انتفاء
الملزوم ظنا کما ان انتفاء اللازم الکلی
یدل علی انتفاء الملزوم قطعا وحاصله

اگر کہا جائے کہ ہم اس کی تقریر اس طرح
کرتے ہیں کہ اگر یہ مقید ہوتا تو اس کا کوئی نیا نام
ہوتا، غالباً ایسا ہی ہوتا ہے، لیکن چونکہ اس کا
نیا نام نہیں ہوا اس لیے وہ ظنی اعتبار سے
مقید نہیں اور اس میں ظن کافی ہے کیونکہ اس کا
حال مشتبہ ہے تو اس کا دارومدار غالب پر
رکھا جائے گا اور غالب مقید میں تجدد ہے، تو
لازم اکثری کا انتفاء ملزوم کے انتفاء پر ظنی طور پر

التمسك بغلبة التجدد فی المقید من دون حاجة الی غلبة الاطلاق فی اللامتجدد.

دلالت کرتا ہے، جیسا کہ لازم کلی کا انتفاء ملزوم کے انتفاء پر قطعاً دلالت کرتا ہے، اور اس کا حاصل مقید میں غلبہ تجدد سے استدلال ہے، اور لامتجدد میں غلبۂ اطلاق کی حاجت نہیں ہے۔ (ت)

اقول انما یظن ما ھو اکثری لاکثریۃ فی استلزام وجود ا لوجود ب لاتستلزم اکثریۃ استلزام انتفاء ب لانتفاء ا ففی مثلہ انما یظن بوجود اللازم عند تحقق الملزوم لا بانتفاء الملزوم عند انتفاء اللازم۔

میں کہتا ہوں جو اکثر ہو اسی کا ظن ہوتا ہے الف کے وجود کی اکثریت کا ب کے وجود کی اکثریت کو مستلزم ہونا ا کے انتفاء کی وجہ سے ب کے انتفاء کے استلزام کی اکثریت کو مستلزم نہیں، تو اس جیسی صورت میں ملزوم کے وجود کے تحقق کے وقت لازم کے وجود کا ظن ہوتا ہے نہ کہ انتفاء ملزوم بوقت انتفاء لازم کے۔ (ت)

وثالثا ما الفارق بین ماء الباقلاء وماء الزعفران حتی کان ھذا مشتبھا فالحق بالغالب وذاک متعینا فلم یلحق واما السؤال[عہ] فلان ماء الباقلاء اسم جدید

ثالثاً، کیا فرق ہے باقلی کے پانی اور زعفران کے پانی میں، کہ اس کو مشتبہ قرار دیا جائے، اور غالب سے لاحق کیا جائے اور وہ متعین ہے تو لاحق نہ کیا جائے گا باقی رہا سوال تو باقلاء کا پانی نیا نام ہے، پانی کے نام

عہ ثم رأیت اجاب عنہ فی البنایۃ بان المضاف ھھنا خارج من المضاف الیہ بالعلاج فلا یجوز وان لم یتجدد لہ اسم اھ

اقول تسلیمہ عدم تجدد الاسم قد عرفت ما فیہ وما قالہ مبنی علی ما ذکرہ فی تعریف اضافۃ التقیید وسیاتی ما فیہ بعونہ تعالی وعلی کل فقد سلم ان التعریف بتجدد الاسم غیر جامع ثم قال وقال تاج الشریعۃ الدلیل یقتضی الجواز ولکن الطبخ والخلط یثبتان نقصانا فی کونہ

پھر میں نے دیکھا انہوں نے بنایہ میں اس کا جواب دیا کہ یہاں مضاف، مضاف الیہ سے خارج ہے علاج کی وجہ سے تو جائز نہیں اگرچہ اس کا نیا نام نہ ہو اھ

میں کہتا ہوں نام کے نیا نہ ہونے کا تسلیم کرنا، اس پر جو اعتراض ہے وہ آپ نے جان لیا، اور جو انہوں نے کہا ہے وہ اس چیز پر مبنی ہے جس کو انہوں نے اضافتِ تقیید کی تعریف میں ذکر کیا ہے، اور یہ عنقریب آئے گا اور بہرحال یہ تعریف کہ نام نیا ہو جائے جامع نہیں اس کو انہوں نے تسلیم کیا ہے پھر کہا کہ تاج الشریعۃ نے فرمایا دلیل جواز کا تقاضا کرتی ہے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

غير اسم الماء وكون اسم الماء جزء منه
لاينافي الجدة الاترى انه لايصلح ان يقال
له ماء لكونه ثخينا والماء رقيق بخلاف ماء
الزعفران فان المراد به مالم يثخن وهذا
بالوفاق بل مالم يصلح للصبغ وهذا عند
التحقيق كما تقدم في ٢٠ هذا ما ظهر لي
ثم رأيت المحقق ابن امير الحاج اشار اليه
في الحلية اذ قال ذات ماء الورد مثلا لاتعرف
من مجرد قول القائل ماء حتى يضيفه الى
الورد ولهذا كانت الاضافة لازمة لكونها
اضافة الى مالابد منه وبواسطة هذا اللزوم
حدث له اسم آخر علىحدة فلا يسوغ تسميته
ماء على الاطلاق الا على سبيل المجاز اھ
والله الموفق لارب سواه۔

ثم اقول ان تحقق ان من المياه [علہ]

کا غیر ہے اور پانی کا اس کے نام کا جزء ہونا جدت کے
منافی نہیں، اس لیے اس کو پانی نہیں کہا جاسکتا ہے
کیونکہ وہ گاڑھا ہے اور پانی پتلا ہوتا ہے بخلاف زعفران
کے پانی کے، کیونکہ اس سے مراد وہ ہے جو گاڑھا
نہ ہوا ہو اور یہ اتفاقی ہے، بلکہ جب تک رنگنے کے
لائق نہ ہو، اور یہ تحقیق کی بنا پر ہے جیسا کہ پانی کی تقسیم ۲۰ میں
گزرا یہ مجھ پر ظاہر ہوا پھر میں نے محقق ابن امیر الحاج
کو دیکھا کہ انہوں نے اس کی طرف حلیہ میں اشارہ فرمایا،
وہ فرماتے ہیں گلاب کے پانی کی ذات مثلاً کسی قائل کے
صرف اس قول سے معلوم نہیں ہوتی ہے کہ "پانی" جب
تک کہ وہ اسے گلاب کی طرف مضاف نہ کرے، اس لیے
اضافت لازم ہوئی کیونکہ یہ ایسی چیز کی طرف اضافت
ہے جس کی طرف اضافت ضروری ہے اور اس لزوم کے واسطہ
سے اس کا الگ نام پڑ گیا، تو اس کو مطلقاً پانی کہنا درست
نہ ہوگا ہاں مجازاً کہا جاسکتا ہے اھ واللہ الموفق (ت)
پھر میں کہتا ہوں اگر یہ ثابت ہوجائے کہ بعض مقید

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مانعا اھ۔

اقول هذا يوافق ما ذكرالحقير حيث
اشار الى ان المنع لاجل الثخن ١٢ منه
غفر له (م)

لیکن پکانا اور مل جانا پانی کے مانع ہونے میں خلل پیدا
کرتے ہیں اھ
میں کہتا ہوں یہ اس کے مطابق ہے جو ہم نے
ذکر کیا ہے کہ منع گاڑھے ہونے کی وجہ سے ہے ۱۲ منہ
غفر لہ (ت)

علہ قاله لانه يتصور على قول محمد اما
على قول ابي يوسف الصحيح على ما يأتي

یہ بات انہوں نے اس لیے کہی ہے کہ یہ محمد کے قول پر
متصور ہے لیکن ابو یوسف کے قول پر، جیسا کہ ہم

(باقی برصفحہ آئندہ)

المقیدة ما لایتجدد له اسم فی العرف لعدم تعلق الغرض به مثلا انما یزول عنه اسم الماء المطلق کان ذلک نقضا علی المنع کما کان الحمیم نقضا علی الجمع ویکون هذا اظهر عـــه ورودا علی الفتح اذ قال فیه فی بیان التقیید هو بان یحدث له اسم علیحدة ولزوم التقیید یندرج فیه وانما یکون ذلک اذا کان الماء مغلوبا اذ فی اطلاقه علی المجموع حینئذ اعتبار الغالب عدما وهو عکس الثابت لغة وعرفا وشرعا اھ۔

اقول انما الثابت به انه کلما تجدد الاسم کان الماء مغلوبا اما فی جهة العکس فانما ثبت انه کلما کان الماء مغلوبا لم یصح اطلاق الماء المطلق علیه لا انه یحدث له اسم برأسه ولابد فحصر التقیید فی حدوث الاسم محل نظر والله تعالٰی اعلم۔

پانی ایسے ہیں جن کے لیے کوئی نیا نام عرف میں مقرر نہیں ہوا ہے، کیونکہ اس سے کوئی غرض متعلق نہیں، مثال کے طور پر، اس سے مطلق پانی کا نام زائل ہوگا تو نقض ہوگا منع پر، جیسا کہ حمیم نقض ہوگا جمع پر، اور یہ فتح پر ورود زیادہ ظاہر ہوگا کیونکہ انہوں نے بیانِ تقیید میں فرمایا، تقیید یہ ہے کہ اس کا نیا نام پڑ جائے، اور لزوم تقیید اسی میں شامل ہے، اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ پانی مغلوب ہو کیونکہ اس کے مجموعہ پر اطلاق ہونے میں اس وقت غالب کا اعتبار ہوگا عدمی طور پر اور یہ لغت سے ثابت شدہ کا اور عرف و شرع سے ثابت شدہ کا برعکس ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں اس سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی اس کا نیا نام ہوگا تو پانی مغلوب ہوگا، اور اس کے عکس میں یہ چیز ثابت شدہ ہے کہ جب بھی پانی مغلوب ہوگا تو اس پر مطلق پانی کا اطلاق صحیح نہ ہوگا، یہ نہیں کہ اُس کے لیے کوئی نیا نام وضع کرلیا جائے گا، اور یہ ضروری ہے، تو تقیید کو نئے نام پڑجانے میں منحصر کردینا محلِ نظر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

من العبد الضعیف تحقیقه ان شاء الله تعالٰی بعد تمام سرد التعریفات فلا تقیید الا اذا صلح المقصود آخر فح یسمی باسم ما یقصد به ذلک المقصود تامل ۱۲ منه غفرله۔ (م)

تحقیق سے پیش کریں گے، تو یہ مقید نہ ہوگا مگر جبکہ مقصود آخر کے لیے صالح ہو، تو اس وقت اس کا نام وہی ہوگا جو اُس کا مقصود ہے، غور کرو ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عـــه فان حصر التقیید فی حدوث الاسم فی الفتح منطوق وعن الهدایة مفهوم ۱۲ منه غفرله۔ (م)

فتح میں تقیید کا نام کے نئے ہونے میں منحصر ہونا منطوق ہے، اور ہدایہ سے مفہوم ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ششم مطلق وہ ہے[1] جسے دیکھنے والا دیکھ کر پانی کہے خزانۃ المفتین میں شرح طحاوی سے ہے:

المطلق ما اذا نظر الناظر الیہ سماہ ماء علی الاطلاق[1] اھ اقول[1] رب ماء لایدرک البصر تقییدہ ولا اطلاقہ کالمخلوط بمائع موافق فی اللون یتوقف الامر فیہ علی غلبۃ الطعم او الاجزاء وما[2] القی فیہ تمر اوزبیب یتوقف علی صیرورتہ نبیذا اولا یضر مجرد اللون وما خلط بعصفر اوزعفران یتوقف علی صلوحہ للصبغ وشیئ من ذٰلک لایدرک بالبصر فلا یصح جمعا ولا منعا۔

مطلق وہ ہے کہ جب دیکھنے والا اس کو دیکھے تو اس کو مطلق پانی کا نام دے اھ میں کہتا ہوں بہت سے پانی ایسے ہیں کہ نگاہ سے نہ تو ان کا مقید ہونا معلوم ہوتا ہے اور نہ مطلق ہونا جیسے وہ پانی جو کسی سیال میں مخلوط ہو اور دونوں ہم رنگ ہوں، اس میں دار ومدار مزے اور اجزاء کے غلبہ پر ہوگا، اور جس میں کھجور اور منقٰی ڈالا جائے اس میں دار ومدار اس کے نبیذ ہونے پر ہوگا محض رنگ مضر نہیں، اور جو عصفر اور زعفران میں ملایا جائے تو اس میں یہ دیکھا جائیگا کہ آیا اس سے کوئی دوسری چیز رنگی جاسکتی ہے یا نہیں، اور ان میں سے کوئی چیز آنکھ سے معلوم نہیں ہوسکتی، تو یہ جمع ومنع کے اعتبار سے صحیح نہیں۔ (ت)

ہفتم مطلق وہ ہے جسے بے کسی قید کے بڑھائے پانی کہہ سکیں فتح القدیر میں ہے:

الخلاف فی ماء خالطہ زعفران ونحوہ مبنی علی انہ تقیید بذٰلک اولا فقال الشافعی وغیرہ تقید لانہ یقال ماء الزعفران ونحن لاننکرانہ یقال ذٰلک ولکن لایمتنع مع ذٰلک مادام المخالط مغلوبا ان یقول القائل فیہ ھذا ماء من غیر زیادۃ[2] اھ۔

جس پانی میں زعفران یا اسی کے مثل کوئی چیز مل جائے اس میں اختلاف اس امر پر مبنی ہے کہ وہ اس کے ساتھ مقید ہوا یا نہیں، امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں مقید ہوگیا، کیونکہ اس کو زعفران کا پانی کہا جاتا ہے اور ہم اس کے منکر نہیں کہ اس کو ماء زعفران کہا جاتا ہے، لیکن جب تک مخلوط پانی ہونے والی چیز پانی سے مغلوب ہو یہی کہا جائیگا کہ یہ پانی ہے، اس میں کچھ اضافہ نہیں اھ (ت)

عہ ویشیر الیہ قول البنایۃ فی ماتغیر بالطبخ لان الناظر لونظر الیہ لایسمیہ ماء مطلقا اھ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

بنایہ کا قول اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کے بارہ میں جو پکانے سے متغیر ہوجائے کیونکہ اگر دیکھنے والا اس کی طرف دیکھے تو اسے مطلق پانی نہیں کہے گا اھ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] خزانۃ المفتین

[2] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳

اقول لاشك ان الماء المقيد قسم من الماء وحمل المقسم على القسم لایمتنع ابدا واین عدم التقیید من التقیید بعدم التقیید والکلام فی ھذا لاذاك **والجواب** انه ماء لغة لاعرفا لصحة النفی تقول لیس ماء بل صبغ والکلام فی العرف۔

میں کہتا ہوں مقید پانی، پانی ہی کی ایک قسم ہے اور مقسم کو قسم پر حمل کرنا ہرگز ممنوع نہیں اور عدم تقیید کو تقیید بعدم التقیید سے کیا نسبت ؟ اور گفتگو اس میں ہے نہ کہ اُس میں۔ اور جواب یہ ہے کہ وہ لغۃً پانی ہے نہ کہ عرفاً، کیونکہ نفی صحیح ہے، آپ کہہ سکتے ہیں یہ پانی نہیں ہے بلکہ رنگ ہے اور کلام کا دارو مدار عرف پر ہوتا ہے۔ (ت)

ھشتم مطلق وُہ ہے جس سے پانی کی نفی نہ ہو سکے یعنی نہ کہہ سکیں کہ یہ پانی نہیں۔

اقول وھذا معنی سابقه غیران صحة الاطلاق وامتناع النفی قد یتقارقان فیما کان ذا جهتین یصح فیه الحمل من وجه والسلب من وجه اٰخر۔

میں کہتا ہوں یہ گزشتہ معنی ہیں، البتہ صحتِ اطلاق اور امتناعِ نفی، جب دو جہت والے ہوں تو کبھی ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں من وجہ حمل اور من وجہ سلب صحیح ہوتا ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے :

اضافة الی الزعفران للتعریف بخلاف ماء البطیخ ولھذا ینفی اسم الماء عنه ولا یجوز نفیه عن الاول[1] اھ

پانی کی اضافت زعفران کی طرف تعریف کے لیے ہے بخلاف "ماء البطیخ" کے، اس لیے اس سے پانی کے نام کی نفی کی جاتی ہے اور پہلے سے اس کی نفی جائز نہیں ہے اھ (ت)

اقول ان ارید نفی الماء المطلق دار او مطلق الماء فلا یجوز نفی المقسم عن القسم قط والماء الذی یخرج من البطیخ لیس من جنس الماء فالحق انه لیس ماء مقیدا بل خارج من مطلقه کالادھان والجواب الجواب۔

میں کہتا ہوں اگر ماءِ مطلق کی نفی کا ارادہ کیا جائے تو دور لازم آئے گا یا مطلقِ ماء کی نفی کی جائے تو مقسم کی نفی قسم سے قطعاً جائز نہیں اور وہ پانی جو بطیخ سے نکلتا ہے جنس ماء سے نہیں ہے تو حق یہ ہے کہ وہ مقید پانی نہیں ہے بلکہ مطلقِ ماء سے خارج ہے جیسے تیل والجواب الجواب۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ مطبع الامیریہ ببولاق مصر ۱/۲۱

فسم مطلق وہ جس سے پانی کا نام زائل نہ ہو،

وھو معنی سابقه واشیر الیه فی کثیر من الکتب ففی التبیین زوال اسم الماء عنه ھو المعتبر فی الباب[1] اھ وفی الھدایة والکافی الا ان یغلب ذلك علی الماء فیصیر کالسویق لزوال اسم الماء عنه[2] اھ وفی المنیة عن شرح القدوری للاقطع اذا اختلط الطاھر بالماء ولم یزل اسم الماء عنه فھو طاھر و طھور[3] اھ۔

یہ اس کے سابقہ معنے ہیں، اس کی طرف بہت سی کتب میں اشارہ کیا گیا ہے، تبیین میں ہے اس سے پانی کے نام کا زائل ہونا ہی معتبر ہے اھ اور ہدایہ اور کافی میں ہے مگر یہ کہ وہ پانی پر غالب ہو تو ستو کی طرح ہو جائے، کیونکہ اس سے پانی کا نام زائل ہو گیا اھ اور منیہ میں ابو نصر اقطع کی شرح قدوری سے ہے کہ جب پاک چیز پانی میں مل جائے اور اس سے پانی کا نام زائل نہ ہو تو وہ طاہر بھی ہے طہور بھی ہے اھ (ت)

اقول ھذا حق فی نفسه لکن لا یصلح تعریفا اذلو ارید بالماء الماء المطلق دار والا فلا زوال عن المقید ایضا اصلا کما علمت مع جوابه فسرہ فی الغنیة مرة بالسادس اذقال تحت قول الماتن اذا لم یزل عنه اسم الماء ما نصه بحیث لو رأه الرائی یطلق علیه اسم الماء[4] اھ

میں کہتا ہوں یہ فی نفسہٖ حق ہے لیکن یہ تعریف نہیں بن سکتا ہے کیونکہ اگر پانی سے مطلق پانی کا ارادہ کیا جائے تو دور لازم آئے گا ورنہ مقید سے بھی زوال نہ ہوگا جیسا کہ آپ نے مع جواب کے جانا، اور اس کی تفسیر غنیہ میں ایک جگہ "چھٹے" سے کی کیونکہ انہوں نے ماتن کے قول کہ جب اس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا کے تحت فرمایا کہ اگر دیکھنے والا اس کو دیکھے تو اس پر پانی کا نام بولے اھ (ت)

اقول وقد علمت فسادہ[1] ومرة زاد فیه الخامس اذقال تحت قول الاقطع ولم یتجدد له اسم اٰخر بان سمی شرابا

میں کہتا ہوں اس کا فساد آپ کو معلوم ہو چکا ہے اور کبھی اس میں پانچویں کو زیادہ کیا کیونکہ انہوں نے اقطع کے قول کے تحت فرمایا اس کا کوئی نیا نام نہیں

---

[1] تبیین الحقائق | کتاب الطہارت | مطبعۃ الامیریہ مصر | ۱/۱۹
[2] ہدایۃ | الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ | مطبعہ عربیہ کراچی | ۱/۱۸
[3] منیۃ المصلی | فی المیاہ | مطبعہ یوسفی لکھنؤ | ص ۶۴
[4] غنیۃ المستملی | " | سہیل اکیڈمی لاہور | ص ۹۰

او نبیذ او نحو ذلک[1] اھ **اقول** ان عطفہ تفسیرا فموقوف علی ثبوت ان کل ما زال عنہ اسم الماء وجب ان یوضع بازائہ اسم اٰخر وان اراد الزیادۃ کان المعنی ان الاطلاق یتوقف علی اجتماع العدمین فان وجد احدھما کأن زال عنہ اسم الماء ولم یتجدد اسم اٰخر او تجدد اسم اٰخر ولم یزل اسم الماء کان مقیدا وھذا الثانی باطل کما فی الحمیم۔

پڑا مثلاً یہ کہ شربت یا نبیذ وغیرہ کہا جائے اھ میں کہتا ہُوں اسکا عطف تفسیری ہے اور اس امر پر موقوف ہے کہ ہر وُہ چیز جس سے پانی کا نام زائل ہوا ہو لازم ہے کہ اُس کے بالمقابل کوئی اور نام وضع کیا جائے اور اگر زیادتی کا ارادہ کیا تو معنٰی یہ ہوں گے کہ اطلاق موقوف ہے دو عدموں کے اجتماع پر تو اگر ان میں سے کوئی ایک پایا جائے مثلاً یہ کہ اس سے پانی کا نام زائل ہوجائے اور اس کا کوئی نیا نام نہ پڑے یا نیا نام پڑ جائے مگر پانی کا نام زائل نہ ہو تو مقید ہوجائیگا اور یہ دوسری شق باطل ہے جیسا کہ گرم پانی میں۔ (ت)

دھم مطلق وُہ ہے کہ پانی کا نام لینے سے جس کی طرف ذہن سبقت کرے بشرطیکہ اُس کا کوئی اور نام نہ پیدا ہوا ہو اور جس کی طرف لفظ آب سے ذہن سبقت نہ کرے یا اس کا کوئی نیا نام ہو وہ مقید ہے حلیہ میں ہے:

الماء المطلق فیہ عبارات من احسنھا ما یتسارع افھام الناس الیہ عند اطلاق الماء مالم یحدث لہ اسم علی حدۃ والماء المقید مالا تتسارع الیہ افھام الناس من اطلاق لفظ الماء او ما حدث لہ اسم علیحدۃ[2] اھ

مطلق پانی کے متعلق کئی عبارتیں ہیں، سب سے عمدہ یہ ہے کہ مطلق پانی وُہ ہے کہ جب صرف پانی کہا جائے تو ذہن اُس کی طرف منتقل ہوجائیں، جب تک کہ اس کا کوئی نیا نام نہ پڑے اور مقید پانی وہ ہے کہ جب صرف پانی کا لفظ بولا جائے تو ذہن اس کی طرف نہ جائے یا وہ کہ جس کا کوئی نیا نام ہوا اھ (ت)

اقول اولا ھذا اصلح من سابقہ فی العکس فانہ لا ینتقض منعا ان وجد مقید لم یحدث لہ اسم و اقبل ایرادا منہ فی الطرد فانہ صرح بان تسارع الافھام

میں کہتا ہُوں اوّلاً مانعیت کے اعتبار سے یہ تعریف پہلی سے بہتر ہے کیونکہ اس پر ایسے مقید پانی کا اعتراض نہ ہوگا جس کو ابھی نیا نام نہیں دیا گیا اور جامعیت کے اعتبار سے یہ پہلی سے زیادہ قابلِ اعتراض ہے اگر اسکا نیا نام پڑ جائے تو ذہنوں کا اسکی طرف سبقت رکھنا کچھ مفید نہ ہوگا، اور ثانیاً اس سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ شرط فضول اور بے محل ہے کیونکہ اس نام کا

---

[1] غنیۃ المستملی فی المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰
[2] حلیۃ

الیہ لایجدی عند حدوث اسم اٰخر وثانیا[۱] مع قطع النظر عنہ لاشك ان ھذا الشرط ضائع لامحل لہ اصلا فان حدوث الاسم الذی یکون فی المقید لا امکان لاجتماعہ مع تسارع الافہام الیہ عند الاطلاق۔

پیدا ہونا جو مقید میں ہے اُس کا، اُس کے ساتھ مجتمع ہونے کا کوئی امکان نہیں، حالانکہ اذہان اُس کی طرف عند الاطلاق سبقت کرتے ہیں۔ (ت)

یازدھم مطلق وُہ ہے جس کی طرف نام آب سے ذہن سبقت کرے اور اس میں نہ کوئی نجاست ہو اور نہ اور کوئی بات مانع جواز نماز یہ قیدیں بحر میں اضافہ کیں تاکہ آب نجس و مستعمل کو خارج کردیں۔

اقول ولو اکتفی بالاٰخر لکفی ونصہ المطلق مایسبق الی الافہام بمطلق قولنا ماء ولم یقم بہ خبث ولا معنی یمنع جواز الصلاۃ قال فخرج الماء المقید والمتنجس والمستعمل[۱] اھ

میں کہتا ہوں اگر وُہ آخر پر اکتفاء کرتے تو کافی ہوتا اور اُس کی عبارت یہ ہے کہ مطلق وہ ہے جس کی طرف اذہان مطلق ماء کے بولنے سے منتقل ہوجاتے ہیں، اور وہ پانی ہے جس میں کوئی ناپاکی نہ ہو اور نہ ایسا کوئی وصف ہو جو جواز صلوٰۃ کے منافی ہو تو اِس قید سے مقید، نجس اور مستعمل پانی خارج ہوگیا اھ (ت)

اقول ھل[۱] المستعمل واخوہ داخلان فیما یسبق الیہ الذھن باطلاق الماء اھ لا علی الثانی ضاع القیدان وسقط تفریع خروجہما علی زیادۃ القیدین وعلی الاول لاشك[۲] انہما من الماء المطلق اذ لانعنی بالمطلق الا ھذا وعلیہ اقتصر الائمۃ قبلہ بل ھو نفسہ فیما بعد ذلك بورقۃ اذ قال لانعنی بالمطلق الا مایتبادر عند اطلاق اسم الماء[۲] اھ وھذہ

میں کہتا ہوں کیا مستعمل اور اس کا مثل پانی اُس پانی میں داخل ہیں جن کی طرف لفظِ ماء بولتے ہی ذہن فوری طور پر منتقل ہوجاتا ہے یا نہیں، دوسری صورت میں دونوں قیدیں ضائع ہوجائیں گی، اور دو قیدوں کی زیادتی پر ان دونوں کے خروج کی تفریع ساقط ہوجائے گی، اور بر تقدیر اول اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں مطلق پانی سے ہیں کیونکہ مطلق سے یہی مراد ہے اور اُن سے قبل ائمہ نے اسی پر اکتفار کیا

---

[۱] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶
[۲] " " " ۱/۶۸

مناقضة[ف۱] بل فی نفس الکلام ایضا شوب منہا اذ یقول فخرج المقید والمتنجس والمستعمل ولذا قال ش ظاہرہ ان المتنجس والمستعمل غیر مقید مع انہ[عہ۱] منہ لکن عند العالم بالنجاسۃ اوالاستعمال ولذا قید بعض العلماء التبادر بقولہ بالنسبۃ للعالم بحالہ اھ

بلکہ انہوں نے خود ہی ایک ورق بعد فرمایا ہماری مراد مطلق سے وہ پانی ہے کہ جب پانی کا لفظ بولا جائے تو اسی کی طرف ذہن متبادر ہو اھ اور یہ مناقضہ ہے بلکہ نفس کلام میں اس کی ملاوٹ ہے، وہ فرماتے ہیں تو مقید، متنجس اور مستعمل اس سے نکل گئے اور اسی لیے "ش" نے فرمایا کہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ متنجس اور مستعمل غیر مقید ہے حالانکہ یہ مقید سے ہے، مگر اس کے نزدیک جس کو نجاست یا استعمال کا علم ہو، اس لیے بعض علماء نے تبادر میں بالنسبۃ للعالم بحالہ کی قید بڑھائی ہے۔ (ت)

اقول[ف۲] رحمك الله اذا کان ھذا عارضا خفیا لایظہر لمن لم یعلم بحالہ الا بالاخبار من خارج ظہر ان الماء فیہما باق علی صرافۃ مائیتہ لم یعرضہ مایخرجہ عنہا والا لظہر لمن نظر وھیہات فان الانسان فی معرفۃ الماء من غیرہ لایحتاج الی تعلیم من خارج فکیف یکون مقیدا وبالجملۃ ھذا شیئ تفرد بہ البحر لم ارہ[عہ۲] لغیرہ وتبعہ[عہ۳] علیہ ش وکذا محشی الدرر عبد الحلیم

میں کہتا ہوں جب یہ چیز ایسی مخفی ہے کہ صرف واقف حال ہی جان سکتا ہے یا خارج سے اطلاع پر معلوم ہوسکتی ہے تو یہ ظاہر ہوا کہ پانی اُن دونوں میں اپنے اطلاق پر باقی ہے اس کو کوئی ایسی چیز عارض نہ ہوئی جو اس کو پانی ہونے سے خارج کردے ورنہ ہر صاحب نظر کو ظاہر ہوجاتا، کیونکہ پانی کے بارے میں جاننے کے لیے انسان کو باہر سے جاننے کی ضرورت نہیں، تو یہ کیسے مقید ہوگا؛ خلاصہ یہ کہ یہ ایسی چیز ہے جس میں بحر منفرد ہیں میں نے اور کسی کے کلام میں اس کو

عہ۱: ای المذکور او کل منہما ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

یعنی مذکور یا ان دونوں میں سے ہر ایک۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عہ۲: ثم رأیت السید الشریف العلامۃ رحمہ اللہ تعالی سبقہ الیہ فی التعریفات کما سیاتی ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

پھر میں نے دیکھا کہ سید شریف نے التعریفات میں بھی یہی لکھا ہے، جیسا کہ آئے گا، ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عہ۳: وکذا تلمیذہ شیخ الاسلام الغزی فی المنح واقرہ علیہ ط فصاروا سبعۃ

اور اسی طرح اُن کے شاگرد شیخ الاسلام غزی نے منح میں ذکر کیا اور اس کو ط نے برقرار رکھا تو سات

(باقی برصفحہ آئندہ)

ف۱: رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۴

والخادمی وذلك حین قول الدرر زوال اطلاقه اما بکمال الامتزاج او بغلبة الممتزج

نہیں دیکھا اور انکی متابعت ش نے کی اسی طرح درر کے محشی عبد الحلیم اور خادمی نے کی، صاحبِ درر فرماتے ہیں اس کے اطلاق کا زوال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

السید والبحر والغزی وعبد الحلیم والخادمی وط و ش رحمہ اللّٰہ تعالٰی علیھم وعلینا اجمعین قال العلامۃ ط علی قول الدرر ھو ما یتبادر عند الاطلاق ای یبدر للذھن فھمه بمجرد سماعه مطلقا وھو بمعنی قول المنح ھو الباقی علی اوصاف خلقته ولم یخالطه نجاسة ولم یغلب علیه شیئ اھ ولفظ السید فی التعریفات ھو الماء الذی بقی علی اصل خلقته ولم تخالطه نجاسة ولم یغلب علیه شیئ طاھر اھ۔

اقول وھو احسن مما فی المنح بوجھین **احدھما** انه قید الشیئ بالطاھر فلم یصر قوله لم تخالطه نجاسة مستدرکا بخلاف عبارۃ المنح فان ما خالطه نجاسة فقد غلبه شیئ **والاٰخر** انه اتی بالاصل مکان الاوصاف فلا یرد علیه الجمد بخلاف المنح فان الماء بانجماده لا یتغیر اللون ولا طعم ولا رائحة وھی المتبادرۃ من ذکر الاوصاف والمعتبر فی التعریف ھو التبادر وظاھر انه لم یخالطه نجس ولا

ہوگئے، سید، بحر، غزی، عبد الحلیم، خادمی، ط اور ش رحمہم اللہ تعالٰی علیہم وعلینا اجمعین، علامہ "ط" نے درر کے قول پر فرمایا، "وہ عند الاطلاق متبادر ہوتا ہے، یعنی ذہن کی طرف فہم سبقت کرتا ہے محض سننے سے مطلقاً" اور یہ منح کے قول "وہی باقی ہے اپنے خلقی اوصاف پر اور اس میں کوئی نجاست نہیں ملی ہے اور اس پر کوئی شے غالب نہیں ہوئی ہے اھ کے مطابق ہے" اور سید کے لفظ التعریفات میں یہ ہیں یہ وہی پانی ہے جو اپنی اصل خلقت پر باقی ہے اور اس کو کوئی نجاست نہیں ملی ہے اور اس پر کوئی پاک شے غالب نہیں ہوئی ہے اھ

میں کہتا ہوں یہ منح کی عبارت سے دو طرح اچھا ہے ایک تو یہ کہ انہوں نے شیئ کو طاہر سے مقید کیا تو ان کا قول "نہیں ملی اس سے نجاست" زائد نہ ہوگا بخلاف عبارتِ منح کے، کیونکہ جس میں نجاست ملی تو بلاشبہ اس پر کوئی چیز غالب ہوگئی، اور دوسرے یہ کہ وہ اصل کو لائے بجائے اوصاف کے تو ان پر جمد کے ذریعہ اعتراض وارد نہ ہوگا بخلاف منح کے کہ پانی منجمد ہونے کے باعث نہ تو رنگ کو بدلتا ہے اور نہ مزے اور بو کو اور اوصاف کے ذکر سے متبادر یہی ہے اور تعریف میں متبادر ہی معتبر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی نجس

(باقی اگلے صفحہ پر)

قالا علیہ اورد علی الحصر الماء المستعمل واجاب الاول بان کلام المصنف فی زوالہ باختلاط المحسوس اھ[1]۔

یا تو کمالِ امتزاج سے ہوگا یا ممتزج کے غلبہ سے ہوگا، اس پر ان دونوں نے اعتراض کیا ہے کہ حصر پر اعتراض مستعمل پانی سے کیا گیا ہے، اور پہلے نے جواب دیا کہ مصنف کا کلام اُس کے زوال میں ہے کسی محسوس چیز کے اختلاط کی وجہ سے اھ (ت)

اقول کیف وقد ذکر المستقطر من النبات والثانی بان المقسم الماء الطاھر والمستعمل کالنجس فلا غبار اھ[2]۔

میں کہتا ہوں یہ کیسے، حالانکہ انہوں نے گھاس سے ٹپکائے جانے والے کا ذکر کیا ہے اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ مقسم پاک پانی ہے اور مستعمل نجس کی طرح ہے تو اس پر کوئی غبار نہیں اھ (ت)

اقول قد علمت ان کلام الائمۃ یؤذن بدخول المتنجس فی المطلق فضلا عن المستعمل وکذلک کلام اھل الضابطۃ قبل البحر حیث لم یزیلوا الاطلاق الا بالامرین ثم رأیت فی کلام ملک العلماء ما یدل علیہ صریحا اذ قال قدس سرہ اما شرائط ارکان الوضوء فمنھا ان یکون الوضوء بالماء ومنھا ان یکون بالماء المطلق ومنھا ان یکون الماء

میں کہتا ہوں کہ ائمہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناپاک مطلق میں داخل ہے چہ جائیکہ مستعمل، اور اسی طرح اہلِ ضابطہ کا کلام بحر سے پہلے، کیونکہ ان کے نزدیک اطلاق زوال صرف دو امروں سے ہے پھر میں نے ملک العلماء کے کلام میں اس کی صراحت پائی، وہ فرماتے ہیں بہرحال ارکان شرائطِ وضو، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ وضو پانی سے ہو اور یہ کہ ماءِ مطلق سے ہو اور پانی پاک ہو تو نجس پانی سے جائز نہیں، ایک یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

غلبہ شیئ الا ان یعمم الاوصاف الرقۃ والسیلان ولو ان السید اسقط قولہ لم تخالطہ نجاسۃ لم یخالطہ نکارۃ وکان من احسن التعریفات الا ما فی معنی الغلبۃ من الخفاء کما لا یخفی ۱۲ منہ غفر لہ۔ (م)

اس سے ملا نہیں اور کوئی شئی اس پر غالب نہ ہوئی، ہاں اگر اوصاف کو عام کر لیا جائے اور رقّت وسیلان کو اس میں شامل کر لیا جائے، اور اگر سید اپنا قول لم تخالطہ نجاسۃ ساقط کر دیتے تو ان پر کوئی اعتراض نہ ہوتا، اور یہ بہترین تعریف ہوتی، ہاں صرف غلبہ کے معنی میں کچھ پوشیدگی ہے، کما لا یخفی ۱۲ منہ غفر لہ (ت)

[1] حاشیۃ الدرر علی الغرر لعبد الحلیم بحث الماء مکتبہ عثمانیہ بیروت ۱/۱۸

[2] الحاشیۃ علی الدرر شرح الغرر لابی سعید الخادمی بحث الماء مکتبہ عثمانیہ بیروت ص ۲۱

طاهرا فلا یجوز بالماء النجس ومنها ان یکون طهورا فلا یجوز بالماء المستعمل[1] اھ ملتقطا فھو صریح فی ان اشتراط اطلاق الماء لم یخرجھما حتی احتیج الی شرطین اٰخرین وکذلك کلام المنیۃ اذ یقول تجوز الطھارۃ بماء مطلق طاھر[2] اھ فافاد عموم المطلق للطاھر وغیرہ واستدرك علیه فی الحلیۃ بقوله کان الاولی ان یقول طھور مکان طاھر لان الطھارۃ لاتجوز بماء طاھر فقط[3] اھ فافاد عمومه المستعمل وقد صرح به فی الغنیۃ فقال لیسمی المتنجس ماء مطلقا فاحتاج الی الاحتراز عنه بقوله طاھر ولوکانت المجاورۃ تکسبه تقیید الماء احتیج بعد ذکر الاطلاق الی ذکر الطاھر[4] اھ والیه اشار فی البنایۃ اذ قال التوضی به جائز مادامت صفۃ الاطلاق باقیۃ ولم تخالطه نجاسۃ[5] اھ

اقول ولعل الحامل للبحر علیه

کہ طہور ہو تو مستعمل پانی سے جائز نہیں اھ ملتقطا، تو یہ اس میں صراحت ہے کہ مطلق پانی کی شرط نے ان دونوں کو خارج نہیں کیا، تاکہ دو دوسری شرطوں کی حاجت پڑے، اور یہی گفتگو منیہ میں ہے وہ فرماتے ہیں ماءِ مطلق طاہر کے ساتھ طہارت جائز ہے اھ تو عموم مطلق نے طاہر اور غیر طاہر کا افادہ کیا اور حلیہ میں اس پر یہ استدراک کیا ہے، فرمایا بہتر یہ تھا کہ طہور کہتے بجائے طاہر کے، کیونکہ طہارت صرف طاہر پانی سے نہیں ہوتی ہے اھ تو انہوں نے اس کے مستعمل کو عام ہونے کا افادہ کیا اور غنیہ میں اس کی تصریح کی فرمایا ناپاک پانی کو مطلق پانی کہا جاتا ہے پھر ان کو اس سے احتراز کی حاجت ہوئی تو فرمایا طاہر ہو اور اگر مجاورۃ سے اس میں تقیید ہوجاتی تو اطلاق کے بعد طاہر کے ذکر کی ضرورت نہ ہوتی اھ اور بنایہ میں اسی طرف اشارہ کیا، فرمایا اس سے وضو جائز ہے جب تک اس میں صفت اطلاق باقی ہو اور اس میں نجاست نہ ملی ہو اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں غالباً بحر کو یہ کہنے کی ضرورت اس لیے

---

[1] بدائع الصنائع | ارکان الوضو | سعید کمپنی کراچی | ۱/۱۵

[2] منیۃ المصلی | فصل فی المیاہ | مطبع یوسفی لکھنؤ | ص ۶۱

[3] حلیہ

[4] غنیۃ المستملی | فصل فی بیان احکام المیاہ | سہیل اکیڈمی لاہور | ص ۸۸

[5] بنایہ شرح ہدایۃ | الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ | ملک سنز فیصل آباد | ۱/۱۸۷

قول بعضهم تجوز الطهارة بالماء المطلق ارسله ارسالا فلوشملهما اوهم جواز الطهارة بهما وليس بشیٔ فان امثال القیود تطوی عادۃ للعلم بھا فی محلہ الا تری ان الاکثرین لم یقیدوا بالاطلاق ایضا انما قالوا تجوز بماء السماء والاودیۃ الخ

پڑی کہ بعض فقہائنے فرمایا مطلق پانی سے طہارۃ جائز ہے، اس کو انہوں نے مطلق رکھا، تو اگر یہ ان دونوں کو شامل ہوتا تو ان دونوں سے طہارت کے جواز کا وہم ہوتا، اور یہ کچھ نہیں، کیونکہ قیود کی مثالیں عام طور پر ذکر نہیں کی جاتی ہیں کہ ان کا علم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہائنے اس کو اطلاق کی قید سے بھی مقید نہیں کیا ہے پس فرمایا ہے طہارت جائز ہے آسمان کے پانی سے وادیوں کے پانی سے الخ۔ (ت)

دوازدھم حلیہ و بحر کی قیدوں سے آزاد مطلق صرف وہ ہے کہ پانی کا نام لینے سے جس کی طرف ذہن جاتا ہے ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں:

الماء المطلق ھو الذی تتسارع افہام الناس الیہ عند اطلاق اسم الماء کماء الانھار[1] والعیون والاٰبار والسماء والغدران والحیاض والبحار۔

مطلق پانی وہ ہے کہ جب پانی کا نام لیا جائے تو ذہن اس کی طرف منتقل ہوجائیں، جیسے نہروں، چشموں، کنوؤں، بادلوں، تالابوں، حوضوں اور دریاؤں کا پانی۔ (ت)

پھر فرمایا:

واما المقید فھو ما لا تتسارع الیہ الافہام عند اطلاق اسم الماء وھو الماء الذی یستخرج من الاشیاء بالعلاج کماء الاشجار والثمار وماء الورد ونحو ذٰلک[1] اھ

بہرحال مقید پانی وہ ہے کہ جب پانی کا نام لیا جائے تو ذہن اس کی طرف سبقت نہ کرے، اور یہ وہ پانی ہے جو کسی عمل کے ذریعہ چیزوں سے نکالا جائے جیسے درختوں، پھلوں اور گلاب وغیرہ کا پانی اھ (ت)

اقول والحصر المستفاد من قولہ ھو الماء الذی یستخرج غیر مراد قطعا وانما المعنی کالماء الذی فلیتنبہ۔

میں کہتا ہوں وہ حصر جو ان کے کلام "یہ وہ پانی ہے جو نکالا جائے" میں ہے، مراد نہیں ہے قطعاً، اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ مثل اُس پانی کے، تو متنبہ رہنا چاہئے۔ (ت)

درمختار میں ہے: (یرفع الحدث بماء مطلق) ھو ما یتبادر عند الاطلاق[2] (حدث کو رفع

---

[1] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

کیا جائے مطلق پانی سے، یہ وہ ہے جو اطلاق کے وقت متبادر ہو۔ ت) بحر سے گزرا: لا نعنی بالمطلق الاما یتبادر عند اطلاق اسم الماء[1] (ہم مطلق سے وہی مراد لیتے ہیں جو ماء کا اطلاق کرتے وقت متبادر ہوتا ہے۔ ت) کافی و بنایہ و مجمع الانہر میں ہے: المراد به ههنا ما یسبق الی الافهام بمطلق قولنا الماء[2] (اس سے مراد یہاں وہ ہے جو ہمارے قول پانی کے اطلاق سے فوری سمجھا جائے۔ ت) عنایہ و بنایہ میں ہے:

لا یجوز بما اعتصر لانه لیس بماء مطلق لانه عند اطلاق الماء لاینطلق علیه و تحقیق ذلك انا لو فرضنا فی بیت انسان ماء بئر او بحر او عین وماء اعتصر من شجر او ثمر فقیل له هات ماء لایسبق الی ذهن المخاطب الا الاول ولا نعنی بالمطلق والمقید الا هذا[3]۔

جو پانی نچوڑا جائے اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ وہ مطلق پانی نہیں کیونکہ جب ماء کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا ہے اور اسکی تحقیق یہ ہے کہ اگر ہم فرض کریں کہ کسی شخص کے گھر میں پانی کا کنواں ہے یا دریا یا چشمہ ہے اور وہ پانی بھی ہے جو درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہے، پھر ہم اس سے پانی مانگیں تو مخاطب کا ذہن پہلے پانی ہی طرف منتقل ہوگا اور مطلق و مقید سے یہی مراد ہے۔ (ت)

اقول یہی اصح و احسن تعریفات ہے کما قال فی الحلیة لولا ما زاد (جیسا کہ حلیہ میں کہا ہے اگر وہ نہ ہوتا تو زیادتی نہ ہوتی۔ ت) مگر محتاج توضیح و تنقیح ہے

واقول وباللّٰه التوفیق العوارض لاهی تفهم عند الاطلاق ولاهی مطلقا تسلب الاطلاق فان الذات هی المفهومة من الاطلاق کما اذا قلت انسان لایتبادر الفهم منه الی الرومی والزنجی او العالم والجاهل او الطویل والقصیر او الحسین

اقول وباللّٰه التوفیق عوارض نہ تو عند الاطلاق مفہوم ہوتے ہیں اور نہ مطلقاً سلب ہوتے ہیں، کیونکہ عند الاطلاق ذات ہی مفہوم ہوتی ہے، جیسے آپ انسان کا لفظ بولتے ہیں تو ذہن رومی، حبشی، عالم، جاہل، لمبے، چھوٹے، حسین، بدشکل وغیرہ کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے، مگر اس سے یہ بھی

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

[2] مجمع الانہر تجوز الطہارة بالماء المطلق مکتبہ عامرہ مصر ۱/۲۷

[3] العنایة مع الفتح الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۱

والدميم وامثال ذلك من العوارض ولا يلزم منه خروج هؤلاء عن الانسان المطلق فان ذاتهم ليست الا ما فهم من لفظ الانسان ولم يعرضهم ما يقعدهم عن الدخول فيما تتسارع اليه الافهام بسماع لفظ الانسان ولو ان العوارض مطلقا تمنع الدخول لعدم انفهامها من المطلق لما دخل تحته شئ من افراده لان لكل فرد تشخصا لا يسبق اليه الذهن عند ذكر اسم المطلق فكان هذا يقتضي التسوية بين مطلق الماء والماء المطلق لكن ثمه عوارض تمنع ذويها عن الدخول تحت الشئ المطلق ويقال فيها ان اسم المطلق لم يتناولها لكونها مما لا تتسارع اليه الافهام كمقطوع اليدين والرجلين في الرقبة فان المفهوم الذات الكاملة و نبيذ التمر وماء العصفر الصالح الصبغ فان اسم الماء المطلق لا يطلق عليهما ولا يسبق الافهام عند اطلاقه اليهما مع ان اصحاب تلك العوارض ايضا ليست ذاتها الا ما فهم من الاطلاق وعدم انفهام العوارض مشترك في كل عارض فلا بد من الفرق ولم ار من حام حول هذا۔

لازم نہیں آتا کہ یہ لوگ مطلق انسان کے زمرے سے خارج ہیں، کیونکہ ان کی ذات وہی ہے جو لفظ انسان سے مفہوم ہے اور ان کو کوئی ایسا مانع درپیش نہیں کہ یہ لوگ اس مفہوم میں داخل نہ ہوں جو لفظ انسان سنتے ہی ذہن میں آجاتا ہے، اور اگر عوارض مطلقاً دخول سے مانع ہوتے، کیونکہ یہ مطلق سے سمجھے نہیں جاتے ہیں تو مطلق کے تحت اس کے افراد میں سے کوئی شئ داخل نہ ہوتی کیونکہ ہر ایک فرد کے لیے تشخص ہے جس کی طرف مطلق نام کے ذکر کرنے سے ذہن منتقل نہیں ہوتا ہے تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ مطلق ماء اور ماء مطلق کے درمیان مساواۃ ہے لیکن وہاں ایسے عوارض موجود ہیں جو ان کے ذوات کو مطلق شئ کے تحت داخل ہونے سے مانع ہیں، اور ان میں کہا جاتا ہے کہ مطلق اسم اُن کو شامل نہیں ہے کیونکہ ذہن ان کی طرف تیزی سے منتقل نہیں ہوتا ہے جیسے کہ رقبہ میں مقطوع الیدین والرجلین، کیونکہ مفہوم ذات کاملہ ہے اور نبیذ تمر اور عصفر کا پانی جو رنگائی کے لائق ہو کیونکہ ماء مطلق ان دونوں پر نہیں بولا جاتا ہے اور اطلاق کے وقت ذہن ان دونوں کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے باوجود اس کے کہ ان عوارض والے ان کی ذات نہیں ہیں، مگر وہُ جو اطلاق کے وقت مفہوم ہو اور عوارض کا مفہوم نہ ہونا ہر عارض میں مشترک ہے، تو فرق ہونا ضروری ہے، مگر میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے یہ فرق بتایا ہو۔ (ت)

فاقول علی ما بی من قلۃ البضاعۃ:

پھر میں علمی بے بضاعتی کے باوجود کہتا ہوں

وقصور الصناعۃ بہ مستعینا بربی ثم بصاحب
الشفاعۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم
توضع الاسماء بازاء الحقائق وتمایز
الحقائق بتفاوت المقاصد ولذا کان بعض
الاوصاف تجری مجری الاجزاء کالاطراف
فی الحیوان والاغصان فی الاشجار لان
بفواتہا فوات منافع الذات والشیئ اذا
خلا عن مقصودہ بطل فیتطرق بہ التغیر
الی الذوات المدلول علیہا عرفا بالاسماء
ومعلوم ان المرکب من الشیئ وغیرہ غیرہ
غیر ان العرف بل والشرع واللغۃ جمیعا
تلاحظ الغلبۃ فاذا کان الممازج اکثر
قدرا من الشیئ کان المرکب احق باسم
الممازج من اسم الشیئ وان تساویا تساقطا
فلم یکن المرکب مفہوما من اطلاق اسم
شیئ منہما لان وضع الاسمین بازاء کل
بحیالہ لا بازاء الکل مجموعا نعم ان
کان اقل لم یعتبر الا ان تحدث بامتزاجہ
حقیقۃ عرفیۃ مرکبۃ ممتازۃ مقصودۃ
لمقاصد متحازۃ فیصیر المرکب ذاتا اخری
عرفا لاختلاف المقاصد فلا یبقی داخلا تحت
المفہوم عرفا من الاطلاق فثبت عہ ان التفاہم

اسماء کی وضع حقائق کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور حقائق
میں امتیاز مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس لئے
بعض اوصاف اجزاء کے قائم مقام ہوتے ہیں جیسے
حیوانات کے اعضاء، اور درختوں کی ٹہنیاں کیونکہ ان چیزوں
کے خاتمہ سے ذات کی منفعتیں بھی ختم ہوجاتی ہیں، اور
جب کسی چیز کا مقصود ہی فوت ہوجائے تو وہ چیز
باطل ہوجاتی ہے اور اس طرح ذات بھی متغیر ہوجاتی ہے
جس پر اسماء کے ذریعہ عرفاً دلالت کی جاتی ہے اور یہ
معلوم ہے کہ جو چیز کسی چیز اور اُس کے غیر سے مرکب
ہوتی ہے وہ اُس کا غیر ہوتی ہے، لیکن عرف، شریعت
اور لغۃ سب ہی میں غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے تو جب ملنے
والی چیز اصلی شئے سے مقدار میں زیادہ ہو تو مرکب پر
وہ نام پڑنا چاہیے جو اس ملنے والی اکثر شئے کا ہے نہ کہ اصل
شے کا اور اگر دونوں میں برابری ہو تو تساقط ہوگا تو
ان میں سے جب کسی شئے کا اطلاق ہوگا تو مرکب
مفہوم نہ ہوگا کیونکہ نام تو ہر ایک کے مقابل مستقلاً ہے،
مجموعہ کے مقابل نہیں، ہاں اگر وہ کم ہو تو معتبر نہ ہوگا
ہاں اگر اس کے ملنے سے ایک نئی حقیقت عرفیہ وجود
میں آجائے جو مرکب اور ممتاز ہو، اور خاص مقاصد
کے لیے ہو تو مرکب عرفاً ایک نئی ذات ہوگا، اس لیے
کہ مقاصد مختلف ہوگئے، تو وہ اطلاق سے عرفاً مفہوم
کے تحت داخل نہ ہوگا، پس ثابت ہوا کہ لفظ کے اطلاق

عہ اقول وبھذا وللہ الحمد ظھر

میں کہتا ہوں اس سے فقہاء کے اس قول کے معنی

(باقی برصفحہ آئندہ)

من اطلاق اللفظ هی الذات الموضوع لها من دون نقص ولا زیادۃ یغیرانها فکل عارض لا یعتری بها المعروض تغیر فی ذاتہ وان کان ھناك نقص او زیادۃ فی امر خارج فھو لا یمنع المعروض من الدخول تحت الشیئ المطلق والا منع وبہ علم ان بطلان

سے وہی ذات مراد ہوتی ہے جس کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہو، اس میں نہ تو کوئی کمی ہو نہ زیادتی، جس کی وجہ سے ذات میں کوئی تغیر آتا ہو، تو ہر وہ عارض جس کی وجہ سے ذات میں کوئی تغیر نہ ہو خواہ کسی خارجی امر میں کمی بیشی ہو تو یہ چیز معروض کے مطلق شئی کے تحت آنے میں مخل نہ ہوگی ورنہ مانع ہوگی۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

معنی قولھم المطلق ینصرف الی الفرد الکامل وقولھم المطلق ینصرف الی الادنی وتبین انہ لاخلاف بینھما فالمطلق ینصرف فی الطلب الی ادنی ما یطلق علیہ سواء کان مطلوب الفعل اذ یکفی لبراءۃ الذمۃ او الترك اذ الممنوع جنسہ فلا یجوز شیئ منہ لکن ینصرف الی فرد کامل فی الذات لم یعرضہ ما یجعلہ ناقصا فی ذاتہ بالمعنی المذکور لعدم انفھامہ من المطلق فالمنصرف الیہ ادنی ما کمل فیہ الذات ھذا ھو التحقیق الانیق اما ما قال الشامی ان انصراف المطلق الی الفرد الکامل یذکر فی مقام الاعتذار فمحلہ اذا حمل المطلق علی کامل فی وصف اٰخر وراء الکمال فی الذات اتقنہ فانہ علم نفیس وباللہ التوفیق ۱۲ منہ غفر لہ حفظہ ربہ تعالٰی۔ (م)

واضح ہوگئے کہ مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے، نیز یہ کہ مطلق کو ادنٰی کی طرف پھیرا جاتا ہے اور یہ کہ دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ طلب میں مطلق سے ادنٰی مراد ہوتا ہے، عام ازیں کہ مطلوب فعل ہو کہ وہ براءت ذمہ کے لیے کافی ہوتا ہے یا ترک ہو کہ ممنوع اس کی جنس ہوتی ہے تو اس میں سے کچھ بھی جائز نہیں ہوتا ہے لیکن فرد کامل فی الذات مراد ہوتا ہے، اس میں کوئی چیز ایسی نہ ہونی چاہیے جو اس کی ذات میں مذکور معنی کے اعتبار سے موجب نقص ہو کیونکہ اس صورت میں وہ مطلق سے مفہوم نہ ہوگا، تو جس کی طرف پھیرا جاتا ہے وہ ادنٰی ہے اس چیز کا جس میں ذات مکمل ہوتی ہو یہ تحقیق انیق ہے، اور شامی نے جو کہا ہے کہ مطلق کا فرد کامل کی طرف پھرنا مقام اعتذار میں ذکر کیا جائیگا تو اس کا محل یہ ہے کہ مطلق جب کسی ایسے امر پر محمول ہو جو کسی دوسرے وصف میں کامل ہو ذات کے علاوہ۔ اس کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ نفیس علم ہے ۱۲ منہ غفر لہ حفظہ ربہ تعالٰی۔ (ت)

الحقیقة فی المرکب مع المساوی والغالب
لغة وعرفا وشرعا مطلقا ومع القلیل
المذکور عرفا مع بقاء الحقیقة اللغویة
ولذا کان المقید قسما من مطلق الماء و
فی جهة النقص قد تبطل مطلقا اذا کان
ذلك الوصف جاریا مجری الرکن فی
الوضع اللغوی ایضا کالسیلان للماء وقد
تبقی لغة وتبطل عرفا اعنی عن المتفاهم
العرفی عند اطلاق الاسم وذلك اذا تبدلت
المقاصد العرفیة کالرقبة علی الاقطع فانها
حقیقة فیه لغة ولا یفهم منها عرفا اذا علمت
هذا فالنقص فی الماء بزوال سیلانه اورقته
فالثخین لایسمی ماء فضلا عن الجمد و
الزیادة باختلاطه باکثر منه قدرا اومساو
اوبما یصیر به مرکبا ممتازا امتیازا بالغرض
کالمنقوع فیه التمر اذا صار نبیذا والمطبوخ
فیه اللحم اذا صار مرقا والمحلول فیه
الزعفران اذا صار صبغا والمخلوط فیه
اللبن اذا صار ضیاحا فعن هذا تتشعب
الفروع جمیعا علی مذهب قاضی الشرق و
الغرب الصحیح المصحح کما تقدم عن
الهدایة والخانیة ولاشك ان فی هذه الوجوه
الاربعة تبدل الذات حقیقة اوعرفا و
محمد زاد خامسا وهو ما اشبه المائع
الممازج له بحیث یکاد یحسبه الذی

کہ حقیقت کا مرکب میں باطل ہونا مساوی اور غالب کے
ساتھ ہے لغۃً، عرفاً اور شرعاً، مطلقاً، اور قلیل مذکور
کے ساتھ عرفاً مع حقیقتِ لغویہ کے باقی رہنے کے اس لئے
مقید، مطلق پانی کی قسم ہوتا ہے، اور نقص کی جہت میں
کبھی حقیقۃً مطلقاً باطل ہوجاتی ہے جبکہ وصفِ وضعِ لغوی
اعتبار سے بھی رکن کے قائم مقام ہو جیسے پانی کے لیے
سیلان، اور کبھی حقیقۃ لغۃً تو باقی رہتی ہے اور عرفاً
باطل ہوجاتی ہے، یعنی نام کو بولے جانے کے وقت عرف
کے فہم میں نہیں آتی، اور یہ اُسی وقت ہوتا ہے جب
مقاصد عرفیہ بدل جائیں جیسے "رقبۃ" اقطع پر کیونکہ
یہ اس میں حقیقۃ ہے لغۃً لیکن عرفاً اس سے نہیں
سمجھا جاتا ہے۔ جب آپ نے یہ جان لیا تو پانی میں
نقص کی صورت یہ ہوگی کہ اس کا سیلان یا اس کی رقت
ختم ہوجائے تو گاڑھے کو پانی نہیں کہیں گے چہ جائیکہ
جمد کو، اور اس میں زیادتی کی صورت یہ ہوگی کہ وہ کسی
ایسی چیز میں مخلوط ہوجائے جو مقدار میں اُس سے زیادہ
یا اس کے برابر ہو یا اُس چیز سے جس سے مرکب ہوکر
وہ ممتاز ہوجائے اور مقصد کے اعتبار سے بالکل مختلف
ہوجائے، جیسے وہ پانی جس میں کھجوریں بھگوئی جائیں تو
وہ نبیذ بن جائے، اور جس میں گوشت پکایا جائے اور
وہ شوربہ ہوجائے، اور جس میں زعفران ملایا جائے
اور وہ رنگ بن جائے اور جس کو دودھ میں ملایا جائے
یہاں تک کہ وہ لسی ہوجائے، اسی اصل پر قاضی
شرق وغرب کے مذہب پر تمام فروع متفرع ہوتی ہیں،
جیسا کہ ہدایہ اور خانیہ سے گزرا، اور اس میں شک

لا یعلمہ انہ ذلک الماء ویظن انہ لیس بماء فمثل ھذا لا یدخل عندہ فی المتفاھم من مطلق الماء فمناط المنع عند ابی یوسف صیرورتہ غیر الماء ولو عرفا وعند محمد صیرورتہ بحیث یحسبہ المستعمل مائعا اٰخر غیر الماء ولو ظنا وبالجملۃ یرتاب فی کونہ ماء وعلیہ بناء ضابطۃ الامامین الاسبیجابی وملک العلماء رحمھما اللہ تعالٰی وھی التی قابلناھا بالضابطۃ الزیلعیۃ وبینا فی القسمین الاولین ما اتفقتا فیہ علی الجواز او المنع وفی الثالث ما اختلفتا فیہ وسیاتی بیان کل ذلک ان شاء اللہ الکریم الوھاب۔

نہیں کہ ان چاروں صورتوں میں ذات حقیقۃً یا عرفاً تبدیل ہوجاتی ہے، اور امام محمد نے ایک پانچویں صورت کا اضافہ فرمایا ہے اور وہ، وہ پانی ہے جو اس سیال شَے سے مشابہ ہو جو اس میں ملائی گئی ہے، اور وُہ ایسا ہوجائے کہ ناواقف حال اس کو وہی شَے سمجھے پانی نہ سمجھے، اس قسم کی چیز ان کے نزدیک مطلق ماء کے مفہوم میں داخل نہیں، تو ابو یوسف کے نزدیک منع کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ پانی کا غیر ہوجائے خواہ عرفاً ہی۔ اور امام محمد کے نزدیک اس پر ہے کہ اس کو استعمال کرنے والا پانی کے علاوہ کوئی اور مائع سمجھنے لگے خواہ صرف گمان ہی ہو۔ خلاصہ یہ کہ وہ اس کے پانی ہونے میں شک کرے، اور اسی پر ضابطہ مبنی ہے، یہ ضابطہ امام اسبیجابی اور ملک العلماء نے بیان کیا ہے، یہی وہی ضابطہ ہے جس کا مقابلہ ہم نے ضابطہ زیلعیہ سے کیا ہے اور پہلی دو قسموں میں بیان کیا ہے کہ ان کا اتفاق جواز اور منع میں ہے اور تیسرے میں وہ جس میں ان کا اختلاف ہے اس کا بیان ان شاء اللہ تعالٰی آئے گا۔ (ت)

فان قلت علی ما قررت یلزم خروج الماء المتنجس والمستعمل من اسماء المطلق فان من اعظم مقاصد الماء حصول التطھیر قال اللہ تعالٰی وینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم بہ وقد سقط ھذا منھما فیزاد فی جانب النقص علی زوال السیلان والرقۃ زوال صفۃ الطھوریۃ

اقول الحقائق الشرعیۃ للمقاصد الشرعیۃ فبفواتھا تفوت کالصوم والصلاۃ اما الماء

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس بنا پر ناپاک اور مستعمل پانی کا ماءِ مطلق سے خارج ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ پانی کا سب سے بڑا مقصد پاکی کا حصول ہے، فرمانِ الٰہی ہے "وہ تم پر آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے تاکہ اس سے تم کو پاک کرے" اور یہ وصف اُن دونوں پانیوں سے ختم ہوگیا، تو جانبِ نقص میں زوالِ سیلان و رقت پر صفتِ طہوریۃ کے زوال کا اضافہ کیا جائیگا۔ میں کہتا ہوں حقائقِ شرعیہ مقاصدِ شرعیہ کے لیے ہوتے ہیں، تو جب مقاصدِ شرعیہ فوت ہوجائیں

وحقیقۃ عینیۃ والمعتبر فی بقائہا المقاصد العرفیۃ الاتری ان اعظم المقصود من الانسان العبادۃ قال تعالٰی وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون وقد فاتت الکافر اذ لیس اھلا لہا ومع ذٰلک لم یخرج من اسقاطہم باطلاق الانسان قال تعالٰی ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وقال تعالٰی قتل الانسان مااکفرہ۔

توحقائق بھی فوت ہوجاتے ہیں، جیسا روزہ اور نماز، اور پانی حقیقۃ عینیہ ہے اور اسی کی بقاء میں مقاصد عرفیہ ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ انسان کا بڑا مقصود عبادت ہے فرمانِ الٰہی ہے" اور میں نے انس وجن کو عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے" اور یہ چیزیں کافر میں نہیں پائی جاتی ہیں کیونکہ وہ عبادت کا اہل نہیں، اس کے باوجود جب لفظ انسان کا اطلاق کیا جاتا ہے تو مفہوم انسان سے خارج نہیں ہوتا ہے فرمانِ الٰہی ہے" بلاشبہ انسان خسارے میں ہے سوائے ایمان والوں کے"۔ فرمانِ الٰہی ہے" لعنت ہو انسان پر کتنا ناشکرا ہے۔ (ت)

بالجملہ تحقیق فقیر غفرلہ میں مائے مطلق کی تعریف[عہ] یہ ہے کہ وہ پانی کہ اپنی رقتِ طبعی پر باقی ہے اور اس کے ساتھ کوئی ایسی شے مخلوط وممتزج نہیں جو اُس سے مقدار میں زائد یا مساوی ہے نہ ایسی جو اُس کے ساتھ مل کر مجموع ایک دوسری شے کسی جُدا مقصد کے لیے کہلائے ان تمام مباحث بلکہ تفہیم کے لیے جملہ فروع مذکورہ وغیرمذکورہ کو ان دو بیت میں منضبط کریں ؎

مطلق آبے ست کہ بر رقتِ طبعی خود ست ۔۔۔ نہ در و مزج دگر چیز مساوی یا بیش

نہ بخلطے کہ بترکیب کند چیز دگر ۔۔۔ کہ بود زآب جُدا در لقب ومقصد خویش

عہ منیہ وسید کی تعریفیں کہ حاشیہ پر گزریں ۱۳ و ۱۴ تھیں اور یہ تعریف رضوی بحمدہ تعالٰی پانزدھم

ثم وجدت عن المجتبی تعریفا اٰخر ذکرہ عنہ فی انجاس البحران الماء المقید ما استخرج بعلاج کماء الصابون والحرض والزعفران والاشجار والاثمار والباقلاء اھ فالمطلق خلافہ اقول لیس بشیئ ویوافقہ اول الاقوال الاٰتیۃ فی الاضافات وسیاتی ردہ ثمہ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

پھر میں نے مجتبٰی سے ایک اور تعریف بحر کے انجاس میں دیکھی کہ مقید پانی وہ ہے جو کسی عمل کے ذریعہ نکالا جائے، جیسے صابون کا پانی اور حرض، زعفران، درختوں، پھلوں اور باقلی کا پانی اھ اور مطلق اس کے خلاف ہے، میں کہتا ہوں یہ کچھ بھی نہیں، اس کی موافقت اضافات میں وارد شدہ پہلے قول سے ہوتی ہے، اس کی تردید وہاں ہوگی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

و باللہ التوفیق ؛ ولہ الحمد علی ارارۃ الطریق ؛ وافضل الصلاۃ واکمل السلام علی الحبیب الرفیق ؛ واٰلہ وصحبہ اولی التحقیق وسائر من دانہ بالایمان والتصدیق ؛ اٰمین ؛ والحمد للہ رب العٰلمین۔

اضافات بہت چیزوں پر پانی کا نام کسی شَے کی طرف مضاف کرکے بولا جاتا ہے اُن میں بعض تو جنسِ آب سے خارج ہیں اور اطلاق آب محض بطور تشبیہ جیسے آبِ زر آبِ کافور اور جو حقیقۃً پانی ہیں ان میں کچھ مائے مطلق ہیں جیسے آبِ باراں آبِ دریا اور کچھ مائے مقید جیسے ماء العسل ماء الشعیر اول کو اضافت تعریف کہتے ہیں اور دوم کو اضافتِ تقیید۔ علماء نے ان میں چند طرح فرق فرمایا :

اوّل جو پانی کسی شے سے بذریعہ تدبیر نکالا جائے اُس کی طرف پانی کی اضافت اضافتِ تقیید ہوگی ورنہ اضافتِ تعریف، عنایہ و بنایہ میں ہے :

اضافتہ الی الزعفران للتعریف لا للتقیید والفرق بینھما ان المضاف ان لم یکن خارجا عن المضاف الیہ بالعلاج فالاضافۃ للتعریف وان کان خارجا منہ فللتقیید کماء الورد[1] اھ **اقول** ان کان المراد حدوثہ بالتدبیر کما ھو فی ماء الورد وسائر المستقطرات ورد ماء النارجیل وماء الحبحب وماء النخل الھندی المسمی تاڑ فانھا موجودۃ وانما التدبیر لاخراجھا کالفصد لاخراج الدم وان ارید ظھورہ بہ فان لم یرد ماء البئر لان ظھورہ من الارض بالتدبیر بحفر البئر لامن المضاف الیہ ورد ماء العسل فان الماء

پانی کی اضافت زعفران کی طرف تعریف کے لیے ہے نہ کہ تقیید کے لیے، اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر مضاف، مضاف الیہ سے عمل کے ذریعہ نہ نکالا گیا ہو تو اضافت تعریف کے لیے ہے اور اگر تدبیر سے خارج ہو تو تقیید کے لیے ہے جیسے گلاب کا پانی اھ میں کہتا ہوں اگر ان کی مراد اس کا حدوث ہے تدبیر سے جیسے گلاب کے پانی میں یا دوسرے اُن پانیوں میں ہیں جو نچوڑ کر نکالے جاتے ہیں، تو ناریل کا پانی، تربوز کا پانی، تاڑی کا پانی، اس کے علاوہ ہیں کہ یہ پانی سے ہی موجود ہوتے ہیں تدبیر صرف ان کے نکالنے کے لیے کی جاتی ہے جیسے خون نکالنے کے لیے فصد کھلوائی جاتی ہے ، اور اگر یہ مراد ہو کہ اس کا اس کے ذریعہ ظہور ہو، پس اگر کنوئیں کے پانی سے اعتراض نہ ہو کہ اس کا ظہور بھی زمین کے کھودنے

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳

فان الماء طاهر بنفسه انما التدبیر فی امتزاجه طبخا بالعسل فان ارید ماء العسل من حیث هو ماء العسل فحدوثه بالتدبیر لا مجرد ظهوره۔

سے ہوتا ہے مضاف الیہ سے نہیں ہوتا تو شہد کے پانی کے ذریعہ اعتراض وارد ہوگا، کیونکہ پانی بنفسہٖ ظاہر ہے تدبیر تو اس کو شہد میں ملا کر پکانے سے ہوتی ہے اور اگر شہد کا پانی من حیث ہو مراد ہو تو اس کا حدوث تدبیر سے ہوگا نہ کہ محض ظہور سے۔ (ت)

دوم جہاں ماہیت مضاف کامل ہو اضافت تعریف کے لیے ہے جیسے نمازِ فجر اور قاصر ہو تو تقیید کے لیے جیسے نمازِ جنازہ کہ رکوع وسجود وقراءت وقعود نہیں رکھتی، کفایہ ومجمع الانہر میں ہے:

علامة اضافة التقیید قصور الماهیة فی المضاف کأن قصورها قیده کیلا یدخل تحت المطلق مثاله حلف لا یصلی فصلی الظهر یحنث لانها صلاة مطلقة واضافتها الی الظهر للتعریف ولا یحنث بصلاة الجنازة لانها لیست بصلاة مطلقة واضافتها الیها للتقیید[1]

تقیید کی اضافت کی علامت مضاف میں ماہیت کا ناقص ہونا ہے، گویا اس کا ناقص ہونا اس کی قید ہے تاکہ مطلق کے تحت داخل نہ ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے حلف اٹھایا کہ وہ نماز نہ پڑھے گا پھر اس نے ظہر کی نماز پڑھی تو حانث ہوجائیگا کہ وہ مطلق نماز ہے اور اس کی اضافت ظہر کی طرف تعریف کے لیے ہے اور نماز جنازہ پڑھنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ وہ مطلق نماز نہیں ہے اور اس کی اضافت جنازہ کی طرف تقیید کے لیے ہے۔ (ت)

اسی طرح شلبیہ علی الزیلعی میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ سے ہے نیز اُسی میں مشکلات امام خواہر زادہ

ع هذا هو مفاد کلام الامام العینی اذ جعل ماء الباقلی خارجا بالتدبیر والا فالماء لاحدث به ولا ظهر بل کان موجودا ظاهرا من قبل انما حدث الممزوج من حیث هو ممزوج فتعین فی کلامه الشق الاول ۱۲ منه غفر له۔ (م)

یہ عینی کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے، انہوں نے باقلی کے پانی کو تدبیر سے خارج ہونے والا پانی قرار دیا ہے ورنہ پانی میں کوئی حدوث ہے اور نہ ظہور، بلکہ وہ موجود و ظاہر پہلے تھا البتہ ممزوج من حیث الممزوج بعد میں پیدا ہوا، تو ان کے کلام میں شق اول متعین ہوگئی ۱۲ منہ غفر لہ (ت)

---

[1] شلبیہ علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۱

سے ہے :

كل ماكانت الماهية فيه كاملة فالاضافة فيه للتعريف وماكانت ناقصة فالاضافة للتقييد نظير الاول ماء السماء وماء البحر وصلاة الكسوف ونظير الثاني ماء الباقلاء وصلاة الجنازة اھ[1] اقول قصور الماهية انما هو في ماء الباقلاء ونحوه مما ثخن وزالت رقته اما في المتغير بالزيادة كالانبذة والمذق فتبدلت لانقصت الاٰن يراد بالقصور والنقص ما يعم الانتفاء مجازا تقول العرب قل اى عدم كما في نسيم الرياض۔

ہر وہ چیز جس میں ماہیت کامل ہو تو اس میں اضافت تعریف کے لیے ہے اور جس میں ماہیت ناقص ہو تو اس میں اضافت تقیید کے لیے ہے پہلے کی نظیر ماء السماء اور ماء البحر اور صلوٰۃ الکسوف ہے اور دوسری کی مثال ماء الباقلی اور صلاۃ الجنازہ ہے اھ میں کہتا ہوں ماہیت کا ناقص ہونا ماء الباقلا میں ہے یا اس قسم کے اور پانیوں میں جو گاڑھے پڑگئے ہوں اور ان میں سے رقت ختم ہوگئی ہو لیکن وُہ پانی جو کسی زیادتی کے باعث متغیر ہوگئے ہوں جیسے نبیذ و مذق تو یہ تبدیل ہوئے ہیں کم نہیں ہوئے۔ ہاں اگر قصور و نقص سے مراد وہ ہو جو انتفاء کو عام ہو مجازاً، عرب کے لوگ کہتے ہیں قَلَّ یعنی معدوم ہوگیا، نسیم الریاض میں ایسا ہی ہے۔ (ت)

سوم جسے بے حاجت ذکر قید پانی کہہ سکیں وہاں اضافت تعریف کی ہے اور جہاں پانی کہنے میں ذکر قید ضروری ہو تقیید کی، مراقی الفلاح میں ہے :

الفرق بين الاضافتين صحة اطلاق الماء على الاول دون الثاني اذ لايصح ان يقال لماء الورد هذا ماء من غير قيد بالورد بخلاف ماء البئر لصحة اطلاقه فيه[2]۔

دونوں اضافتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی پر پانی کا اطلاق صحیح ہے دوسری پر نہیں ہے کیونکہ گلاب کے پانی کو ھذا ماءٌ کہنا صحیح نہیں، اس میں ورد کی قید لگانا ضروری ہے، ہاں کنوئیں کے پانی کو ھذا ماءٌ کہہ سکتے ہیں۔ (ت)

بحر میں ہے :

ماء البحر الاضافة فيه للتعريف بخلاف الماء المقيد فان القيد لازم له لايجوز

ماء البحر اس میں اضافت تعریف کے لیے ہے بخلاف مقید پانی کے، کیونکہ قید اس کو لازم ہے

---

[1] شلبیہ علی التبیین الحقائق کتاب الطہارۃ مطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ۲۱/۱
[2] مراقی الفلاح " " " " ص ۱۳

اطلاق الماء علیہ بدون القید کماء الورد[1] اھ۔

اس پر پانی کا اطلاق بلاذکرِ قید جائز نہیں جیسے گلاب کا پانی اھ۔ (ت)

اقول ھذا ھو السابع فی تعریفات المطلق والکلام الکلام فیقال ماء الورد لیس ماء حقیقۃ فعلی التحقیق لیس من المقید اما المقید کماء الزعفران الصالح للصبغ فماء قطعا ویصح ان یقال ھذا ماء لان صحۃ حمل المقسم علی القسم من الضروریات نعم لایفھم من اطلاق قولنا الماء وھذا شیئ غیر الحمل ولایصح ارادۃ حمل الماء المطلق فیرجع الی ان المقید یحمل علیہ الماء المطلق مع ذکر القید وھذا جمع بین النقیضین والجواب مامر۔

میں کہتا ہوں یہ مطلق کی ساتویں تعریف ہے اور اس پر وہی گفتگو ہے جو گزری، کہا جاتا ہے گلاب کا پانی، حالانکہ درحقیقت یہ پانی نہیں ہے تو تحقیقی طور پر یہ مقید نہیں مقید جیسے ماء الزعفران جو رنگنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو یہ قطعاً پانی ہے اور اس کو ھذا ماءٌ کہہ سکتے ہیں کیونکہ مقسم کا قسم پر محمول ہونا بدیہیات میں سے ہے، ہاں جب ہم الماء اور ھذا کہتے ہیں تو اس سے سوائے حمل کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور ماءِ مطلق کے حمل کا ارادہ صحیح نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقید پر الماء المطلق محمول ہوگا اور قید بھی ذکر کی جائے گی اور یہ جمع بین النقیضین ہے اور جواب وُہ ہے جو گزرا۔ (ت)

چہارم جس سے پانی کی نفی کر سکیں یعنی کہہ سکیں کہ یہ پانی نہیں وہاں اضافت تقیید کی ہے ورنہ تعریف کی، تبیین[2] میں ہے:

اضافتہ الی الزعفران ونحوہ للتعریف کاضافتہ الی البئر بخلاف ماء البطیخ ونحوہ حیث تکون اضافتہ للتقیید ولھذا ینفی اسم الماء عنہ ولایجوز نفیہ عن الاول[2] اھ

اس کی اضافت زعفران وغیرہ کی طرف تعریف کیلئے ہے جیسے پانی کی اضافت کنویں کی طرف، بخلاف ماء البطیخ وغیرہ کے، وہاں اضافت تقیید کیلئے ہے اس لیے پانی کا نام اُس سے منفی کیا جاتا ہے اور اس کی نفی اول سے جائز نہیں اھ (ت)

اقول ھذا ھو ثامن تعریفات المطلق

میں کہتا ہوں یہ مطلق کی آٹھویں تعریف ہے

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۶/۱
[2] تبیین الحقائق " الامیریہ بولاق مصر ۲۱/۱

والبحث البحث فیقال ان القسم لایصح نفی المقسم عنہ حقیقۃ ابدا وان ارید نفی الماء المطلق مع بعدہ عن ظاہر العبارۃ یرجع الی ان اضافۃ التقیید فی الماء المقید وھذا لایجدی شبہ الحمل الاول والجواب مامر۔

اور اس میں جو بحث ہے وہ بحث ہے اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قسم سے مقسم کی نفی صحیح نہیں حقیقۃً، اور اگر ماءِ مطلق کی نفی کا ارادہ کیا جائے، حالانکہ بظاہر عبارۃ سے یہ بعید ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اضافتِ تقیید ماءِ مقید میں ہے، اور یہ پہلے حمل کی طرح غیرمفید ہے اور جواب وُہ ہے جو گزرا۔ (ت)

پنجم جہاں امورِ خارجہ عن الذات مثل محل یا صفت یا مجاور کی طرف اضافت ہو تعریفِ ذات اُس کی محتاج نہ ہو وہ اضافت تعریف ہے غنیہ میں ہے :

مایسمی فی العرف ماء من غیر احتیاج الی التقیید فی تعریف ذاتہ فاضافتہ الی محلہ کماء البئر اوصفتہ کماء المد او مجاورہ کماء الزعفران لیست بقید[1]۔

وہ جس کو عرف میں پانی کہا جاتا ہے جس کی ذات کی تعریف میں تقیید کی ضرورت نہیں، تو اس کی اضافت اس کے محل کی طرف ہے جیسے ماء البئر یا اس کی صفت کی طرف ہے جیسے ماء المد یا اس کے مجاور کی طرف ہے، جیسے ماء الزعفران یہ قید نہیں ہے۔ (ت)

ششم جہاں ماہیت بے قید نہ پہچانی جائے اضافت تقیید ہے ولہذا اُس پر بلاقید لفظ آب کا اطلاق جائز نہ ہوگا اور جہاں بے ذکرِ قید اطلاق لفظ صحیح ہو اضافت تعریف ہے، حلیہ میں ہے :

المقید لاتعرف ذاتہ الا بالقید ولھذا کانت الاضافۃ لازمۃ فلایسوغ تسمیتہ ماء علی الاطلاق بخلاف اضافۃ الماء المطلق الی نحو البئر والعین فانھا اضافۃ الی ماء منہ بد فھی عارضۃ لافادۃ عارض من عوارضہ وھو بیان محلہ الکائن فیہ او الخارج منہ الذی یمکن الاستغناء عن ذکرہ فی صحۃ اطلاق لفظ الماء علیہ و

مقید کی ذات کی معرفت بلاقید نہیں ہوتی ہے اس لیے اضافت لازم ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو مطلق پانی کہنا جائز نہیں بخلاف ماءِ مطلق کی اضافت کے کنویں اور چشمے کی طرف، کیونکہ یہ ایسی چیز کی طرف اضافت ہے جو ضروری نہیں، تو یہ عارضی ہے، کیونکہ یہ اُس کے عوارض میں سے کسی ایک عرض کا فائدہ دے رہی ہے، اور یہ اس کے محل کا بیان ہے جس میں کہ وہ ہے، جس سے وہ خارج ہو کہ اس کے ذکر سے استغنا ممکن

---

[1] غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۸

لھذا ساغ ان یطلق القائل علیہ ماء اطلاقا حقیقیا من غیر تقیید بالبئر و نحوھا وقد ظھر من ھذا التقیید انہ لم یمنع اندراج المقید بہ تحت الماء المطلق بخلاف الاول اھ۔

ہو اور اس پر صرف ماء کا اطلاق صحیح ہو، اس لیے اس پر ماء کا اطلاق حقیقی بئر وغیرہ کی قید کے بغیر بھی جائز ہے، اس تقیید سے ظاہر ہُوا کہ جو اس قید کے ساتھ مقید ہو اس کا ماءِ مطلق میں داخل ہونا ممنوع نہیں بخلاف اول کے اھ (ت)

اقول اقتصر الغنیۃ علی الثانی من تعریفات المطلق وجمع الحلیۃ بینہ و وبین السابع فمشی علی الثانی فی تحدید اضافۃ التقیید وعلی السابع فی تعریف اضافۃ التعریف ولا غرو فالامر قریب۔

میں کہتا ہوں غنیہ نے مطلق کی دوسری تعریف پر اکتفا کیا ہے اور حلیہ نے اس کو اور ساتویں کو جمع کیا ہے، اور اضافۃِ تقیید کی تعریف میں انہوں نے دوسری کو ملحوظ رکھا ہے اور اضافتِ تعریف میں ساتویں کو، مگر یہ قریب قریب درست ہے۔ (ت)

ہفتم[عہ] جس کی ماہیت بے اضافت پہچانی جائے اور مطلق نام آب لینے سے مفہوم ہو وہاں اضافت تعریف کی ہے ورنہ تقیید کی۔ شلبیہ علی الزیلعی میں امام حافظ الدین کی مستصفٰی سے ہے:

فان قیل مثل ھذہ الاضافۃ یعنی ماء الباقلاء واشباھہ موجود فیما ذکرت من المیاہ المطلقۃ لانہ یقال ماء الوادی وماء العین قلنا اضافتہ الی الوادی والعین اضافۃ تعریف لا تقیید لانہ تتعرف ماھیتہ

اگر کہا جائے کہ اس جیسی اضافت یعنی ماء الباقلی وغیرہ کی مذکورہ مطلق پانیوں میں بھی موجود ہے، اس لیے کہ ماء الوادی اور ماء العین کہا جاتا ہے، ہم کہتے ہیں پانی کی اضافت وادی اور عین کی طرف تعریف کے لیے ہے نہ کہ تقیید کے لیے، کیونکہ ان کی ماہیت کو

عہ اقول ھذہ سبع عبارات الثلٰث الاُخری منھا متقاربۃ المعنی بل متحدۃ المآل مختلفۃ المبنی والثالثۃ والرابعۃ تعریفان بما یستلزم ھذا المعنی والنقص والقصور فی الاولیین واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

میں کہتا ہُوں یہ سات عبارتیں ہیں ان میں سے آخری تین معنوی اعتبار سے قریب ہیں بلکہ انجام کے اعتبار سے متحد ہیں، عبارت میں مختلف ہیں، تیسری اور چوتھی تعریفیں اُس چیز کے ساتھ ہیں جو اس معنی کو مستلزم ہیں، اور نقص وقصور پہلی دو تعریفوں میں ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] حلیہ

بدون هذه الاضافة وتفهم بمطلق قولنا الماء بخلاف ماء الباقلاء واشباهه فانه لاتعرف ماهيته بدون ذلك القيد ولاينصرف الوهم اليه عند الاطلاق ولهذا صح نفي اسم الماء عنه فيقال فلان لم يشرب الماء وانكان شرب الباقلاء او المرق ولوكان ماء حقيقة لما صح نفيه لان الحقيقة لا تسقط عن المسمی ابدا ویکذب نافیها وهذا کما یقال صلاۃ الجمعة ولحم الابل وصلاۃ الجنازۃ ولحم السمك[1] اھ وقد ذکر نحوہ فی کافیه وجلال الدین فی کفایته والبدر محمود فی بنایته **اقول** جمع بین الثانی والثانی عشر بل والثامن ارشدا الی تقاربها ولو اکتفی بالتوسط[عہ] لکفی وصفا عن

اس قید کے بغیر بھی سمجھا جاسکتا ہے اور مطلق لفظ ماء سے سمجھ میں آجاتے ہیں بخلاف باقلی وغیرہ کے پانیوں کے، کیونکہ ان کی ماہیت اس قید کے بغیر سمجھ میں نہیں آتی ہے اور جب مطلق لفظ ماء بولا جاتا ہے تو ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوتا ہے، اس لیے پانی کے لفظ کی نفی ان پانیوں سے درست ہے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ فلاں نے پانی نہیں پیا، اگرچہ اس نے شوربہ یا باقلی کا پانی پیا ہو، اور اگر یہ حقیقۃً پانی ہوتے تو یہ نفی صحیح نہ ہوتی کیونکہ حقیقت کبھی اپنے مسمّی سے ساقط نہیں ہوتی ہے اور جو شخص اس کی نفی کرے اس کی تکذیب کی جاتی ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ صلوٰۃ الجمعۃ، لحم الابل، صلاۃ الجنازۃ اور لحم السمک کہا جاتا ہے اھ اسی قسم کی چیز انہوں نے اپنی کافی میں ذکر کی اور جلال الدین نے کفایہ

[عہ] ثم رأیت الامام العینی کذلك فعل فی البنایة اذ قال الاضافة نوعان اضافة تعریف کغلام زید وانه لایغیر المسمی و اضافة تقیید کماء العنب وانه یغیرہ وانه لایفھم من مطلق اسم الماء اھ **اقول** استدلال انی والمراد بماء العنب ما نقع فیه العنب لانه الماء المقید لاما یخرج بعصرہ فانه لیس من الماء اصلا کما قدمنا فی حاشیته ۲۰۷ خلافا

اقول پھر امام عینی نے بنایہ میں ایسا ہی کیا ہے فرمایا اضافت کی دو قسمیں ہیں ایک اضافت تعریف کے لیے ہے جیسے غلام زید، یہ مسمّی میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرتی ہے اور دوسری اضافت برائے تقیید، جیسے ماء العنب، یہ مسمّٰی کو متغیر کردیتی ہے اور مطلق ماء کے نام سے مفہوم نہیں ہوتا ہے اھ میں کہتا ہوں یہ استدلال "اِنّی" ہے اور ماء العنب سے مراد وہ پانی ہے جس میں انگور پڑے ہوئے ہوں کیونکہ یہی ماءِ مقید ہے وہ نہیں جو

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] شلبیہ مع تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

مجال کل جدال ۔ میں اور بدر محمود نے بنایا ہیں ۔ میں کہتا ہوں انہوں نے دوسرے اور بارہ کو یکجا کر دیا ہے بلکہ آٹھ کو بھی، تاکہ ان کے قریب قریب ہونے کا پتا چل جائے، اور اگر درمیانی پر اکتفا کر لیتے تو کوئی جھگڑا باقی نہ رہتا۔ (ت)

بالجملہ اصح و احسن وہی تعریف اخیر مائے مطلق پر یہاں بھی حوالہ ہے کہ جس کی طرف مطلق آب کہنے سے افہام سبقت کریں اُس کی اضافت اضافتِ تعریف ہے ورنہ اضافتِ تقیید **اقول** یعنی جبکہ جنس آب حقیقی لغوی سے خارج نہ ہو ورنہ اضافتِ تقیید بھی نہیں محض مجاز ہے جیسے آبِ زر واللہ تعالیٰ اعلم ۔

فصل ثالث ضوابط جزئیہ متون وغیرہا ۔

اقول وباللہ التوفیق اوّل چند مسائل اجماعیہ ذکر کریں کہ کوئی ضابطہ اُن کے خلاف نہیں ہو سکتا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

لما اوھم العلامۃ ابن کمال ثم رأیت فی نص الکفایۃ التصریح بما ذھبت الیہ اذقال لایجوز بما اعتصر لانہ لیس بماء حقیقۃ ثم **اقول** احال الامام العینی امر التعریف و التقیید علی التغیر وعدمہ و علله بالا نفھام من المطلق وعدمہ وھذا اجلی من التغیر المبھم فکان الاولی الارادۃ علیہ کما فعل قبلہ فی غایۃ البیان اذ قال و اضافتہ الی البئر للتعریف لا للتقیید اذ یفھم بمطلق قولنا الماء اھ والعجب ان العینی مشی ھھنا علی ھذا الصحیح ثم بعد ورقتین عاد الی الاول الجریح ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

نچوڑنے سے نکلے، کیونکہ وہ تو پانی ہے ہی نہیں، جیسا کہ ہم نے ... کے حاشیہ میں ذکر کیا، یہ علامہ ابن کمال کے وہم کے برخلاف ہے پھر مجھے کفایہ میں یہی تصریح مل گئی، وہ فرماتے ہیں اس پانی سے وضو جائز نہیں جو نچوڑا گیا ہو کیونکہ وہ درحقیقت پانی نہیں ہے ۔ پھر میں کہتا ہوں امام عینی نے تعریف و تقیید کا دارومدار تغیر و عدمِ تغیر پر رکھا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی کہ وہ مطلق سے مفہوم ہوتا ہے یا نہیں، اور یہ تغیر مبہم سے زیادہ واضح ہے تو اولیٰ یہ ہے کہ اسی پر دارومدار کیا جائے جیسا کہ اس سے قبل غایۃ البیان میں کیا ہے فرمایا اس کی اضافت کنویں کی طرف تعریف کیلئے ہے نہ کہ تقیید کے لیے کیونکہ وہ مطلق الماء سے مفہوم ہوجاتا ہے اھ اور تعجب ہے کہ عینی نے اس صحیح قول کو اختیار کیا، پھر دو ورق بعد وہ پہلے مجروح قول کی طرف آگئے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

(۱) اجماعِ اُمّت ہے کہ پانی کے سوا کسی مائع سے وضو غسل یعنی ازالۂ نجاست حکمیہ نہیں ہوسکتا۔

(۲) اجماع ہے کہ وُہ پانی مائے مطلق ہونا چاہیے مائے مقید سے وضو نہیں ہوسکتا سوائے نبیذ تمر کے کہ سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ابتداءً نظر بحدیث اُس سے جواز کے قائل تھے پھر رجوع فرمائی اور اُس سے بھی عدمِ جواز پر اجماع منعقد ہوگیا الاما یذکر من امام الشام الاوزاعی رحمہ اللہ تعالٰی من التجویز بکل نبیذ ان ثبت عنہ واللہ تعالٰی اعلم (مگر وہ جو امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ ہر نبیذ سے وضو جائز ہے بشرطیکہ یہ روایت ان کی طرف درست منسوب ہو واللہ تعالٰی اعلم۔ت)

(۳) اجماع ہے کہ غسل بالفتح یعنی کسی عضو کے دھونے میں اُس پر پانی کا بہنا ضرور ہے صرف تر ہوجانا کافی نہیں کہ وہ مسح ہے اور حضرت عزت عزجلالہ نے غسل و مسح دو وظیفے جُدا رکھے ہیں الّا ماحکی عن الامام الثانی رحمہ اللہ وھو مؤول کما تقدم (مگر وہ جو امام یوسف سے منقول ہے وہ مؤول ہے جیسا گزر چکا۔ت) تو پانی کا اپنے سیلان پر باقی رہنا قطعاً لازم۔

عہ وقال فی البنایۃ شذ الحسن بن صالح وجوز الوضوء بالخل وما جری مجراہ ۱۲ منہ غفرلہ۔(م)

بنایہ میں ہے کہ حسن بن صالح نے شذوذ کرتے ہوئے سرکہ اور اس قسم کی دوسری اشیاء سے وضو کو جائز قرار دیا ۱۲ منہ غفرلہٗ۔(ت)

عہ۲ وقال فی البنایۃ التوضی بالثلج یجوز ان کان ذائبا یتقاطر والا فلا ثم قال وفی مسألۃ الثلج اذا قطر قطرتان فصاعدا جاز اتفاقا والا فعلی قولھما لایجوز وعلی قول ابی یوسف یجوز اھ

بنایہ میں ہے کہ برف سے وضو جائز ہے بشرطیکہ پگھل کر ٹپک رہا ہو ورنہ نہیں، پھر برف کے مسئلہ میں فرمایا جب اُس سے دو یا زائد قطرے ٹپکیں تو وضو جائز ہے اتفاقاً ورنہ طرفین کے قول پر جائز نہیں ہے اور ابو یوسف کے قول پر جائز ہے اھ

اقول ماکان ینبغی ان یقال قولہ الموھم خلاف الواقع فانما ھی حکایۃ نادرۃ عنہ وقد قال قبلہ فی البنایۃ السیلان شرط فی ظاھر الروایۃ فلا یجوز الوضوء مالم یتقاطر الماء وعن ابی یوسف انہ لیس بشرط اھ ثم الروایۃ مؤولۃ کما علمت

میں کہتا ہوں یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ ان کا وہم پیدا کرنے والا قول خلاف واقع ہے کیونکہ یہ تو ان سے ایک نادر حکایت ہے اور اس سے قبل وہ بنایہ میں فرماچکے ہیں کہ سیلان ظاہر روایت میں شرط ہے تو جب تک پانی کے قطرے نہ ٹپکیں وضو جائز نہیں، اور ابو یوسف سے ہے کہ سیلان

(باقی برصفحہ آئندہ)

4

(۴) اجماع لغت وعرف وشرع ہے کہ دو چیزوں سے مرکب میں حکم غالب کے لیے ہے وقد قدمناہ عن المحقق علی الاطلاق فی التعریف الخامس للماء المطلق (اور ہم نے محقق علی الاطلاق سے مطلق پانی کی پانچویں تعریف میں اسکو پہلے ذکر کردیا ہے۔ ت) تو پانی میں جب اُس کا غیر اُس سے زائد مقدار میں مل جائے بحکم اجماع اوّل قابلِ وضو نہ رہے گا۔

(۵) اجماع عقل ونقل ہے کہ تعارض موجب تساقط ہے اور اجماع حاضر وبیع میں حاضر غالب تو اگر دوسری چیز مساوی القدر بھی ملے گی قابلِ وضو نہ رکھے گی وقد تقدم عــه فی ۲۶۲ (جیسا کہ ۲۶۲ میں گزر چکا۔ ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثمہ فلا ینبغی ذکرھا الابتاویلھا کیلا یتجرأ جاھل علی مخالفۃ امر اللہ تعالٰی متشبثابھا ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

شرط نہیں اھ یہ روایت مؤول ہے جیسا آپ نے جانا تو اس کو بلا تاویل ذکر کرنا درست نہیں تاکہ کوئی اس کو دیکھ کر اللہ تعالٰی کے حکم کی مخالفت کی جرأت نہ کر بیٹھے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عــه تقدم ھناک قول الغنیۃ یضم الیہ التیمم عند المساواۃ اھ وما تعقبتھا بہ والاٰن رأیت فی البنایۃ حین ارسل الی نقل ھذا الباب منھا بعض اصحابی ما نصہ حکی عن ابی طاھر الدباس انہ قال انما اختلف اجوبۃ ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لاختلاف الاسئلۃ فانہ سئل عن التوضوء اذا کانت الغلبۃ للحلاوۃ قال یتیمم ولایتوضوء وسئل عنہ ایضا کان الماء والحلاوۃ سواء ولم یغلب احدھما علی الاٰخر قال یجمع بینھما وقال السغناقی وعلی ھذہ الطریقۃ لایختلف الحکم بین نبیذ التمر وسائر

یہاں غنیہ کا قول گزر چکا ہے کہ اس کے ساتھ مساوات کے وقت تیمم کو بھی شامل کرلینا چاہئے اھ اور اس پر جو اعتراضات میں نے کئے ہیں وہ بنایہ میں بھی ہیں، میرے ایک دوست نے بنایہ کا یہ حصہ مجھے نقل کرکے بھیجا ہے اس میں ہے ابو طاہر الدباس سے منقول ہے کہ اس سلسلہ میں ابو حنیفہ کے جوابات کے مختلف ہونے کی وجہ سوالات کا اختلاف ہے اُن سے دریافت کیا گیا کہ مٹھاس کا غلبہ ہو تو کیا کریں تو فرمایا تیمم کرے وضو نہ کرے ان سے دریافت کیا گیا کہ جب پانی اور مٹھاس برابر ہو تو کیا کریں؟ فرمایا، وضو اور تیمم دونوں کریں، سغناقی نے فرمایا اس انداز میں نبیذ تمر اور دوسرے نبیذوں کا حکم مختلف نہ ہوگا، یہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

(۶) اجماع ائمہ حنفیہ ہے کہ قلیل مستہلک کا خلط مزیل اطلاق نہیں اگرچہ وہ قلیل جنس ارض سے نہ ہو، ہدایہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الانبذۃ وسئل عنه ایضا اذا کانت الغلبۃ للماء فقال یتوضوء به ولا یتیمم اھ۔

اقول الحلاوۃ ان لم تبلغ مبلغا تجعلہ نبیذا کانت مغلوبۃ وان بلغت فقد غلبت ولا واسطۃ بینہما وایضا لامعنی التساوی الماء والحلاوۃ فان التساوی والتفاضل فی کمین متجانسین فوجب ان المراد المساواۃ فی الاحتمال ای لایغلب علی الظن احد طرفی صیرورتہ نبیذا او بقائہ ماء بل یحتملان علی السواء فالحاصل حصول الشك والتردد وبہ عبر غیرہ ففی التبیین والفتح عن خزانۃ الاکمل وفی الحلیۃ عنہما وعن غیرھا قال مشایخنا انما اختلفت اجوبتہ رضی اللہ تعالٰی عنہ لاختلاف المسائل سئل مرۃ ان کان الماء غالبا قال یتوضؤ وسئل مرۃ ان کانت الحلاوۃ غالبۃ قال یتیمم ولا یتوضؤ وسئل مرۃ اذا لم یدر ایھما الغالب قال یجمع بینہما اھ ھذا لفظ الفتح وقال بعدہ وعلی ھذا یجب التفصیل فی الغسل ان کان النبیذ غالب الحلاوۃ قریبا من سلب الاسم لایغتسل بہ او ضدہ فیغتسل الحاقا بطریق الدلالۃ

سوال کیا گیا کہ جب پانی کا غلبہ ہو تو کیا حکم ہے؟ فرمایا وضو کرے اور تیمم نہ کرے۔

میں کہتا ہوں کہ مٹھاس اگر اس درجہ نہ ہو کہ پانی کو نبیذ بنا دے تو مٹھاس مغلوب سمجھی جائے گی، اور اگر اس درجہ ہو تو غالب ہوگی اور ان دونوں میں کوئی واسطہ نہیں، نیز پانی اور مٹھاس کی مساوات کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ تساوی اور تفاضل دو ہم جنس کمیتوں میں ہوتے ہیں، تو ضروری ہوا کہ یہ مساواۃِ احتمال ہے یعنی اس کا نبیذ ہونا یا پانی رہنا، غالب گمان میں نہیں ہے بلکہ دونوں چیزوں میں برابر کا احتمال ہے، تو حاصل شک و تردد کا حصول ہے، اور ان کے غیر نے اس کی یہی تعبیر کی ہے۔ تبیین اور فتح میں خزانۃ الاکمل سے اور حلیہ میں خزانہ وغیرہا سے ہے کہ ہمارے مشایخ نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے جوابات کے مختلف ہونے کی وجہ سوالات کا اختلاف ہے۔ جب آپ سے یہ پوچھا گیا کہ اگر پانی غالب ہو تو آپ نے فرمایا وضو کرے اور جب یہ پوچھا کہ اگر مٹھاس غالب ہو تو جواب میں فرمایا کہ وضو اور تیمم دونوں کو جمع کرے اھ، یہ فتح کے الفاظ ہیں اور اس پر پھر یہ کہا اس بنا پر غسل میں بھی ضرور تفصیل ہوگی کہ اگر نبیذ میں مٹھاس اتنی غالب ہو جائے کہ پانی کا نام اس پر نہ بولا جائے تو اس سے

میں ہے:

الخلط القلیل لامعتبر بہ لعدم امکان | پانی میں معمولی ملاوٹ کا اعتبار نہیں کیونکہ مٹی کے اجزاء

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اومترددا فیہ یجمع بین الغسل والتیمم اھ۔ | غسل نہ کیا جائے اور اگر اس کے خلاف ہو کر مٹھاس مغلوب ہو اور اس کو پانی کہا جائے تو غسل کرے کیونکہ دلالت کے طور پر غسل کا حکم وضو سے ملحق قرار پائے گا اور اگر نبیذ میں غلبہ کے بارے میں تردد ہو تو غسل اور تیمم کو جمع کرے اھ (ت)

اقول لاحاجۃ الی الالحاق مع بقاء الاطلاق اما الذین اختلفوا فی جواز الغسل بہ فصحح فی المبسوط الجواز وصحح فی المفید عدمہ لان الجنابۃ اغلظ کما ذکرہ فی الفتح بعدہ۔

میں کہتا ہوں کہ اطلاق کی موجودگی میں الحاق کی ضرورت نہیں، نبیذ سے غسل کے جواز کے بارے میں اختلاف کرنے والوں نے جیسا کہ مبسوط میں جواز کی صحت کی ہے اور مفید میں عدمِ جواز کو صحیح کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جنابت زیادہ غلیظ ہے جیسا کہ بعد میں اسے فتح میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

فاقول کلامھم فی ما صار نبیذا وھو غیر ھذا التوفیق الانیق وعلیہ یضطر القائل بجواز الاغتسال بہ الی الحاقہ بالوضوء دلالۃ لاقیاسا لان الجواز فی نبیذ التمر معدول بہ عن سنن القیاس وما کان کذا یجوز الالحاق بہ دلالۃ لاقیاسا اما علی ھذا التوفیق فلا شك ان الوضوء والغسل سیان فی جوازھما بالماء المطلق فلا یجعل احدھما اصلا والاٰخر ملحقا بہ ھذا ومثلہ لفظ التبیین والحلیۃ اذا لم یدر ایھما الغالب فھذا فی المشکوك دون المخالط المساوی

پس میں کہتا ہوں کہ ان کا کلام اس صورت میں ہے جب نبیذ بن جائے تو اس میں مذکورہ توفیق جاری نہ ہوگی لہذا غسل کے جواز کے قائل وضو کے ساتھ الحاق کرنے میں دلالت کے قول پر مجبور ہیں اور وہ قیاس کو یہاں استعمال نہیں کرسکتے کیونکہ نبیذ تمر سے وضو کا جواز قیاس کے قاعدہ پر نہیں ہے، جو قیاس کے خلاف ہو تو اس سے الحاق بطور دلالت ہوسکتا ہے اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا پس اس طرح وضو اور غسل دونوں مطلق پانی سے جواز میں مساوی ہیں ایک کو اصل اور دوسرے کو ملحق نہیں قرار دیا جاسکتا، ہذا، تبیین اور حلیہ کے الفاظ بھی اسی طرح ہیں، تو جب

(باقی اگلے صفحہ پر)

الاحتراز عنه کما فی اجزاء الارض[1]

کی طرح ایسی ملاوٹ سے پانی کا محفوظ ہونا مشکل ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے :

قد رأیناہ یقال فی ماء المد والنیل حال غلبۃ لون الطین علیہ وتقع الاوراق فی الحیاض زمن الخریف فیمر الرفیقان ویقول احدھما للاٰخر ھنا ماء تعال نشرب نتوضأ فیطلقہ مع تغیر اوصافہ بانتقاعھا فظھر لنا من اللسان ان المخلوط المغلوب لایسلب الاطلاق فوجب ترتیب حکم المطلق علی الماء الذی ھو کذلک وقد اغتسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الفتح من قصعۃ فیھا اثر العجین رواہ النسائی والماء بذلک

مد اور نیل کے پانی میں مٹی کا رنگ غالب ہوتا ہے اور حوضوں میں موسمِ خزاں کے پتے گرتے ہیں اس کے باوجود ہم نے دیکھا کہ دو ساتھی وہاں سے گزرتے ہوئے ایک دوسرے کو کہتے ہیں یہ پانی ہے آؤ پئیں اور وضو کریں اسی کو مطلق پانی قرار دیتے ہیں حالانکہ ان چیزوں کے ملنے کی وجہ سے پانی کے اوصاف متغیر ہوچکے ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ملنے والی مغلوب چیز پانی کو اپنے اطلاق سے خارج نہیں کرتی لہٰذا ایسے پانی پر مطلق پانی کا حکم مرتب ہوگا نیز فتح مکہ کے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایسے پیالے سے وضو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قدرا فلیس فیہ مایمیل الی مافی الغنیۃ فتثبت وللہ الحمد۔

دونوں میں سے کسی کا غلبہ معلوم نہ ہو، تو یہ مشکوک کی بات ہوتی مقدار کے اعتبار سے مساوی مخلوط کی بات نہیں ہے یہاں غنیہ والی بات کی طرف میلان ثابت نہیں ہے۔

اقول ونظیر ھذا الاختلاف عن الامام ما فی الحدیث انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سئل عن تقبیل الصائم عرسہ فاجاز فسئل اخری فنھی فاذا الذی اباہ لہ شیخ والذی نہاہ عنہ شاب ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

میں کہتا ہوں کہ اس کی نظیر وہ ہے جو حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک بار یہ سوال ہوا کہ اگر روزے والا اپنی بیوی کا بوسہ لے تو کیا حکم ہے، تو جواب میں اجازت فرمائی۔ اور دوسری بار یہی سوال کیا گیا تو آپ نے منع فرمایا۔ تو اس ایک سوال کے مختلف جوابات کی وجہ یہ ہے اگر وہ روزے والا بوڑھا ہو تو جائز فرمایا اور اگر وہ جوان ہے تو منع فرمایا، اس طرح امام ابوحنیفہ نے نبیذ کے بارے مختلف قول فرمائے کیونکہ ہر جواب علیحدہ نقطے سے متعلق ہے۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

یتغیر و لم یعتبر المغلوبیۃ[1] ۔ فرمایا جس میں آٹا لگا ہوا تھا۔ اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور پانی اس آٹے کی وجہ سے متغیر ہوتا ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ (ت)

(۷) اجماع عرف و شرع ہے کہ زوال اسم موجب زوال اطلاق ہے وقد تقدم فی تعاریف المطلق لاسیما التاسع (مطلق کی تعریفوں خصوصاً نویں تعریف میں گزر چکا ہے۔ ت) و لہذا نبیذ تمر سے وضو ناجائز ہونے پر اجماع ہوا اگرچہ پانی اپنی رقت پر رہے وقد تقدم فی ۲۸۶ (۲۸۶ میں گزر چکا۔ ت)

(۸) اجماع ائمہ حنفیہ ہے کہ پانی کے اوصاف میں قلیل تغیر مانع اطلاق نہیں وقد تقدم فی ۱۱۶ (۱۱۶ میں گزر چکا ہے۔ ت)

یہ آٹھ اجماع واجب الاتباع ناقابل نزاع غیر صالح الاندفاع ہیں اور یہی بحمد اللہ تعالٰی وہ معیار کامل ہے جو مائے مطلق کی تعریف رضوی میں گزرا وللہ الحمد یہ احکام منقحہ ہاتھ میں رکھ کر ضوابط کی طرف چلئے۔

ضابطہ ۱: کسی پھل یا پیڑ یا بیل یا پتوں یا گھاس کے عرق یا عصارے سے وضو جائز نہیں۔ قدوری ہدایہ وقایہ نقایہ کنز اصلاح غرر نور الایضاح متون وغیرہا عامہ کتب میں ہے لایجوز بما اعتصر من شجر او ثمر[2] (درخت اور پھل کے نچوڑے ہوئے پانی سے وضو جائز نہیں۔ ت) اور صحیح یہ کہ یہ حکم قاطر و مستقطر و معتصر سب کو عام ہے کما تقدم فی ۲۰۵ (جیسا کہ بحث ۲۰۵ میں گزر چکا ہے۔ ت)

اقول ھو عندی من فروع الاجماع الاول حتی فی قاطر الکرم وقد تقدم فی حاشیۃ ۲۰۷۔

میں کہتا ہوں کہ یہ میرے نزدیک پہلے اجماع کے فروعات میں سے ہے حتی کہ انگور کے درخت سے نکلنے والے قطروں کو شامل ہے اور یہ بات بحث ۲۰۷ کے حاشیہ میں گزر چکی ہے۔ (ت)

ضابطہ ۲ تا ۴: مطہر پانی کے ناقابل وضو ہو جانے کے لیے متون معتمدہ میں تین سبب ارشاد ہوئے:

(۱) زوال طبع آب

(۲) غلبۂ غیر

(۳) طبخ باغیر

اگرچہ بعض نے ایک سبب بیان کیا بعض نے دو بعض نے اجمالاً سب، اور ان سے تعبیر میں بھی عبارات

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء مطبع عربیہ کراچی ۱/۶۴

[2] نور الایضاح کتاب الطہارۃ مطبع علمیہ لاہور ص ۳

مختلف آئیں مگر عند التحقیق بتوفیق اللہ تعالٰی سب اُسی معیار کے دائرے میں ہیں عبارات یہ ہیں :

(۱) **قدوری** لایجوز بما غلب علیہ غیرہ فاخرجہ عن طبع الماء کماء الباقلی والمرق وماء الزردج[1] (وضوء جائز نہیں ہے اُس پانی سے جس پر کسی دوسری شے کا غلبہ ہوگیا ہو اور اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دیا ہو، جیسے باقلی کا پانی اور زردج کا پانی ۔ ت)

(۲) **ہدایہ** مثلہ وانما اخذ عنہ وان زاد بعض الامثلۃ[2] (ہدایہ میں اسی کی مثل ہے انہوں نے قدوری سے لیا ہے اگرچہ بعض مثالوں کا اضافہ کیا ہے ۔ ت)

(۳) **وقایہ** ولا بماء زال طبعہ بغلبۃ غیرہ اجزاء او بالطبخ کماء الباقلی والمرق[3] (وقایہ میں ہے اور نہ اس پانی سے جس پر غیر کا بصورت اجزاء یا پکانے کی وجہ سے غلبہ ہوگیا ہو جیسے باقلی کا پانی اور شوربہ ۔ ت)

(۴) **نقایہ** یتوضوء بماء السماء والارض وان اختلط بہ طاھر الا اذا اخرجہ عن طبع الماء او غیرہ طبخا وھو مما لایقصد بہ النظافۃ[4] (نقایہ میں ہے آسمان اور زمین کے پانی سے وضوء کرے اگرچہ اس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو، الّا یہ کہ اس کو پانی کی طبیعت سے خارج کردیا ہو یا پکنے کی وجہ سے اس کو پانی کی طبیعت سے خارج کردیا ہو اور وہ غیر چیز ایسی نہ ہو جس سے نظافت مطلوب ہوتی ہے ۔ ت)

(۵ و ۶) **کنز و وافی** لابما تغیر بکثرۃ الاوراق او بالطبخ او غلب علیہ غیرہ اجزاءً[5] (کنز و وافی میں ہے اس پانی سے وضوء جائز نہیں جو پتوں کی کثرت یا پکنے یا غلبہ اجزاء کی وجہ سے بدل گیا ہو ۔ ت)

(۷) **اصلاح** لابماء زال طبعہ بغلبۃ غیرہ اجزاء او تغیر بالطبخ معہ وھو مما لایقصد بہ النظافۃ[6] (اصلاح میں ہے اس پانی سے وضوء جائز نہیں جو اپنی طبیعت کھو بیٹھا ہو دوسرے کے اجزاء کے غلبہ سے یا پکنے کی وجہ سے اور وہ چیز ایسی ہو جس سے نظافت کا ارادہ نہ کیا جاتا ہو ۔ ت)

---

[1] قدوری — کتاب الطہارت — مطبع مجتبائی کانپور — ص ۶
[2] ہدایۃ المبتدی
[3] شرح الوقایۃ — کتاب الطہارت — مطبع رشیدیہ دہلی — ۸۵/۱
[4] جامع الرموز — " — مطبع الاسلامیہ گنبد ایران — ۴۵/۱
[5] کنز الدقائق — میاہ الوضوء — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱۱/۱
[6] اصلاح

(۸) **ملتقی**[1] لابماء خرج عن طبعہ بکثرۃ الاوراق او بغلبۃ غیرہ او بالطبخ کماء الباقلاء والمرق (ملتقی میں ہے اس پانی سے وضوء جائز نہیں جو پتوں کی کثرت یا غیر کے غلبہ یا پکانے کے سبب اپنی طبعیت کھو بیٹھا ہو جیسے باقلاء کا پانی اور شوربہ۔ت)

(۹) **غرر** لابماء زال طبعہ بالطبخ کالمرق او بغلبۃ غیرہ علیہ[2] (غرر میں ہے جس پانی کی طبعیت زائل ہو چکی ہو اس سے وضوء جائز نہیں خواہ پکنے کی وجہ سے یا غیر کے غلبہ کی وجہ سے۔ت)

(۱۰) **تنویر** لابماء مغلوب بطاھر ولا بماء زال طبعہ بطبخ کمرق[3] (تنویر میں ہے جو پانی کسی پاک چیز کے ملنے سے مغلوب ہو چکا ہو یا پکنے سے طبعیت کھو چکا ہو اس سے وضوء جائز نہیں ہے۔ت)

(۱۱) **نورالایضاح** لابماء زال طبعہ بالطبخ او بغلبۃ غیرہ علیہ[4] اھ (نورالایضاح میں ہے جس پانی کی طبعیت پکنے یا غیر کے غلبہ کی بنا پر زائل ہو چکی ہو اس سے وضوء جائز نہیں ہے۔ت)

اقول وترکنا ماذکر بعدہ من تلخیص الضابطۃ الزیلعیۃ فان وضع المتون لنقل المذہب دون الابحاث الحادثۃ۔

میں کہتا ہوں انھوں نے اس کے بعد جو ضابطہ زیلعیہ کی تلخیص ذکر کی ہے ہم نے اسے ترک کر دیا ہے کیونکہ متون کو مذہب نقل کرنے کے لیے وضع کیا ہے نئی ابحاث کے لیے نہیں۔(ت)

---

[1] ملتقی الابحر تجوز الطہارت بماء المطلق عامرہ مصر ۱/ ۲۸
[2] غرر فرض الغسل دارالسعادۃ مصر ۱/ ۲۳
[3] تنویرالابصار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴
[4] نورالایضاح کتاب الطہارۃ علمیہ لاہور ص ۳